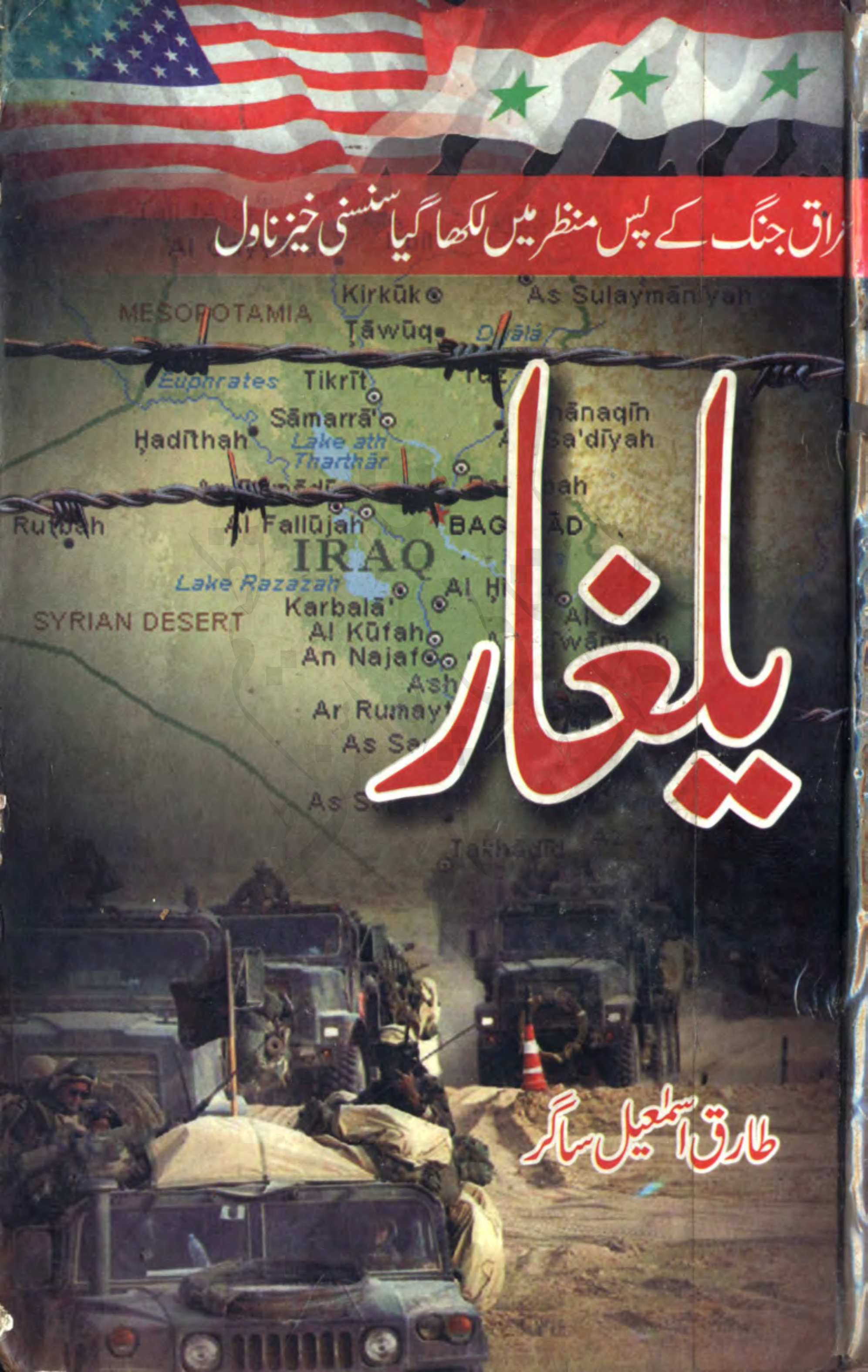
راق جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا سنسنی خیز ناول
یلغار
طارق اسمٰعیل ساگر
Kirkūk
As Sulaymāniyah
MESOPOTAMIA
Tāwūq
Euphrates
Tikrīt
Sāmarrā'
Ḥadīthah
Lake ath Tharthār
Rutbah
Al Fallūjah
IRAQ
Lake Razazah
Karbalā'
SYRIAN DESERT
Al Kūfah
An Najaf

عرضِ مصنف

شاید دو سال بعد آپ کی خدمت میں تازہ ناول ''یلغار'' پیش کر رہا ہوں۔ اتحادی افواج کے عراق پر قابض ہونے کے بمشکل دو ماہ بعد ہی مجھے عراق کا دورہ کرنے اور عوام کے دلوں میں جھانکنے کا موقعہ ملا۔ تب سے اب تک میں ذہنی طور پر خود کو اس ناول کے لئے تیار کر رہا تھا۔ کیونکہ میرے قارئین جانتے ہیں کہ میں رطب و یابس کے بجائے نہ لکھنے پر یقین رکھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو طویل انتظار کی زحمت اُٹھانا پڑتی ہے۔ مجھے اپنے متعلق نہ تو کبھی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے نہ ہی میں کسی خوش فہمی کا شکار ہوں اس لئے زبانی دعوے بھی نہیں کرتا۔ البتہ کوشش کرتا ہوں کہ میرے قلم سے بے مقصد کوئی لفظ نہ نکلے۔ یہ فیصلہ آپ کریں گے کہ میں اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔

بغداد شہر آشوب بن چکا ہے اور ایک بغداد ہی کیا، آج کون سا ایسا مسلم ملک ہے جو دُشمن کی دسترس سے باہر ہو۔ جہاں وہ اپنی مرضی سے اُمورِ مملکت نہ چلا رہا ہو۔ یہ الگ بات کہ جسمانی طور پر حکومتی ایوانوں میں اُس کی موجودگی کا کوئی ثبوت نہ مل سکے لیکن کون سا ایسا فیصلہ ہے جو اُس کی مرضی کے بغیر کیا جاتا ہے۔ شاید اسی صورتِ حال پر مولنا الطاف حسین حالی تڑپ اُٹھے تھے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

لیکن اس سب کا ذمہ دار کون ہے؟ آیئے! ہم سب مل کر اپنے گریبانوں میں جھانکیں، ممکن ہے وہاں اس سوال کا جواب موجود ہو۔

میں اُن ہزاروں قارئین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو مجھے نئے ناول کے لئے گزشتہ دو سال سے فون، خط اور ای میل وغیرہ بھیج چکے ہیں اور شرمندہ بھی ہوں کہ اُن کی توقعات پر پورا نہیں اُتر پایا۔ اسے میری نالائقی ہی جانیے۔ سوا اس کے اور میں کیا عرض کروں۔

طارق اسمٰعیل ساگر
جنوری 2006ء لاہور

"تمہیں سمجھ نہیں آئی شاید......؟ میں کوئی اجنبی زبان نہیں بول رہا...... سمجھے تم......؟ یہاں کوئی بزنس نہیں ہو رہا...... دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

بڑی نستعلیق زبان میں اُسے کھڑکی کے سامنے کھڑے اُردنی سیکورٹی افسر نے ڈانٹا لیکن حماد اس طرح ٹلنے والا نہیں تھا۔ اسے تو جلد از جلد عراق پہنچنے کی دُھن لگی تھی۔

علی الصباح وہ نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو کر سیدھا یہاں چلا آیا تھا۔ حماد کو اُمید تھی کہ اُس وقت عراقی قونصلیٹ کے سامنے شاید کوئی سیکورٹی والا بھی موجود نہ ہو لیکن یہ دیکھ کر اُس کی حیرت گم ہو گئی کہ وہاں تو درجنوں عراقی اُس سے پہلے ہی موجود تھے۔

یہ سب وہ عراقی تھے جو اُردن میں بزنس کرتے یا پھر عراق میں کسی قانونی پیچیدگی سے بچنے کے لئے عمان میں فروکش تھے۔

حماد بھی اُن میں سے ایک تھا۔

بغداد کے مشہور اور پوش علاقے "المنصور" کے رہائشی حماد کے والد کا تعلق بعث پارٹی سے تھا اور بغداد کے متمول اور معزز گھرانوں میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن پارٹی کی اندرونی سیاست نے اُس کے باپ کے نام پر "مشتبہ" کی مہر لگا کر اُس کے خاندان کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔

بغداد میں اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز حماد کے والد نے اُس روز معمول کے مطابق آفس سے گھر آ کر کپڑے تبدیل کئے اور اب وہ سب لوگ دسترخوان پر جمع تھے۔ لیکن حماد نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ آج اُس کے والد کچھ زیادہ ہی پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ پریشانی اُس کی والدہ اور بہن سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی اور وہ بھی بددلی سے لقمے زہر مار کرتے ابو حماد کو دیکھ رہے تھے۔

"خیریت تو ہے ناں......؟" بالآخر حماد کی والدہ نے ضبط کا بندھن توڑ ہی دیا۔

"خیر...... خیر...... الحمدللہ......! کوئی بات نہیں...... کھانا کھاؤ تم لوگ میری طرف کیا دیکھ رہے ہو......؟" ابوحماد نے قدرے خفگی سے کہا۔

اُن کا لہجہ پریشان فکری کی چغلی کھا رہا تھا اور بے پناہ ضبط کے باوجود وہ اپنے چہرے پر آئے تفکرات سے نجات نہیں پا سکے تھے۔

"تم کل اُردن چلے جاؤ۔" اچانک انہوں نے حماد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کل......؟" حماد نے حیرانگی سے اپنے والد کی طرف دیکھا۔

"ہاں......! کل ہی...... دراصل یہاں معاملات کچھ بگڑ رہے ہیں۔ کچھ لوگ خواہ مخواہ مجھے پریشان کرنا چاہتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں بھی......"

انہوں نے بات اُدھوری چھوڑ دی تھی لیکن اُن کی نامکمل بات سے حماد اُس کی ماں اور بہن کے ہاتھ اچانک رُک گئے تھے۔

"اوہو......! بھئی تم لوگ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟" ابوحماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن اُن کی مصنوعی مسکراہٹ کسی سے چھپ نہ سکی۔

"ابو......! پلیز بتایئے......! کیا مسئلہ ہے......؟" سلمیٰ نے بے چینی سے پوچھا۔

ابوحماد نے اپنی لاڈلی بیٹی کی طرف عجیب سی لیکن جگر پاش نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"دیکھو بیٹی......! تم جانتی ہو جنرل واحد مجھے پسند نہیں کرتا اور بدقسمتی سے اس نے انقلابی کونسل میں اہم پوزیشن حاصل کرلی ہے۔"

"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے ابو......؟ آپ نے پارٹی کے لئے...... میرا مطلب ہے یہاں بغداد میں پارٹی کے لئے آپ کی خدمات کون نہیں جانتا......؟" حماد نے قدرے تلخی سے کہا۔

"تم جانتے ہو بیٹا......! یہاں بغداد میں ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہاں محب وطن صرف وہ ہے جسے اودے حسین کا قرب حاصل ہے۔" ابوحماد نے طنزیہ مسکراہٹ اُچھالی۔

"ان لوگوں کو دوست دُشمن کی تمیز نہیں رہی...... افسوس......! صد افسوس......!" حماد کی والدہ نے کہا۔

"اور جہاں اچھے بُرے کی تمیز نہ رہے وہ سماج تباہ ہو جاتا ہے...... وہاں پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔" سلمیٰ نے ایک عربی کہاوت قدرے تبدیلی سے بیان کی۔

"دیکھو بیٹا......! میری زندگی کھلی کتاب ہے۔ سارا بغداد اس بات کو جانتا ہے کہ میں نے اس ملک اور شہر کے لئے کیا کچھ نہیں کیا...... لیکن اسے میری کمزوری سمجھو کہ میں نے کبھی اودے یا قصی حسین کے نزدیکی حلقوں میں گھسنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنے کام سے کام رکھا ہے۔" ابوحماد نے سامنے دیوار پر ٹنگی صدام حسین کی بڑی سی پینٹنگ پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"یہی تو غلطی تھی آپ کی۔ کتنی مرتبہ کہا ہے میں نے آپ سے کہ منافقت ہی سے سہی ان لوگوں سے ملتے جلتے رہا کریں۔" موصل کے ایک سردار گھرانے کی اُم سلمیٰ نے جو بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی، اپنے خاوند ابوحماد کو اُن کی غلطی کا احساس دلایا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم لیلیٰ......! بس مجھ سے ہی ایسا ممکن نہ ہوا۔" ابوحماد نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ابو......! ہمیں کچھ نہیں ہوتا...... کمال ہے...... سارا بغداد آپ کے ساتھ ہے پھر یہ جنرل واحد کیا کرلے گا آپ کا......؟" حماد نے قدرے غصے سے کہا۔

"چھوڑو اس بات کو...... اچھا...... تم عمان میں ابوصالح کے ہاں چلے جانا۔ اُس کے گھر کا علم ہے ناں......؟ میں نے آج اُسے فون کر دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ہم لوگ بھی وہاں آجائیں گے۔" ابوحماد نے اپنے بیٹے کو کہا۔

بچوں کی تشویش بڑھنے لگی تھی۔ حماد خاص طور سے خطرے کی بو سونگھ چکا تھا لیکن آہنی اعصاب رکھنے والی اُم سلمیٰ مطمئن تھی۔ وہ گزشتہ پچیس سال سے اپنے خاوند کی طبیعت آشنا تھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں ایسا ایماندار اور باوقار شخص نہیں دیکھا تھا جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود کبھی کسی غلط مسئلے میں نہیں پھنسا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی اپنے عہدے سے کوئی ناجائز فائدہ اُٹھایا تھا۔

موصل میں اُن کے باغات کی آمدن سے زندگی بڑے ڈھنگ سے چل رہی تھی اور بغداد میں انہیں تمام شہری سہولیات حاصل تھیں۔ اس سے زیادہ کی انہوں نے کبھی خواہش بھی نہیں کی تھی۔ حماد نے حال ہی میں انجینئرنگ کی ڈگری لی تھی اور اب وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرمنی جانے کی تیاریاں کررہا تھا جب اچانک یہ اُفتاد آن پڑی۔

دسترخوان سمٹ چکا تھا۔ مؤدب خادمہ نے برتن اُٹھانے شروع کر دیئے تھے۔ حماد اور سلمیٰ اپنے اپنے کمرے میں جا چکے تھے اور دونوں میاں بیوی اب ریسٹ روم میں بیٹھے تھے۔

''میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا لیکن......'' تنہائی میسر آتے ہی ابوحماد نے اپنی شریکِ حیات سے کہنا شروع کیا۔

''آج میری جنرل واحد سے تلخ کلامی ہوگئی تھی۔ بہت ضبط کیا میں نے لیکن وہ مسلسل میری بے عزتی کر رہا تھا۔ تم جانتی ہو وہ منتقم مزاج ہے، کینہ پرور ہے اور اب تو وہ اودے کا مقربِ خاص بھی بن چکا ہے۔ ضرور یہ لوگ آج کل میں میرے خلاف کارروائی کریں گے۔''

''لیکن جنرل سعد......'' لیلیٰ نے کچھ کہنا چاہا لیکن ابوحماد نے اُس کی بات کاٹ دی۔

''جنرل سعد کا اس وقت صرف ایک ہی ایجنڈا ہے لیلیٰ...... ! اپنی نوکری بچانا۔ جس کے لئے وہ کسی حد تک بھی جا سکتا ہے۔ میں نے اُسے بتایا تھا اور اُس سے درخواست بھی کی تھی کہ وہ صدر سے میری ملاقات کروائے۔ میں خود بات کرلوں گا۔ لیکن اُس نے حیرت انگیز طور پر معذرت کرلی۔ ہاں لیلیٰ...... ! معذرت...... میں نے تم سے کہا ناں کہ بغداد پر خدا کا عذاب اُترنے والا ہے۔ یہاں سچ جھوٹ کی تمیز ختم ہو چکی ہے لیلیٰ......!''

''آپ بغداد سے نکل جائیں...... ابھی اسی وقت...... ہم موصل چلتے ہیں۔ میرے موصل چلتے ہیں...... میرے چچا ہمیں راتوں رات شام یا اُردن پہنچا دیں گے۔'' اُم سلمیٰ نے بے قراری سے کہا۔

''نہیں نہیں...... ! میں جنرل واحد کو یہ موقعہ کبھی نہیں دوں گا کہ وہ میری جگ ہنسائی کر سکے۔ میں بے غیرتی کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دوں گا۔ اپنی خاندانی روایات سے بغاوت نہیں کر سکتا میں۔'' اُس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اُم سلمیٰ خاموش ہوگئی۔

وہ جانتی تھی۔ ابوحماد نے اپنی عزتِ نفس اور غیرت پر کبھی کوئی سودے بازی نہیں کی۔

''کیا کرلیں گے......؟ جیل بھیج دیں گے مجھے......؟ کب تک......؟ اب تو دنوں کی بات ہے...... کسی بھی وقت امریکن حملہ کر سکتے ہیں کسی بھی وقت...... اب وہ زیادہ تاخیر نہیں کریں گے لیکن...... انہوں نے ہوم ورک (Home Work) مکمل کرلیا ہے۔ جانتی ہو تم......؟ ری

پبلکن گارڈز کے دو اہم جرنیل سی آئی اے سے مل چکے ہیں۔ سارا بغداد یہ بات جانتا ہے لیکن نہیں جانتا تو صرف صدام حسین...... خدا جانے کہاں غائب ہوگیا صدر ہمارا۔'' ابوحماد نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

''پردہ پڑ گیا ہے اُس کی عقل پر...... اگر اُس نے اپنے مخلص اور وفادار ساتھیوں کا خیال رکھا ہوتا...... اُن کی باتوں کو اہمیت دی ہوتی تو یہ دن ہی ہمیں دیکھنے کو نہ ملتے۔'' اُم سلمیٰ نے غصے سے کہا۔

''میں تو کہتا ہوں آج رات ہی حماد کو اُردن روانہ کر دو۔ کسی کو کانوں کان اس بات کی خبر نہ ہو۔ چچا جان سے کہنا موصل سے گاڑی بھیج کر سلمیٰ کو اپنے ہاں بلا لیں اور ہاں...... گھر سے فون نہ کرنا انہیں...... ہمارا فون ٹیپ ہو رہا ہے...... تم جانتی ہو وہ لوگ کیسے ہیں......؟'' ابوحماد نے اُسے ہدایات دیں۔

اُم سلمیٰ نے اُس کی طرف لمحہ بھر کو دیکھا اور پُرعزم لہجے میں اُس سے مخاطب ہوئی۔

''سرتاج...... ! آپ ہمت نہ ہاریئے...... کوئی بات نہیں...... مردوں پر ایسے وقت آیا ہی کرتے ہیں۔ میں اپنی بیٹی کو سنبھال لوں گی۔ ابھی موصل کی ماؤں کی غیرت زندہ ہے۔ کوئی ہماری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔''

لیلیٰ کی زندگی کے پچیس سالہ ساتھی ابوحماد کو اُس کے لہجے کی مضبوطی سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اُسے کر گزرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ موصل کے سردار قبیلے کی بیٹی کا عزم ناقابلِ تسخیر ہے۔

قریبی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو ابوحماد نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف نکل پڑا۔ حماد نے بھی اُس کی تقلید کی جبکہ ماں بیٹی گھر میں نماز ادا کرنے کی تیاری کرنے لگیں۔ نماز سے فراغت پر اُم سلمیٰ نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ آج رات ہی حماد کو اُردن روانہ کر دے گی اور علی الصباح سلمیٰ کو موصل پہنچا دے گی۔

اُس نے اپنی ایک عزیزہ کے گھر سے فون کر کے موصل میں اپنے والد کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا اور اب وہ ذہنی طور پر کسی بھی آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھی۔

"المنصور" میں ابوحماد کے گھرانے پر وہ رات قیامت ڈھا گئی۔

رات کے دوسرے پہر ہی جنرل واحد کی خصوصی انٹیلی جنس کے چاک و چوبند دستے نے اُن کے مکان پر دھاوا بول دیا اور ابوحماد کو اُس کی خواب گاہ سے اُٹھا کر لے گئے۔

یہ یہاں معمول کی کارروائی تھی اور بغداد کے شہری اس طرح کے کئی تجربوں سے گزر چکے تھے۔ اپنی چھٹی حس کے تابع اُم سلمٰی نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو آج سرِ شام ہی ہمسائے میں اپنی قریبی سہیلی کے گھر پہنچا دیا تھا اور انہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ صورتِ حال خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو دونوں اپنے پروگرام کے مطابق علی الصباح اپنے چچا کے ساتھ موصل کی طرف نکل جائیں گے۔

دونوں کو والدین نے پیار اور دُعاؤں کے ساتھ رُخصت کیا تھا۔

فجر کی اذان کے ساتھ ہی محمد صالح کی کالے شیشوں والی گاڑی المنصور کے ایک معزز گھرانے کے پورچ میں رُکی اور دونوں بہن بھائی اپنی میزبان آنٹی کی بلائیں اور دُعائیں لیتے اپنے چچا کے ساتھ موصل کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔ دونوں کو رات اپنے گھر پر ٹوٹی قیامت کی سن گن مل گئی تھی اور دونوں پریشان لیکن حوصلہ مند دکھائی دے رہے تھے۔

ابوصالح کا ڈرائیور جوان معاملات کا خاصا ماہر تھا، انہیں اُڑاتا ہوا سہ پہر تک موصل میں اُن کے محفوظ ٹھکانے پر پہنچا چکا تھا جہاں کوئی اُن کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔

پریشان حال بچوں کی حوصلہ مند ماں اُم سلمٰی پانچویں دن اُن کے پاس پہنچ گئی۔ اس کی زبانی انہیں یہ جان کر تسلی ہوگئی کہ اُن کے والد کو ابوغریب جیل بھیج دیا گیا ہے جس پر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ جنرل واحد کے انٹروگیشن سنٹر میں کسی کا پہنچ کر زندہ سلامت نکل آنا معجزہ ہی سمجھا جاتا تھا۔

جو لوگ یہاں سے زندہ واپس آتے تھے اُن میں سے بہت کم خوش قسمت ایسے تھے جن کے وجود مکمل سلامت رہ گئے ہوں۔

پانچ سات روز اپنی والدہ کے ساتھ گزارنے کے بعد اُسے بادلِ نخواستہ اپنی ماں اور بہن سے الگ ہونا پڑا۔ اس کی وجہ احساسِ عدم تحفظ سے زیادہ اُس کے والد کا حکم تھا جس نے حماد کو فوراً یہاں سے اُردن اپنے ایک دوست کے پاس پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔

ابوصالح اُسے لے کر اُردن کی طرف عازمِ سفر تھا۔

اُردن اور عراق کے سرحدی علاقوں خصوصاً بغداد سے اُردن کی طرف جانے والی موٹروے کے اطراف پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کا جال پھیلا ہوا تھا اور اس بات کا خطرہ بہرحال موجود تھا کہ کسی بھی پوسٹ پر اُن کی چیکنگ کے دوران کہیں حماد کو گرفتار ہی نہ کر لیا جائے۔

ابوصالح اپنے قبیلے کا مانا ہوا شہسوار اور اس علاقے میں بہت اثر رسوخ کا مالک تھا۔ اُس نے اپنے بھتیجے کے لئے کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہ جانا اور اُسے راتوں رات بغداد کے مضافات کے ذریعے سفر کرتے ہوئے ایک سرحدی علاقے میں پہنچا دیا جہاں سے اگلے روز اُردن کی سرحد پر موجود ابوصالح کے خصوصی ساتھی اُسے غیر قانونی سرحد عبور کروا کر اُردن لے گئے۔

تیسرے روز شام ڈھلے وہ اپنے باپ کے بچپن کے دوست ابوسعد کے ہاں پہنچ چکا تھا جو بڑی بے چینی سے اُس کا منتظر تھا۔ اُسی رات موصل میں حماد کی والدہ تک حماد کے بخیر و عافیت اُردن پہنچ جانے کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔

عراق اور اُردن کے شہریوں کے لئے ایک دوسرے کے ملک میں داخل ہونے کا کوئی ویزہ نہیں ہوتا۔ صرف اپنی نیشنلٹی کا ثبوت یعنی پاسپورٹ دکھا کر وہ "دخول" کی مہر لگا کر ایک دوسرے کے ملک میں قانونی حیثیت سے قیام کر سکتے ہیں۔ یہ قیام مہینوں اور سالوں پر بھی محیط ہوتا ہے۔ جس کے لئے اُردن کے امیگریشن قانون میں اپنے عرب بھائیوں کے لئے بہت سی آسانیاں رکھی گئی ہیں جن سے فائدہ اُٹھا کر عراق کے کئی بزنس مین عمان میں کاروبار کرتے ہیں جبکہ اُن کی رہائش عراق ہی میں ہوتی ہے۔

اُردن وہ پہلی مرتبہ نہیں آیا تھا۔

والدین کے ساتھ اس کا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا لیکن اس مرتبہ اُس کی آمد قریباً تین سال بعد ہوئی تھی۔ دراصل انجینئرنگ کی تعلیم نے اُسے مہلت ہی نہ دی کہ اُردن جانے کے لئے وقت نکال سکے۔

ابوسعد سے اُس کا کوئی خون کا رشتہ تو نہیں تھا لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ اُسے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ بعض رشتے خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ کہیں جیلوں یا تفتیشی مراکز میں دھکے کھا رہا ہوتا۔

حکومت کے قریبی لوگوں سے خاندانی تعلقات اور بغداد کی اعلیٰ سوسائٹی میں اُٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے اُسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ عراقی حکومت کے بعض عاقبت نااندیش جرنیل اور صدام حسین کے قریبی ساتھی محض شیخی بگھارنے کے چکر میں عراق کا بیڑہ غرق کرنے پر تلے ہیں۔ یہ لوگ خواہ مخواہ اُن باتوں کے دعوے کرتے رہتے تھے جن کا عراق سے دُور دُور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔

اُسے عراق پر سپر اتحادی حملہ اچھی طرح یاد تھا۔

اُن دنوں وہ پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا اور اُس کے والد بغداد میں بعث پارٹی کے چوٹی کے راہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔

شام کو جب وہ ٹیوشن سے واپس گھر لوٹتا تو گھر پر پارٹی کے بڑے بڑے لیڈروں کا اجتماع ہوتا تھا۔ صبح سے رات تک اُن کے گھر قہوے کا دور چلتا۔ اُس کے والد کا تعلق بعث پارٹی کے اُسی گروپ سے تھا جو صدر صدام کو کویت پر حملے سے روکنا چاہتے تھے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اس حملے کے پس پردہ کیا عزائم ہیں اور یہ تحریک کسی کی شہہ پر چل رہی ہے۔

جنرل واحد اُن دنوں اُس کے والد کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا۔ دونوں کی آپس میں گاڑھی چھنتی تھی۔ دونوں خاندانوں کا میل جول بھی مثالی تھی۔

لیکن ''اُم المارک'' (جنوری 1991ء کی پہلی جنگ جو امریکی اتحادیوں اور عراق کے درمیان ہوئی) نے دونوں کے درمیان تفریق پیدا کر دی۔

ابوحماد نے آخری لمحات تک اسی گروپ کا ساتھ دیا جو صدر صدام کو کویت پر حملے سے روکنا چاہتا تھا جبکہ ری پبلکن گارڈ کا جنرل ہونے کے ناطے جنرل واحد اس کے خلاف تھا۔ وہ اُن دنوں صدر صدام کے صاحبزادے قُصّی حسین کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تھا اور نیا نیا انقلابی ہونے کے ناطے اُس کے لئے یہ لازم تھا کہ اپنے باس کی ہر ہاں میں ہاں ملائے بھلے اُس کا انجام عراق کی تباہی ہی کیوں نہ ہو۔

''اُم المارک'' کے بڑے تباہ کن اثرات عراق پر مرتب ہوئے۔ جہاں اس جنگ نے عراقی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی وہاں معاشرتی طور پر بھی بڑی تفریط پیدا کی۔ بعث پارٹی میں اب اعتدال پسندوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں بچی تھی اب دو ہی طبقہ ہائے فکر باقی رہ گئے تھے۔ ایک

تو وہ جو صدام حسین کے دونوں صاحبزادوں کے مقربین اور انتہا پسند کہلاتے تھے اور ایک وہ جو عراق کی تباہی کا ذمہ دار اسی طبقے کو سمجھتے اور ''رجعت پسند'' کہلاتے تھے۔

ابوحماد کا شمار دوسرے گروپ میں ہونے لگا تھا۔

شاید بہت پہلے ہی اُس کی چھٹی ہو جاتی لیکن جنرل واحد کی دوستی بہرحال اُس کے کام آئی اور صدر صدام کے حلقہ احباب میں شامل ہونے کا اعزاز بھی اُس کا ایک مضبوط حوالہ بنا رہا۔

حماد کے گھر اکثر اُس کے والد کے دوستوں کا اجتماع ہوتا جہاں حکومتی اقدامات پر کھل کر تنقید کی جاتی۔ آہستہ آہستہ اُس کا شعور جوان ہونے لگا تھا۔ اُسے اس بات کا احساس تھا کہ ان لوگوں میں یقیناً قُصّی حسین اور اودے حسین کی ذاتی انٹیلی جنس کے لوگ بھی شامل ہوتے ہوں گے جو اپنے نمبر بنانے کے لئے اس کے والد کے خلاف بڑھ چڑھ کر رپورٹیں دیتے ہوں گے۔

اُس نے دو تین مرتبہ اپنے والد کو اس بات کا احساس دلانے کی کوشش بھی کی لیکن موصل کے معزز قبائلی خاندان کے سردار کا بیٹا ابوحماد مصلحتوں کا کبھی قائل نہیں رہا تھا اور دوسرے سردار کی بیٹی اُم سلمیٰ اپنے خاوند کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جان نچھاور کرنے کو اپنا ایمان سمجھتی تھی اور اپنے خاوند کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہنا اپنا اعزاز جانتی تھی۔

سلمیٰ کو کبھی ان جھمیلوں میں پڑنے کی مہلت ہی نہ ملتی۔ وہ سیاست سے اتنی شدید نفرت کرنے لگی جتنی اُس کے باپ کو اس سے محبت تھی۔ عموماً وہ اپنے گھر پر ہونے والے ان غیر قانونی سیاسی اجتماعات کے دوران گھر سے چپ چاپ نکلتی اور ''المنصور'' میں اپنی دو تین سہیلیوں میں سے کسی ایک کے گھر پڑھائی کرنے کے بہانے چلی جاتی جبکہ حماد ان باتوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

لیکن وہ اس صورتِ حال کو اپنے والد کے حق میں خطرناک سمجھنے کے باوجود اس کا تدارک بھی کرنے سے قاصر تھا۔

اپنے والد کے سامنے تو اُسے کھل کر بات کرنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی تھی جبکہ اُس کی والدہ جو اُس کی باتیں بہت دھیان سے سنتی اور آخر میں ایک ہی فقرہ کہہ کر اُسے خاموش کروا دیتی۔

''تم ابھی بچے ہو۔ ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک محب وطن عراقی مسلمان ہونے کے ناطے تمہارے والد اپنی آنکھوں کے سامنے عراق کو تباہ ہوتے دیکھتے

رہیں......؟ وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں اُن کا ساتھ دینا چاہئے اور بس...... تم اپنی پڑھائی کی طرف زیادہ دھیان دیا کرو۔ یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی نہیں ہیں۔ وقت آنے پر سب کچھ جان لو گے۔"

اور وہ خاموش ہو جاتا۔

اپنی والدہ کے اس جواب پر اُس کا احتجاج سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ چپ چاپ وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آتا۔

بغداد پر امریکی حملے کی خبر نے اُسے تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ اب اُس کے لئے ایک لمحہ بھی مزید اُردن میں قیام ناممکن ہو رہا تھا۔ بغداد کے لئے فضائی سروس پر تو کبھی کی پابندی لگ چکی تھی اب اُسے صرف زمینی راستے کے ذریعے داخلے کی سہولت میسر تھی۔

آج وہ اسی ارادے سے عراقی قونصلیٹ پر آیا تھا کہ وطن واپسی سے متعلق ہدایات حاصل کر سکے۔ بغداد میں اُس کا ایک محلے دار قونصلیٹ میں اچھے عہدے پر فائز تھا لیکن دو روز سے وہ دوسرے درجنوں عراقیوں کی طرح بے نیل و مرام واپس جا رہا تھا کیونکہ قونصلیٹ کا بزنس بند تھا اور مطلوبہ شخص غائب۔

آج علی الصباح وہ اس لئے آ گیا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو قونصلیٹ کے اندر تک رسائی حاصل کر کے کوئی تو ایسا طریقہ نکالے جو اُس کی وطن واپسی کو ممکن بنائے لیکن قونصلیٹ کو تو اُردن کے سیکورٹی افسران نے گھیر رکھا تھا اور سنگلاخ دیوار میں نصب وہ واحد کھڑکی جس کے ذریعے یہاں آنے والے استقبالیہ سے رابطہ قائم کرتے تھے، اندر سے بند تھی۔ آج بھی کھڑکی کی سلاخوں کے پیچھے موجود لوہے کی کالی اور مضبوط چادر اُس کا منہ چڑا رہی تھی۔

امریکی افواج نے حملے کا آغاز عراق کے مواصلاتی نظام کو جام کرنے کے بعد کیا تھا۔ اب نہ تو دُنیا کے کسی ملک سے عراق میں مواصلاتی رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی عراق کے کسی بھی شہر سے ٹیلی فون سروس کا فائدہ اُٹھانا ممکن تھا۔

حماد اور دوسرے بہت سے عراقی جو بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر اپنوں سے دُور تھے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ اپنے پیاروں تک کس طرح پہنچیں۔

اُس کی اطلاعات کے مطابق حملے کے پہلے روز عمان سے بس کے ذریعے کچھ نوجوانوں نے عراق کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کی تھی اور تین بسیں انہیں سرحدی علاقوں میں اُتار کر واپس آ گئی تھیں۔ اُردن سے بغداد کے لئے بڑی شاندار بس سروس موجود تھی لیکن وہ بھی اب بند ہو چکی تھی۔ گزشتہ تین روز سے سرحد کے آر پار آمد و رفت بند ہونے سے نہ تو کوئی پیغام عراق سے اس طرف آتا اور نہ اس طرف جا سکتا تھا۔

حماد کو آخری اطلاعات یہی ملی تھیں کہ اس کے والد کا کیس انقلابی کونسل میں چلانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ انقلابی کونسل میں جن لوگوں پر کیس چلائے جاتے تھے اُن میں سے آج تک کوئی بے گناہ ثابت نہیں ہوا تھا۔ دراصل وہاں بے گناہی ثابت کرنے کا بہانہ بنا کر اپنی مرضی کی سزائیں سنانے کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔

انقلابی کونسل کے ملزمان کی فائلیں قُصَی حسین کے سامنے پیش کی جاتی تھیں اور جنرل واحد جیسے اُن کے مقربین ان پر اپنے ریمارکس دے کر ملزمان کے لئے قُصَی حسین سے سزائے موت، عمر قید وغیرہ کا فیصلہ کروایا کرتے تھے۔ ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کے نام پر ایک سرکاری وکیل اور بعض خصوصی حالات میں اپنا وکیل کرنے کی اجازت بھی دی جاتی تھی لیکن وکیل صفائی سرکاری ہوتا یا پرائیویٹ عدالت کے نام نہاد جج کی مرضی کے بغیر وہ کوئی دلائل بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اُسے کیس شروع ہونے سے پہلے ہی جج صاحب جو عموماً کوئی فوجی افسر ہوتا، بریفنگ دے دیا کرتا تھا کہ اسے ''صفائی'' کے نام پر کیا گل کھلانے ہیں ان ہدایات کی سختی سے پابندی وکیل صفائی کے لئے لازم تھی۔

حماد کے لئے قابل اطمینان بات صرف یہ تھی کہ اُس کے والد نے کبھی اپنے ملک و قوم کے خلاف کوئی غلط حرکت کرنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اُس کی پوری زندگی میں اُس پر کرپشن کا کوئی الزام لگا تھا۔

اپنے خیالات میں گم سیکورٹی افسر سے قریباً ڈانٹ کھانے کے بعد وہ سامنے بند کھڑکی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ جب اچانک اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور کھڑکی کے پیچھے موجود آہنی پردہ سرکا اور سامنے ابو محمد کا چہرہ دکھائی دیا جس کے عقب میں دو خواتین اور تین چار مرد بھی کھڑے تھے۔

کھڑکی کھلتے ہی باہر موجود عراقیوں نے اُس پر یلغار کر دی۔ وہ ایک دوسرے کو روند کر آگے نکل جانا چاہتے تھے لیکن ڈنڈہ بردار سوڈانی پولیس والوں نے انہیں سیدھی قطار لگانے پر مجبور کر دیا۔

باری باری سب کھڑکی تک پہنچتے اور بمشکل دومنٹ میں اُن کے استفسارات کے جوابات اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا جاتا۔ اب حماد کی باری تھی۔ اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی ابومحمد نے بے اختیار اپنا ہاتھ سلاخوں سے نکالا۔ اُس سے جیسے تیسے مصافحہ کیا اور اُسے اندر آنے کی ہدایت کر دی۔

اگلے ہی لمحے اس کھڑکی سے بمشکل پانچ گز کے فاصلے پر موجود لوہے کا ایک آہنی گیٹ سرکنے لگا اور جب اُس میں خلا نمودار ہوا تو ایک مسلح گارڈ کے ساتھ حماد کو وہاں ابومحمد کھڑا دکھائی دیا۔

حماد کے اندر قدم رکھتے ہی دروازہ دوبارہ اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ ابومحمد بڑی گرم جوشی سے اُس سے بغلگیر ہوا اور اُسے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ حماد کے انکار کرنے کے باوجود اُس نے کافی تیار کی اور اُسے ایک مگ تھما دیا۔

”مجھے علم ہے تمہارے سوالات کیا ہو سکتے ہیں......؟ لیکن میں تمہیں شروع ہی میں بتا دوں کہ یہ تمام سوالات ہم سب کے ذہنوں میں بھی موجود ہیں۔ گزشتہ چھ روز سے ہمارا اپنی حکومت اور ملک سے رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ وائرلیس سسٹم کے ذریعے ہم نے جو پیغامات بھیجے ہیں اُن کے جواب میں ہمیں صرف ایک ٹائپ شدہ فیکس موصول ہوتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے ابھی انتظار کرو صورتِ حال واضح ہوتے ہی نئے احکامات جاری کر دیئے جائیں گے۔“ اُس نے حماد کی آنکھوں میں موجود تشویش اور فکرمندی پڑھ لی تھی۔

”لیکن انکل......! یہ صورتِ حال آخر کب تک رہے گی......؟ میں بغداد جانا چاہتا ہوں۔“ حماد نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”برخوردار......! بغداد جانے سے تمہیں کوئی نہیں روک رہا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق جو مجھے کل ہی ایک مغربی سفارت خانے میں موجود دوست کے ذریعے ملی ہیں امریکن فوج نے سرحدی علاقوں کا کنٹرول سنبھال لیا ہے اور شاید پرسوں تک وہ سویلین کو سرحد کے آر پار آنے

جانے کی اجازت دے دیں گے......؟ تم جانتے ہو دونوں ممالک کے درمیان جو معاملات چل رہے ہیں اُس میں اُردن حکومت کی طرف سے عراقیوں کے لئے کسی بھی قسم کی رکاوٹ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔“ اُس نے حماد کو تسلی دی۔

”یہ سب کیسے ہو گیا انکل......؟ کیا ہو گیا......؟ میرا مطلب ہے ہماری ری پبلکن گارڈ......“

”بس بس......! میرے بچے......!“ ابومحمد نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

”ایسے درجنوں سوالات ہم سب کے دل و دماغ میں گونج پیدا کر رہے ہیں۔ صحیح صورتِ حال کا علم تو تمہیں بغداد جانے کے بعد ہی ہو گا لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق جنرل واحد اور اُس کے پندرہ بیس ساتھی کافی عرصہ سے سی آئی اے کے لئے کام کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے لڑائی کے آغاز کے ساتھ ہی سرنڈر کرنے کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔ کوئی غدار اپنے ٹھکانے پر موجود نہیں تھا بیٹے......!“ ابومحمد نے تڑپ کر کہا۔

”جنرل واحد بھی......؟ وہ تو قُصَی حسین......“ حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات سے حماد نے نامکمل سوال کیا۔

”کاش......! صدر صدام اور اُن کے بیٹوں نے تمہارے والد جیسے جانثاروں کی باتوں اور مشوروں پر دھیان دیا ہوتا۔ حماد بیٹا......! عراقی جرنیلوں نے عراق پر بمباری کے بمشکل چار گھنٹے بعد ہی بغداد میں سی آئی اے کے ایجنٹوں سے خفیہ ملاقات کی ہے۔ سی آئی اے کے ان ایجنٹوں کو امریکیوں نے حملے کا آغاز کرنے سے دس پندرہ روز پہلے ہی بغداد میں داخل کر دیا تھا اور جانتے ہو انہیں خفیہ طور پر وہاں لانے اور آخر تک محفوظ ٹھکانوں پر چھپائے رکھنے والوں میں سرفہرست اسی جنرل واحد کا نام شامل ہے۔“

ابومحمد نے جس انداز سے یہ بات کی تھی اُس کا لہجہ اُس کے دلی جذبات کی چغلی کھا رہا تھا اور حماد اندازہ کر سکتا تھا کہ جس اندرونی کرب سے ابومحمد گزر رہا ہے وہ اُس اکیلے کا نہیں سارے عراق کا المیہ ہے۔

ابومحمد کی زبانی اُسے علم ہوا کہ امریکی فوجیوں کے عراق میں داخل ہونے کے بعد جو نام نہاد

سی مزاحمت شروع ہوئی تھی وہ بھی عملاً دم توڑ چکی ہے۔ صرف شمالی عراق میں تکریت، موصل اور کرکوک کے علاقوں میں مزاحمت ہو رہی ہے لیکن اس کی نوعیت بھی گوریلا جنگ جیسی ہے۔ باقاعدہ فوج یہاں بھی موجود نہیں ہے اور نہ ہی سنٹرل کمانڈ کی کوئی خبر ہے۔

حماد کے لئے یہ اطلاع بڑی ہی تکلیف دہ تھی کہ جنگ کے آغاز پر ہی عراق کی سنٹرل کمانڈ غائب ہوگئی یا پھر اُن کا مواصلاتی رابطہ اپنے ٹروپس سے کاٹ دیا گیا۔ جس کے بعد مقامی کمانڈروں نے اپنی سطح پر فیصلے کئے جو خاطر خواہ نتائج پیدا کرنے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوئے۔

ابو محمد نے اُسے عمان میں اپنی رہائش گاہ سے آگاہ کرتے ہوئے اپنا خصوصی فون نمبر دے کر کہا تھا کہ وہ اُس سے رابطہ رکھے اور کوئی خطرہ مول نہ لے۔ حماد کے لئے ابو محمد کی طرف سے ملنے والی اطلاعات اتنی پریشان کن تھیں کہ وہ چکرا کے رہ گیا۔

ابو محمد نے اُسے بتایا کہ بغداد پر عملاً لٹیروں کا راج ہے۔ امریکن فوج سوائے اہم تنصیبات پر قبضہ کرنے کے اور کچھ نہیں کر رہے یا پھر اکا دکا مزاحمت کاروں کو ہلاک کر رہے ہیں۔

"مجھے تو ایسے لگتا ہے جیسے امریکیوں کو بطور خاص ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ لاء اینڈ آرڈر کے معاملات میں بالکل دخل نہ دیں اور شہر میں غنڈے اور لٹیرے جو لوٹ مار کر رہے ہیں انہیں اس سے نہ روکیں۔ شاید اسی طرح امریکن مزید خوف و ہراس پیدا کرنے کے بعد اپنی اہمیت جتانے کے لئے اگلی کارروائی کریں۔" ابو محمد نے اپنی رائے ظاہر کی۔

اُس نے حماد کو جبراً شام تک اپنے ساتھ رکھا۔ اس دوران قونصلیٹ والے عراق رابطہ کرنے کی کوشش کرتے رہے اور انہیں ایک ہی رٹا رٹایا جواب موصول ہوتا رہا۔ جن کے بعد حماد کے بضد ہونے پر اُس نے حماد کو گھر جانے کی اجازت دے دی لیکن یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ ابو محمد کے ساتھ اپنی ملاقات کا تذکرہ کسی سے نہ کرے نہ ہی عمان میں اُس کی رہائش گاہ سے کسی عراقی کو آگاہ کرے کیونکہ عمان کے سیکورٹی حکام کسی کو اُن سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ اُس نے حماد کے لئے بطور خاص اجازت دے دی تھی۔

■ ■ ■

پریشان اور دل گرفتہ حماد وہاں سے اُٹھ کر اپنے ٹھکانے پر چلا آیا۔ جہاں سی این این نے ٹی

وی سکرین پر اُس کی وحشت اور پریشانی کو دوچند کرنے کا مکمل اہتمام کر رکھا تھا۔ سی این این کا نمائندہ بغداد شہر کی براہِ راست کوریج کرتے ہوئے لٹیروں کو سرِعام دندناتے اور بازار لوٹتے دکھا رہا تھا۔ یہ لوگ سرکاری عمارات کے تالے توڑ کر اندر جا گھستے تھے اور وہاں سے ہر قابل ذکر شے اُٹھا کر بھاگ رہے تھے۔

حماد کی آنکھوں نے یہ دل خراش منظر بھی دیکھا جب بغداد کے تاریخی میوزیم میں لوٹ مار جاری تھی اور وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر بکتر بند گاڑیوں میں بیٹھے امریکی فوجی اس منظر سے محظوظ ہو رہے تھے۔ وہ لٹیروں کو روکنے کے بجائے اُن عورتوں اور مردوں کا تمسخر اُڑا رہے تھے جو اُن سے ہاتھ باندھ باندھ کر التجا کر رہے تھے کہ ان لٹیروں سے اُن کی جان، عزت اور مال بچائیں۔

"This is none of our business" (یہ ہمارا کام نہیں)۔

امریکن فوجی خوفزدہ اور لٹیروں کے ہاتھوں زخمی عراقیوں سے کہتے۔ سی این این کی نشریات پر یہ منظر تو اس کی آنکھوں میں خون کے آنسو رُلا گیا جب اُس نے موقعہ پر موجود نمائندے کو کہتے سنا کہ ایک نوجوان لڑکی جو بمشکل ان وحشی درندوں سے جان بچا کر کسی نہ کسی طرح ایک ٹینک کے گرد جمع امریکیوں تک پہنچ گئی تھی۔ امریکیوں نے اُس کی مدد کرنے کے بجائے قہقہے لگانے شروع کر دیئے اور جیسے ہی انہوں نے اپنا ٹینک وہاں سے ہٹایا لڑکی کی تاک میں لگے لٹیروں نے اسے اُٹھا کر اپنی کار میں پھینکا اور فرار ہو گئے۔

حماد کو احساس ہی نہ ہو سکا کب اُس کی آنکھوں نے لہو بہانا شروع کیا۔ آنسو اُس کے گالوں پر پھیل رہے تھے اور منہ کا ذائقہ نمکین ہونے لگا تھا۔

اُس سے چند فٹ کے فاصلے پر بیٹھے ابو سعد کا حال بھی حماد سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ لیکن تاریخ کا اُستاد ہونے اور بزرگ ہونے کے ناطے وہ صبر کئے بیٹھا رہا۔ کبھی کبھی کن اکھیوں سے وہ حماد کے چہرے کی بدلتی کیفیات کا جائزہ لے لیتا۔

جب بے اختیار حماد نے بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا تو ضبط کے سارے بندھن توڑ کر اُس کی آنکھوں نے بھی آنسو بہانے شروع کر دیئے۔ لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا۔

اُس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کا سوئچ آف کیا اور بے اختیار حماد کو گلے لگا کر تسلی دینے لگا۔

''میرے بچے......! یہ ہماری تاریخ ہے۔ بغداد پہلی مرتبہ نہیں لٹا۔ 1285ء میں ہلاکو خان نے بغداد کی بیس لاکھ آبادی میں سے 15 لاکھ مسلمانوں کو قتل کروا دیا تھا۔ کتب خانے جلا دیئے تھے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ 1401ء میں بغداد نے پھر تیمور لنگ کی صورت میں اسی عذاب کا سامنا کیا تھا اور ایک صدی بعد 1508ء میں مغربی حکمران شاہ اسمٰعیل نے بغداد پر قابض ہو کر سنی مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ انہوں نے تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات بھی اُجاڑ دیئے تھے۔ 1534ء میں عثمانی خلافت یہاں آئی تو مسلمانوں نے کچھ سُکھ کا سانس لیا۔ لیکن 1622ء میں پھر ایرانی حکمران شاہ عباس اول نے اپنے پیشرو شاہ اسمٰعیل کی تاریخ دُہرائی اور 1638ء میں خدا خدا کر کے دوبارہ سلطان مراد نے یہاں عثمانی خلافت کی تو لوگوں نے سُکھ کا سانس لیا۔'' اُس نے حماد کو ایک آرام دہ کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا......! ہماری بدبختی یہ ہے کہ بغداد کو غیروں سے زیادہ اپنوں نے لوٹا۔ یہ لٹیرے بھی کوئی غیر ملکی نہیں ہیں، بغداد کے مضافات ہی سے یہاں لوٹ مار کرنے آئے ہیں...... ہماری بداعمالیوں کی سزا ہے یہ...... کاش! ہمارے حکمرانوں نے تاریخ سے سبق سیکھا ہوتا...... کاش! مسلمان اپنی ہی تاریخ سے سبق سیکھ لیں۔'' اُس کی آواز بھرّا گئی۔

ماحول بڑا غمناک اور سنجیدہ ہو رہا تھا جب اُس کی بیوی نے دونوں کو زبردستی دوسرے کمرے میں لے جا کر دسترخوان پر بٹھا دیا۔

اپنے میزبانوں کا دل رکھنے کے لئے حماد نے چند لقمے زہر مار کئے تھے۔ اُس کا دل اُچاٹ ہو چکا تھا۔ بھوک پیاس غائب تھی اور رہ رہ کر ایک ہی خواہش سر اُٹھا رہی تھی کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو بغداد پہنچے۔

اُسے اب اپنے گھر سے زیادہ عراق کی فکر دامن گیر تھی۔

غیر ملکی افواج کو بغداد کی سڑکوں پر دندناتے دیکھنا اُس کی غیرتِ ایمانی کے لئے کسی تازیانے سے کم نہیں تھا۔

ابومحمد کی یہ اطلاع اُس کے دل و دماغ پر کسی ٹائم بم کی طرح پھٹی تھی کہ عراقی ری پبلکن گارڈز جنہیں عراق کی حفاظت کے لئے مرجانے کا عہد دلایا جاتا ہے، مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال

رہی تھیں۔

اُسے یاد آ گیا جب اُس کی والدہ نے ایک روز کہا تھا۔ کاش! صدام حسین اور اُس کے بیٹے عراقی نوجوانوں سے اپنی اور عراق کی حفاظت کے بجائے عالمِ اسلام اور ملک و ملت کی حفاظت کا حلف لیتے۔

اُسے آج اپنی ماں کی بات اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔

ان لوگوں نے صدام حسین کے خاندان اور محلات کی حفاظت کا عہد کیا تھا اور جب جنگ شروع ہونے سے پہلے ان محلات کے مالک اور صدام حسین ہی بھاگ گئے تو وہ اپنی جان کیوں ہلکان کرتے۔ تکریت، موصل، کرکوک، رماوی اور فلوجہ میں جو مزاحمت ہو رہی تھی اُس کی وجہ وہاں کے لوگوں کی دینداری اور قبائلی پس منظر تھا۔ یہ لوگ جو رجعت پسند کہلاتے تھے عام عراقیوں سے مزاجاً مختلف تھے۔

موصل کے ایک مذہبی گھرانے سے تعلق کی نسبت سے حماد سے زیادہ اس حقیقت کو اور کون جان سکتا تھا۔

■ ■ ■

ابومحمد سے ملاقات کے آٹھ روز بعد ایک دن ابومحمد نے اُسے بغداد جانے کے لئے گرین سگنل دے دیا۔ امریکیوں نے بغداد کا کنٹرول عملاً سنبھال لیا تھا اور خصوصاً انہوں نے اُردن اور شام سے ملنے والی سرحدوں سے عراقیوں کو ان ممالک میں آنے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

عالمی ذرائع ابلاغ کے نمائندے بھی چونکہ انہی راستوں سے عراق میں آتے جاتے تھے اور دُنیا بھر سے برباد و تباہ حال عراقیوں کے لئے ریلیف بھی خصوصاً اُردن کی سرحد سے عراق میں بھیجی جا رہی تھی۔ کیونکہ ابھی تک امریکیوں نے فضائی ٹریفک کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ خود بھی اس کا خطرہ مول نہیں لے رہے تھے۔

ابومحمد کی طرف سے حماد کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق آج جبکہ امریکی قبضے کو بیس دن ہونے کو آئے تھے، بغداد ائیرپورٹ سے صرف دو جہاز اُڑ کر بغداد سے باہر گئے تھے۔ ان امریکی جہازوں کے پیٹ ان جہنمی عراقی جرنیلوں اور ان کے خاندان کے افراد سے بھر گئے تھے جنہوں نے عراق کو ان حالات تک پہنچانے کے لئے خدمات انجام دی تھیں اور جو طویل مدت سے

امریکن انٹیلی جنس ایجنسی کے تنخواہ دار ملازم تھے اور اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے باؤلے ہوئے جاتے تھے۔

بغداد میں امریکی افواج کے داخل ہونے اور ہوائی اڈے پر کنٹرول حاصل کرنے کے چند گھنٹے بعد ہی جو دو C-130 جہاز یہاں اُترے اور اپنے مسافروں کو لے کر نامعلوم منزل کی طرف اُڑے تھے، ان میں سے ایک C-130 میں جنرل واحد اپنی تینوں بیویوں اور بچوں کے ساتھ ہی اپنا منہ کالا کر گیا تھا۔

یہ وہی جنرل واحد تھا جس نے صدام حسین کے بیٹوں کو ایک طویل عرصہ سے بے وقوف بنا رکھا تھا اور جس پر وہ خود سے بھی زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ سی آئی اے کے اس تنخواہ دار ملازم نے کمال مکاری سے صدام حسین اور اس کے بیٹوں سے دوست دُشمن کی شناخت کی تمیز ہی چھین لی تھی اور جب حکمرانوں سے یہ شناخت چھن جائے تو تباہی و بربادی اُن کا مقدر بن جایا کرتی ہے۔

تاریخ کا کلہاڑا چل گیا تھا۔

وقت صدام کے بیٹوں کے رعونت کو روندتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اب وقت آ گیا تھا جب مرادانِ حُر کو میدانِ عمل میں اُترنا تھا۔

یہ وہ لوگ تھے جو صدام کے بھی معتوب تھے اور امریکیوں کی آنکھوں میں بھی ہمیشہ کانٹوں کی طرح کھٹکتے تھے۔

دمِ رُخصت جب ابو محمد نے اُسے اعتماد میں لیتے ہوئے بڑی ہی راز داری سے بتایا کہ اُس کی مصدقہ اطلاعات کے مطابق فلوجہ، رمادی، موصل اور کرکوک میں مقامی سطح پر ہونے والی مزاحمت منظم ہو رہی ہے تو حماد کو یوں لگا جیسے کسی نے اُس کی جلتے کلیجے پر برف کا بلاک رکھ دیا ہو۔

''الحمد للہ......!'' اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اپنے سفر کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

اُسی رات قریباً 2 بجے ایک بی ایم ڈبلیو گاڑی ابو سعد کے گھر کے باہر آ کر رُکی جس میں پہلے سے عراق جانے والا نوجوان شرجیل سوار تھا۔ وہ بھی حماد کی طرح بغداد کے ایک معزز گھرانے کا بیٹا تھا جو دو سال سے اودے حسین کے ایک قریبی ساتھی کے عتاب سے بچنے کے لئے عمان میں چھپا بیٹھا تھا۔

ابوسعد اور اُس کے گھر والوں نے دونوں کو دُعاؤں اور ''اپنا خیال رکھنے'' کی تلقین کے ساتھ رخصت کیا تھا اور بی ایم ڈبلیو کا تجربہ کار اور مشاق ڈرائیور رات کے اندھیرے میں گاڑی کو اُڑاتا ہوا سرحد کی طرف جا رہا تھا۔

عمان سے عراقی سرحد کا فاصلہ قریباً ساڑھے تین سو کلومیٹر تھا۔

رات کے پہلے پہر سفر آغاز کرنے کا مطلب انہیں سرحد پر موجود اُردن کے سرحدی امیگریشن آفس جا کر سمجھ آیا۔

عمان سے الصفاوی، الروحہ اور الرشید سے گزرتے اب وہ الکرامہ پہنچ چکے تھے جو آخری سرحدی قصبہ تھا۔ نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ انہوں نے یہاں گاڑی روکی، نماز فجر ادا کی اور ڈرائیور کی اس تنبیہ کے ساتھ کہ اب یہاں سے بغداد تک کھانے پینے کی شاید ایسی سہولت میسر نہ آئے، وہاں ہلکا پھلکا ناشتہ بھی کر لیا۔

عمان سے اتنی جلدی روانگی پر شرجیل اور حماد دونوں چیں بجبیں تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر بی ایم ڈبلیو کے ڈرائیور کو ایسی کیا جلدی ہے۔ اگر وہ صبح فجر کی نماز ادا کر کے بھی سرحد کے لئے روانہ ہوتے تو آٹھ نو بجے تک آسانی سے وہاں پہنچ جاتے اور سرحد عبور کر لیتے۔ لیکن یہاں آ کر انہیں ڈرائیور کو داد دینا پڑی۔ اُس نے واقعی عقل مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔

ابھی صبح کے سات بجے تھے اور وہاں سینکڑوں کی تعداد میں سرحد عبور کر کے پار جانے والے عراقی اور اتنی ہی تعداد میں مختلف وہیکلو کھڑے تھے۔

پندرہ بیس روز کی بندش کے بعد سرحد کھلی تھی اور روزانہ ایک ملک سے دوسرے ملک آنے جانے والے ہزاروں لوگوں کو اب بمشکل موقعہ ملا تھا۔ ہر شخص جلدی میں دکھائی دے رہا تھا سوائے امیگریشن والوں کے۔

شاید امریکیوں کی خصوصی ہدایات کے تحت یہاں سے عراق کی سرحد میں داخل ہونے والے ہر عراقی کی بہت سختی سے جانچ پڑتال کی جا رہی تھی۔ حماد نے یہاں درجنوں ایسی فیملیوں کو دیکھا جو عراق کے معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن یہاں بے بسی سے حالات کی ستم ظریفی کا شکار بنی ہوئی تھیں۔

اُردن کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہوشیار اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی بھی مشتبہ شخص کے ڈور اندر تک جھانک لینے والے ایجنٹوں کی نظریں اُن کی حرکات و سکنات پر تھیں اور وہ کسی بھی پریشان حال عراقی پر شک ہونے کی صورت میں امیگریشن آفس سے ملحقہ خصوصی کمروں میں لے جا کر اُن کی مکمل تفتیش کرتے تھے۔

تینوں نے اپنے پاسپورٹ امیگریشن ہال میں داخل ہونے کے فوراً بعد جمع کروا دیئے تھے۔

حماد کے ہاتھوں سے پاسپورٹ وصول کرتے ہوئے سرد چہرے اور گہری آنکھوں والے امیگریشن آفیسر نے شیشوں کے آر پار اُس کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ پاسپورٹوں کو یکے بعد دیگرے چیک کرنے کے بعد اپنے منہ سے کچھ کہنے کے بجائے اُسے ہاتھ کے اشارے سے کچھ فاصلے پر موجود کرسیوں پر بیٹھنے کی ہدایت کی جہاں پہلے ہی درجنوں عراقی پریشان نظروں سے امیگریشن آفیسروں کا جائزہ لے رہے تھے۔

ہال کمرے میں جہاں صرف معمولی پنکھوں سے کام چلایا گیا تھا، تل دھرنے کی جگہ بھی باقی نہیں بچی تھی۔ طویل وقفوں کے بعد مائیک پر چار پانچ عراقیوں کے نام پکارے جاتے اور نزدیک آنے پر امیگریشن آفیسر بڑی رعونت سے اُن کے سامنے ''اخراج'' کی مہر لگے اُن کے پاسپورٹ پھینک کر انہیں ہاتھ کے اشارے سے ہال کمرے کے باہر جانے والے راستے پر جانے کا حکم دیتا۔ بے چارہ عراقی اپنا پاسپورٹ اُٹھا کر باہر نکل جاتا۔

گھنٹوں انتظار سے تنگ آ کر اگر کوئی عراقی احتجاج کے انداز میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر امیگریشن کاؤنٹر کے نزدیک استفسار کے لئے آنے کی کوشش کرتا تو وہاں موجود سفید پوش اُسے بازو سے پکڑ کر دوبارہ اس کی سیٹ پر دھکیل دیتا۔

حماد اپنے ہم وطنوں کی بے بسی اور ذلت کا نظارہ دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ روز دیکھنے کے لئے وہ زندہ ہی کیوں رہے ہیں۔

دو گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد بالآخر ان کے نام پکارے گئے تو حماد نے سکھ کا سانس لیا۔

تینوں کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے امیگریشن آفیسر نے اُن کے پاسپورٹ اُن کے سامنے پھینک کر باہر جانے والے راستے کی طرف اشارہ کیا اور دل ہی دل میں غصے سے بل کھاتا

حماد اُس کی طرف چل دیا۔ اُس کے ساتھی کی حالت بھی مختلف نہیں تھی البتہ بی ایم ڈبلیو کا ڈرائیور مطمئن تھا۔

وہ اُردنی تھا اور اُس کے لئے معمول کی کارروائی تھی۔ اُردن سے عراق، شام، سعودی عرب اور ترکی کے لئے وہ عموماً سواریاں لے جاتا رہتا تھا۔ آج کل سیزن زوروں پر تھا۔ عام دنوں سے تین گناہ زیادہ کرایہ وصول کرنے کے باوجود بھی انہیں فرصت نہیں ملتی تھی۔

تینوں گاڑی میں سوار ہوئے تو تلاشی کا دوسرا جان لیوا مرحلہ درپیش تھا۔ بی ایم ڈبلیو گاڑی کی تلاشی کے لئے انہیں طویل قطار میں لگنا پڑا۔ اُردنی حکام اپنے ہاتھوں میں پکڑے خصوصی آلات کے ذریعے گاڑی کے انجن سے ڈگی تک اور اس میں موجود ایک ایک بیگ چیک کرنے کے بعد سیٹوں کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے جس کے بعد انہیں ایک پروانہ رُخصت عطا کر کے گاڑی پر زور سے ہاتھ مار کر آگے نکل جانے کا حکم ملتا۔

اس جان گسل مرحلے کو عبور کرنے کے بعد اب وہ عراقی سرحد کی آخری پوسٹ پر اُردنی انٹیلی جنس کے مستعد افسران کو اپنے پاسپورٹ اور رُخصت نامے دکھا رہے تھے جنہوں نے ایک مرتبہ پھر انہیں جانچ تول کر آگے جانے کی اجازت دی۔

عراقی سرحد میں داخل ہوتے ہی انہیں امریکن فوجی دکھائی دیئے جنہوں نے جدید ترین خودکار اسلحہ سنبھال رکھا تھا۔ وہ اُردن سے عراق کی سرحد میں داخل ہونے والی ہر وہیکل کو روک کر گہری نظروں سے اندر موجود لوگوں کا جائزہ لیتے پھر وہیکلو کے چاروں طرف گھوم کر تسلی کرتے اور آگے جانے کی اجازت دے دیتے۔

حماد کی توقعات کے برعکس یہاں کسی نے نہ تو ان کے سفری کاغذات چیک کئے اور نہ ہی ان سے کوئی سوالات کئے گئے۔ شاید وہ اپنے اُردنی دوستوں کی کارگزاری سے مطمئن تھے اور خواہ مخواہ کی پریشانی سے بچنا چاہتے تھے۔

موٹروے پر پہنچنے کے فوراً بعد ہی ڈرائیور نے بغداد کی طرف جانے کے بجائے گاڑی ایک کچے راستے پر ڈال دی تو دونوں نے حیرانگی سے اس کا سبب دریافت کیا۔

''ابھی خود ہی دیکھ لینا۔'' ڈرائیور نے جو اُن کا ہم زُبان تھا طنزیہ انداز سے کہا۔

اب وہ ایک سرحدی گاؤں کے ڈیرے پر پہنچ چکے تھے جہاں پہلے سے کچھ گاڑیاں کھڑی

تھیں۔ یہ پٹرول کا چور بازار تھا اور دُنیا میں دوسرے نمبر پر پٹرول پیدا کرنے والے ملک کے شہری اپنے ہی ملک کے چور بازاروں سے پٹرول خریدنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔

’’امریکیوں نے کوٹہ سسٹم نافذ کر دیا ہے۔ پٹرول پمپوں پر گاڑیوں کی قطار میں صبح کھڑے ہوں تو دوپہر کو باری آتی ہے اور وہاں بھی کوٹے کے مطابق پٹرول ملتا ہے۔‘‘ ڈرائیور نے حیران پریشان حماد اور شرجیل کو بتایا۔

حماد کے لئے اب کوئی بھی خبر تشویش ناک نہیں رہی تھی۔ اُسے اس بات کا اندازہ اور علم ابوحمد سے ہو چکا تھا کہ اب من حیث القوم ذلت ان کا مقدر بن چکی ہے کیونکہ امریکیوں نے سب سے پہلے اُن کی عزتِ نفس پر حملہ کر کے انہیں بے بسی کے احساس سے دوچار کر کے یہ احساس دلانے کی کوشش شروع کی تھی کہ اب وہ زمین پر رینگنے والے حشرات الارض سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور اس صورتِ حال سے انہیں صرف امریکی ہی نکال سکتے ہیں۔

حماد کے لئے ان حقائق سے آنکھیں بند رکھنا تو ممکن نہیں تھا لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کر لے۔ اپنے ملک کی سرحد پر موجود امیگریشن آفس کے چاروں طرف کھڑے امریکن ٹینکوں کو دیکھ کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی لیکن وہ ضبط کئے بیٹھا رہا۔ فی الوقت تو وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کسی کو اپنی اصل شناخت بتائے۔ اُس کا والد بہرحال بعث پارٹی کا سرکردہ لیڈر تھا یہ الگ بات ہے کہ آج اُس کا شمار صدام اور اُس کے بیٹوں کے مخالفین میں کیا جاتا تھا لیکن اُس کے عراق اور اپنی قوم سے وابستگی امریکیوں کے نزدیک قابلِ معافی جرم نہیں تھا۔

صحرا کے بیچوں بیچ بنی موٹر وے پر بی ایم ڈبلیو برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی اور حماد کھڑکی کے شیشے سے باہر صحرا میں جھانک رہا تھا جہاں تاحدِ نگاہ ٹینکوں، گاڑیوں اور دوسرے پرائیویٹ وہیکلز کے ڈھانچے بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔

ان ٹینکوں اور توپوں کو کسی جنگی مقابلے کے بعد تباہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ عراقی ری پبلکن کا وہ جنگی سازوسامان تھا جو ان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد امریکیوں نے اس صحرا میں تباہ کر دیا تھا۔

’’امریکن ایسا ہی کرتے ہیں......؟‘‘

حماد کو یاد آ گیا اُس کے والد بتایا کرتے تھے امریکی جس ملک پر بھی کریں دُشمن فوج کا اسلحہ اپنے پاس رکھنے کے بجائے اُسے وہیں تباہ کر دیتے ہیں کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد اُس ملک میں قائم ہونے والی حکومت کے پاس اپنے ملک کی فیکٹریوں میں موجود اسلحے کے انبار فروخت کر سکیں۔

یہاں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن اس صحرا میں آرمی وہیکلز سے زیادہ سویلین کاروں کے ڈھانچے دکھائی دے رہے تھے۔

’’یہ وہ بدقسمت عراقی ہیں جو امریکی بمباری کے بعد اپنی جانیں بچا کر اُردن اور شام کی سرحد کی طرف بھاگ رہے تھے۔ امریکی طیاروں نے انہیں بھی ’’پرائم ٹارگٹ‘‘ سمجھ کر مار ڈالا۔ وہ ہر حرکت کرتی ہوئی شے کو تباہ کر دیتے تھے۔‘‘ ڈرائیور نے شاید حماد کی آنکھوں میں موجود سوال پڑھ لیا تھا۔

’’کیا بالکل مزاحمت نہیں ہوئی......؟‘‘ شرجیل نے تڑپ کر دریافت کیا۔

’’ہوئی تھی...... بالکل معمولی...... بس ذاتی سطح پر...... دراصل ان لوگوں کا مواصلاتی نظام تو تباہ ہو چکا تھا۔ ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئے تھے بے چارے۔ کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم تو تباہ ہو چکا تھا، کس سے ہدایات لیتے۔ امریکیوں کے پاس انہیں گمراہ کرنے والا نظام موجود ہے۔ انہوں نے مقامی کمانڈروں تک اُن کے اعلیٰ افسران کی طرف سے غلط احکامات کی ترسیل شروع کر دی تھی۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتا تھا...... کیا کرے...... کدھر جائے...... کسی نے اگر کچھ کیا تو صرف اپنی مرضی سے...... اپنے اندازے سے...... دیکھو ناں میرے عزیز......! جنگ ایسے تو نہیں لڑی جاتی ناں......؟ میں بھی سابق فوجی ہوں...... ہم نے اسرائیل کے خلاف ’’الکرامہ‘‘ کی جنگ میں حصہ لیا تھا...... جانتے ہو ناں تم الکرامہ کی لڑائی......؟‘‘

اُس نے تحسین طلب نظروں سے باری باری شرجیل اور حماد کی طرف دیکھا۔

’’ہاں ہاں......! پتہ ہے مجھے۔‘‘ شرجیل نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

حماد کو یاد تھا اُس نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا تھا جب 1967ء میں اسرائیل نے اُردن کے سرحدی شہر پر قبضہ کر لیا تھا تو ہاشمی فوج کے جانبازوں نے ’’الکرامہ‘‘ کے جان توڑ معرکے کے ذریعے انہیں واپس دھکیلا تھا۔

’’میں گزشتہ بارہ سال سے سینکڑوں مرتبہ اس سرحد کے آر پار اور جا چکا ہوں۔ مجھے سیاست

سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن مسلمان ہونے کے ناطے بہت اُمید تھی کہ ہمارے عراقی سپاہی......'' اُس کی آواز بھرّا گئی۔ وہ خاموش ہوگیا۔

حماد کو یوں لگا جیسے کسی نے بہت زور سے اُس کے دل کو مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔

''ہم انہیں چھوڑیں گے نہیں...... یاد رکھنا...... ہمیں فلوجہ اور موصل کی ماؤں نے جنم دیا ہے۔ ابھی عراقیوں کی غیرت زندہ ہے۔ تم میری بات سن رہے ہو ناں......؟'' اُس نے آستین سے آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے ہوئے بی ایم ڈبلیو کے ڈرائیور سے کہا۔

''میں جانتا ہوں...... مسلمان بے غیرت نہیں ہوتا...... کسی وقتی جذبے کے تحت وہ مصلحت کوش ہو جائے تو الگ بات ہے لیکن وہ اس طرح اپنے لٹنے کا تماشا نہیں دیکھتا۔ فلسطینیوں کی مثال تمہارے سامنے ہے۔'' اُردنی ڈرائیور نے اُس کی طرف دیکھے بغیر سکرین پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں......! تم ٹھیک کہتے ہو۔'' شرجیل نے اپنی آنکھوں سے کسی بھی لمحے گر پڑنے کو بیتاب آنسوؤں پر ضبط کرتے ہوئے کہا۔ پھر تینوں خاموش ہوگئے۔

خاموشی کا یہ جان لیوا وقفہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ اچانک ہی شرجیل کی آواز اُن کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ ایک قدیم عربی گیت گا رہا تھا۔ فلوجہ کے رہنے والے شرجیل کو بچپن سے اپنے کانوں میں گونجتا اپنی ماں کا ایک گیت یاد آ گیا۔

''ٹھہرو! ٹھہرو! ابھی ہم ہارے نہیں......
ابھی ہمارے گھوڑوں کی ٹانگوں میں بڑا دم ہے......
ہم صحراؤں کے بگولے ہیں......
دیکھ لینا......! دیکھ لینا......! تمہیں ریت کی طرح اُڑا کر لے جائیں گے۔''

گیت کی دُھن حماد کے لئے جانی پہچانی تھی۔
اُس کی آواز بھی اب شرجیل کی آواز میں شامل ہو چکی تھی۔

بغداد سے پھوٹنے والی عراقی موٹروے کا ایک سرا شام اور دوسرا اُردن سے ملتا ہے۔ جبکہ دونوں ممالک کی طرف سے آنے والی سڑکوں کا نقطۂ اتصال بغداد سے کوئی اڑھائی سو کلومیٹر دُور ہے جہاں سے پھر فلوجہ کے پہلو سے نکل کر ٹریفک بغداد میں داخل ہوتی ہے۔ اُردنی ڈرائیو ''التجار''

اور ''الانبار'' سے گزرتا اب فلوجہ کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ ...

تھوڑی دیر بعد وہ بغداد میں داخل ہو رہے تھے۔ راستے میں کہیں کہیں اُن کا ٹکراؤ امریکن بکتر بند دستوں سے ہوا جو برق رفتاری سے اُن کے نزدیک سے گزر جاتے تھے۔ ہوشیار ڈرائیور امریکن ٹریفک دیکھ کر اپنی گاڑی اس طرح سڑک کے کنارے کر لیتا تھا جیسے امریکیوں سے بچ کر نکل جانا چاہتا ہو۔ اس کی زبانی انہیں علم ہوا کہ امریکیوں نے دو روز پہلے اس شاہراہ پر ایک بی ایم ڈبلیو کی گاڑی کو محض اس جرم میں اُڑا دیا تھا کہ اُس کے ڈرائیور نے امریکن قافلے کو راستہ دینے میں تاخیر کی تھی۔

بغداد شہر بھوتوں کا مسکن دکھائی دے رہا تھا۔ سڑکوں پر ویرانیوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور مارکیٹیں بند تھیں۔

ڈرائیور کے بیان کی تصدیق انہیں یہاں آتے ہی ایک پٹرول پمپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہوگئی جہاں گاڑیوں کی قطار لگی تھی اور امریکن فوجی ڈرائیورز کی طرف بندوقیں تانے کھڑے تھے۔ ایک گاڑی جب پٹرول لے کر دوسری طرف باہر نکلتی تب ہی دوسری کو آگے جانے کی اجازت ملتی تھی۔

حماد کے دل سے آہ نکلی۔ اُس کا ملک دُنیا میں پٹرول پیدا کرنے والا دوسرا اہم ملک تھا جہاں کے شہریوں کے نزدیک پٹرول کی اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی لیکن انہیں بھی آج قطار میں کھڑے ہو کر اس ذلت سے گزرنا پڑ رہا تھا۔

دریائے فرات کے پُل سے کچھ فاصلے پر ہی انہیں گاڑیوں کی ایک قطار دکھائی دی۔ اُن کی گاڑی بھی اسی قطار میں لگ گئی۔ علم ہوا کہ دوسری طرف سے امریکن کنوائے گزر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹریفک روک دی گئی ہے۔ اب یا تو وہ لوگ سارے شہر کا چکر لگا کر دوسری طرف سے اپنی منزل کی طرف جائیں یا یہاں رُک کر انتظار کریں۔ دونوں صورتوں میں معاملہ ایک ہی تھا۔

اُن کی گاڑی کا ڈرائیور کچھ گھبراہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے بتایا کہ مغرب کے بعد یہاں کرفیو لگ جاتا ہے اور وہ اس سے پہلے پہلے محفوظ ٹھکانے پر پہنچنا چاہتا ہے۔ حماد نے اُسے اطمینان دلایا اور بتایا کہ ''المنصور'' میں وہ رات اُس کے گھر قیام کرنے کے بعد صبح اطمینان سے واپس جائے۔

انہیں یہاں کھڑے قریباً ایک گھنٹہ گزر گیا تھا لیکن ٹریفک جنبش نہیں کر رہی تھی۔ دونوں نے گو کہ المنصور میں ہی قیام کرنا تھا لیکن یہاں سے ٹریفک چلتی تب ہی وہ آگے بڑھتے۔ بصورتِ دیگر اب واپس مڑنے کے امکانات بھی باقی نہیں رہے تھے۔

شاید اُن کا ڈرائیور شروع میں ہی واپس مڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا لیکن وہ راستہ غیر محفوظ تھا۔

امریکیوں نے بغداد کو مختلف زون میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ابھی تک بغداد عملاً لٹیروں کے رحم و کرم پر تھا۔ البتہ کچھ ایسے علاقے جہاں امریکیوں اور غیر ملکیوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا، خصوصاً جہاں ہوٹل موجود تھے امریکیوں نے لٹیروں کو مار بھگانے کے بعد کلیر (Clear) کر لیا تھا اور ان علاقوں کی خبر امریکیوں کے ساتھ ساتھ عراقیوں کو بھی تھی۔ دوسرے ایریاز کو امریکی اور عراقی دونوں ''علی بابا'' کہتے تھے۔

''علی بابا'' عراقیوں کی مخصوص اصطلاح ہے جو چوروں اور لٹیروں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگر وہ المنصور پہنچنے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرتے تو وہ بغداد کے سب سے خطرناک ''علی بابا ایریا'' ''خراوہ'' سے گزرتے جہاں سے ''دیونا'' ''الجسارت'' اور پھر ''المنصور'' پہنچتے۔ بی ایم ڈبلیو کا ڈرائیور جانتا تھا وہاں سے مقامی عراقی ٹیکسی ڈرائیور تو گزر سکتے ہیں لیکن بی ایم ڈبلیو لٹیرے گزرنے نہیں دیں گے۔ ان لوگوں کے پاس عراقی بھگوڑے فوجیوں کا چھوڑا ہوا اسلحہ بھی موجود تھا اور امریکن بھی اُن کے منہ لگنا پسند نہیں کرتے تھے۔ شاید ابھی انہیں ان لٹیروں کی ضرورت تھی......؟

شاید ابھی وہ بغداد کی مسموم فضا میں سسکیاں لیتا خوف بغداد کے شہریوں کے دل و دماغ مسلط رکھ کر انہیں نفسیاتی مریض بنائے رکھنا چاہتے تھے......؟

شرجیل کے لئے یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

اس وقت دونوں گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ باقی لوگوں کی طرح وہ بھی اپنی طرف عجیب و غریب نظروں سے گھورتے امریکیوں سے آنکھیں چرانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک ہی جیسے شرجیل پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا۔

وہ تیزی سے اُس امریکی سارجنٹ کی طرف بڑھا جو اپنے ساتھیوں کو عراقیوں کے لئے کوئی ہدایات دے کر اُن پر سختی سے عمل کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔

''تم لوگ ٹریفک کو کیوں نہیں گزرنے دیتے......؟'' شرجیل نے قدرے غصے سے امریکی سارجنٹ سے پوچھا۔

Who the hell are you? (کون ہو تم......؟) سارجنٹ نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''دیکھو......! ہمیں المنصور پہنچنا ہے۔ شام کو کرفیو لگ جائے گا۔ اگر دوسرے راستے سے جائیں گے تو ہمیں لٹیرے مار ڈالیں گے......ہمیں جانے دو۔'' شرجیل نے غصے اور درخواست کے انداز میں کہا۔

This is none of our business. (مجھے اس سے کیا سروکار......؟) امریکی سارجنٹ نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

Then whose business is this? (پھر کس کو سروکار ہے اس سے......؟) شرجیل نے تقریباً چیختے ہوئے غصے سے کہا۔

امریکی سارجنٹ نے اچانک اپنی گن اُس کی طرف سیدھی کر لی......وہ اُسے کھا جانے والے انداز سے گھور رہا تھا اور حماد کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے امریکی اُسے گولی مار دے گا۔ وہ تیزی سے شرجیل کی طرف بڑھا اور چاہا کہ اُسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے۔ لیکن شرجیل غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔

''ہم نے تمہیں عراق نہیں بلایا تھا......تم نے یہاں غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے......یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے ہو......نکل جاؤ یہاں سے......ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔''

شرجیل نے گو کہ غصے سے بے قابو ہو کر یہ فقرے عربی زبان میں ادا کئے تھے لیکن اچانک امریکی سارجنٹ آگے بڑھا اور اُس نے بندوق کی نالی حماد کے پہلو سے لگا دی۔

Leave him (چھوڑ دو اسے) وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔

حماد نے کچھ کہنا چاہا لیکن اچانک اُس کی مدد کے لئے موجود ایک لمبے تڑنگے سیاہ فام امریکی

فوجی نے اُسے زور سے دھکا دیا اور بے خیالی میں حماد گاڑی کے دروازے سے ٹکرا گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی ری ایکشن ظاہر کرے، عقلمند ڈرائیور نے اُس کے منہ پر ہاتھ جمایا اور اُسے گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر دھکیل کر دونوں ہاتھ باندھ کر امریکی فوجیوں کی منت ساجت کرنے لگا۔

امریکیوں کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ انہوں نے ڈرائیور کے منہ پر زوردار طمانچہ جمایا اور وہ بیچارہ حماد کی طرح دروازے سے ٹکرا کر دوبارہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی تین فوجیوں نے شرجیل کو وحشیوں کی طرح پیٹنا شروع کر دیا۔ جب وہ مار کھاتے کھاتے نیم بے ہوش ہو گیا تو ایک فوجی نے اپنے پاؤچ سے نائلن کی عجیب و غریب رسی نکالی۔ زمین پر گرے نیم بے ہوش شرجیل کو اوندھے منہ لٹا کر اُس کی کمر پر بیٹھ گیا۔ اُس نے شرجیل کے دونوں ہاتھوں کو اس نائلن کی مضبوط ڈوری سے ہتھکڑی کی طرح لاک لگا کر باندھا۔ اُسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کیا اور جھٹکا دے کر اُس گاڑی کی طرف لے جانے لگا جو اُن لوگوں نے شاید اسی مقصد کے لئے یہاں کھڑی کی تھی۔

انہوں نے شرجیل کو گاڑی میں پھینکا اور آگے بڑھ گئے۔

ڈرائیور کے ہونٹوں سے خون رس رہا تھا۔ اُس نے آستین سے اپنا منہ پونچھا۔

حواس باختہ حماد گاڑی کے اندر سیٹ پر بے دم اور بے حس و حرکت بیٹھا شیشے سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی تمام حسیات کو موت آ گئی ہے۔ صرف دیکھنے کی حس سلامت تھی۔ جب تک اُس کے اوسان بحال ہوئے امریکی جوانوں کا مشن مکمل ہو چکا تھا۔

انہوں نے یہ سارا عمل بمشکل دو تین منٹ میں مکمل کر لیا تھا اور اب بکتر بند گاڑی اُن کی نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔

بے بس، بے حس اور بے دم حماد نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ اپنے جسم کو حرکت دے کر اپنے زندہ ہونے کا یقین کیا اور تڑپ کر گاڑی سے باہر نکلا لیکن سمجھدار اور ہمدرد ڈرائیور نے اُسے دوبارہ اندر دھکیل کر اپنی سیٹ سنبھال لی۔

ٹریفک نے رینگنا شروع کر دیا تھا۔

"کہاں لے گئے اُسے......؟ اوہ میرے خدایا......! کیا ہو گیا یہ......؟" حماد کے منہ سے افسوس اور غصے سے ملی جلی کیفیت سے ڈھنگ کے الفاظ بھی نہیں نکل رہے تھے۔

"صبر کرو......! اللہ بہتر کرے گا......اُسے تھوڑی دیر بعد چھوڑ دیں گے......یہ ایسے ہی کرتے ہیں۔ میں نے تمہاری منت کی تھی کہ ان کے منہ نہ لگنا۔" ڈرائیور نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

"کاش......! کاش......! میں اُسے باہر ہی نہ نکلنے دیتا۔" بے بسی اور غصے کے ملے جلے احساس سے حماد نے اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

"پلیز......! اب نارمل ہو جاؤ......صورتِ حال کو سمجھو......اب تم آزاد نہیں......مفتوح ہو مفتوح۔"

آخری الفاظ اُس نے حماد کی طرف گردن موڑتے ہوئے کہے اور اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ اُنڈیل دیا ہو۔

"واقعی وہ مفتوح تھے......؟"

"امریکیوں نے عراق فتح کیا تھا......؟"

"کیا وہ غلام بن گئے ہیں......؟ اب انہیں امریکہ کے غلام بن کر زندگی بسر کرنا ہو گی......؟"

یہ تصور ہی بڑا جان لیوا تھا۔ حماد کبھی صدام حسین کا حامی نہیں رہا تھا لیکن صدام کے مقابلے میں اُسے امریکیوں کی غلامی بھی قبول نہیں تھی۔

"نہیں بزرگوار......! ہم مفتوح نہیں ہوئے۔ ہم عالمِ اسلام کی اجتماعی بے ضمیری کا شکار ہوئے ہیں......تم......تمہارا ملک......تمہارا بادشاہ......جس کی پرورش انگریز آیا نے کی ہے......اور......اور......وہ......وہ......تم سب نے مل کر ہمیں برباد کیا ہے......تم نے امریکیوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی......بلادِ عرب کے تقدس کو پامال کروایا......اگر تم انہیں اڈے اور پناہ گاہیں فراہم نہ کرتے تو شاید ہم اس بدانجام سے دوچار نہ ہوتے......لیکن......یاد رکھنا......یاد رکھنا یہ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے......کھا جائیں گے تم سب کو......ایک ایک کر کے یہ خون آشام بھیڑیے تم سب کو نگل جائیں گے......تم بھی بچ نہیں پاؤ گے......اور جہاں تک ہمارا تعلق ہے......یاد رکھنا ہمارے ساتھ پہلی مرتبہ ایسا نہیں ہوا......اور کب تک......؟ کب تک یہ سب کچھ چلے گا......؟ بغداد کی ماؤں کا خون اتنا بے غیرت نہیں چاچا......دیکھ لینا......بہت جلد......بہت جلد

ہم اپنی آزادی ان سے واپس چھین لیں گے...... تمہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں......؟ ہم عراقی دُشمن کے آگے کبھی سرِتسلیم خم نہیں کرتے...... ہم انہیں عبرت کا نمونہ بنا دیں گے...... بہت جلد...... بہت جلد۔'' حماد کی زُبان شعلے اُگل رہی تھی اور ڈھلتی عمر کا جوان ارادوں والا اُردنی فوج کا سابق ہاشمی حوالدار عجیب سے طمانیت محسوس کر رہا تھا۔

عجیب سی سرشاری اُس پر طاری تھی۔

''انشاء اللہ......! ایسا ہی ہوگا...... ایسا ہی ہوگا میرے بیٹے......! افغانستان کی طرح عراق بھی ان غاصبوں کا مرگھٹ بنے گا...... اور ہاں...... یہ جان رکھنا ہاشمی خون کی غیرت ابھی زندہ ہے۔ وقت آنے پر تم انہیں کبھی پیچھے نہیں پاؤ گے۔''

اُس کے لہجے کا تیقن بتا رہا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ایسا ہی ہوگا۔

المنصور پہنچنے تک وہ دونوں خاموش رہے۔

بغداد شہر آشوب بنا ہوا تھا۔

بغداد کی ایک بھی بلڈنگ سلامت نہیں تھی۔

رہائش گاہوں کی دیواروں پر گولیوں کے نشان واضح تھے...... دُکانوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے...... بازار اُجڑ چکے تھے...... ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔

المنصور کی مقامی مسجد سے مغرب کی اذان بلند ہو رہی تھی۔ اللہ کی حاکمیت کا اعلان ہو رہا تھا جب بی ایم ڈبلیو حماد کے گھر کے سامنے رُکی۔

/ / /

''کیا یہ میرا ہی گھر ہے......؟'' اُس نے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر خود سے سوال کیا اور خالی خالی نظروں سے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

''المنصور'' بغداد کی پوش آبادی جہاں رنگ و نور کی محفلیں سجا کرتی تھیں اور جہاں کے مکین جنہیں بغداد میں ویسے ہی وی آئی پی کا درجہ حاصل تھا، خدا جانے کہاں کونے کھدروں میں چھپے ہوئے تھے۔ یہاں تو ہر طرف سناٹا تھا۔ ہُو کا عالم طاری تھا۔

گھر کے مین گیٹ کو حماد نے ہاتھ لگایا تو وہ خود بخود کھلتا چلا گیا جبکہ عام حالات میں اسے اندر سے لاک لگایا جاتا تھا۔ اُس نے دروازہ بار بار بیل بجانے کے بعد بھی اندر سے کوئی جواب نہ آنے پر کھولا تھا۔

''گاڑی اندر لے آؤ چاچا......!'' اُس نے بی ایم ڈبلیو (BMW) کے ڈرائیور سے کہا جس نے گاڑی کا انجن ابھی بند نہیں کیا تھا۔

''گھر میں کوئی نہیں کیا......؟ سب کہاں چلے گئے......؟'' حماد نے بڑبڑاتے ہوئے اسی سوال کو دُہرایا تو اُسے یوں لگا جیسے یہی سوال گھر کی تمام دیواریں اس سے کر رہی ہیں۔

گاڑی کا انجن بند کر کے ڈرائیور اب اُس کے نزدیک کھڑا اُس کا سامان گاڑی سے اُتار رہا تھا۔

شرجیل کا سامان بھی اُس نے یہیں اُتار دیا تھا۔

''شاید گھر میں کوئی نہیں...... ورنہ......'' قدرے حیران اور پریشان حماد نے ڈرائیور کی طرف دیکھ کر اپنا فقرہ اُدھورا چھوڑ دیا۔

''چلو......! اندر تو چلیں...... دیکھیں کیا صورتِ حال ہے......؟'' ڈرائیور نے ایک بیگ

اُٹھالیا۔

''چلو......!'' حماد نے دونوں باقی بیگ سنبھالتے ہوئے کہا۔

لان کے ایک کونے میں گاڑی کھڑی کر کے وہ گھر کے برآمدے تک پہنچے جہاں کبھی شاندار اور قیمتی کرسیاں رکھی ہوتی تھیں لیکن اب برآمدہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے بیگ برآمدے میں رکھ کر حماد نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ اُن کا ڈرائنگ روم تھا جہاں کبھی بغداد کے امراء و رؤسا بیٹھنا فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ اس ہال نما کمرے کی دیواروں پر سو سال پرانی تلواریں اور بندوقیں سجاوٹ کے لئے لگائی گئی تھیں لیکن جیسے ہی حماد نے دروازہ کھولا اُسے یوں لگا جیسے وہ غلطی سے کسی اور کے گھر میں آ گیا ہے۔ دیواریں خالی تھیں...... فرش پر بچھے قیمتی قالینوں کی جگہ ایک چھوٹا سا قالین اور دریاں بچھائی گئی تھیں...... کمرے میں موجود قیمتی صوفہ سیٹ کی جگہ دو تخت پوش دھرے تھے اور ایک طرف تین چار ٹوٹی پھوٹی کرسیوں کے ساتھ ایک پرانی میز رکھی تھی۔

ان کی خاندانی تصاویر اپنے قیمتی فریموں سمیت غائب تھیں۔

''اوہ میرے خدایا......!'' حماد کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ تیزی سے ملحقہ کمروں کے دروازے کھولنے لگا۔ جبکہ بوڑھا ڈرائیور وہیں قالین پر دھرے گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ شاید اُس کے لئے یہ سب کچھ قطعی غیر متوقع نہیں تھا......؟

حماد دیوانگی کے عالم میں سارے گھر میں دوڑا پھرتا تھا لیکن گھر کا ہر کمرہ یہی بربادی کی صورت پیش کر رہا تھا جس کا نظارہ اُس نے ڈرائنگ روم میں کیا۔

تین چار منٹ بعد جب اُس کی واپسی ہوئی تو اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ گھر کے سامان کے ساتھ ساتھ یہاں کے مکین بھی غائب تھے۔

''کہاں چلے گئے سب......؟ یہ کیا دیکھ رہا ہوں میں......؟'' اُس نے قالین پر نیم دراز بوڑھے ہاشمی ڈرائیور سے دریافت کیا۔

''بیٹھ جاؤ بیٹا......! تمہارے تمام سوالات کا جواب ابھی تمہیں مل جائیں گے...... بیٹھ جاؤ......!'' اُس نے حماد کو اپنے نزدیک دوسرے گاؤ تکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور حماد بے بسی سے وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

ایک بیگ کھول کر اس نے پانی کی آدھی بچی ہوئی بوتل نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پانی پی لو......!'' حماد نے کسی معمول کی طرح بوتل اُس کے ہاتھ سے پکڑی اور دو تین لمبے لمبے گھونٹ پی کر خود کو قدرے نارمل کر لیا۔

''بیٹا......! بغداد کا ہر وہ گھر جہاں معمولی سا بھی سامانِ زندگی موجود تھا، لُٹ چکا ہے۔ ان گھروں کو امریکی فوجیوں نے نہیں البتہ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن لٹیروں نے لوٹا ہے جو عراقی ہی ہیں......لیکن خدا جانے کہاں سے آئے تھے......؟ ان لوگوں نے بغداد کی ہر عمارت کو اُجاڑ کر رکھ دیا ہے......اب یہاں کسی گھر کے دروازے کھلے بھی رہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں لُٹنے کا سامان ہی باقی نہیں بچا۔'' اس نے بزرگانہ انداز میں حماد کو یوں سمجھایا جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔

اچانک ہی سامنے کا دروازہ کھلا۔ دونوں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ حماد کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اُس کے سامنے اُن کا خاندانی ملازم شعبان ابو محمد کھڑا تھا۔

حماد کسی برقی عمل کے تابع اپنے قدموں پر کھڑا ہوا اور بے اختیار شعبان کی کھلی بانہوں میں سما گیا۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ شعبان نے ہی پہلے خود پر قابو پایا۔ اُس نے حماد کی پیٹھ تھپکتے ہوئے اُسے آہستگی سے الگ کیا اور ہاشمی سے معانقہ کرنے لگا۔

''یہ کیا ہو گیا شعبان......؟ امی، سلمٰی، ابو کہاں ہیں سب......؟'' حماد نے اپنے گلے میں پھنسی سسکیوں پر قابو پاتے ہوئے شعبان کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا کہ بوڑھے ہاشمی ڈرائیور کا کلیجہ بھی منہ کو آنے لگا۔

''بیٹا......! سب خیریت سے ہیں......امریکی فوجوں کے بغداد میں داخلے کے ساتھ ہی یہاں لوٹ مار شروع ہو گئی تھی۔ تمہارے چچا محمد صالح اس رات یہاں ہمارے ساتھ ہی موجود تھے۔ لٹیروں نے بلاتخصیص لوٹ مار کی۔ ہمیں اُمید تھی کہ امریکی فوجی انہیں روکیں گے لیکن جب اس بات کا علم ہوا کہ انہوں نے اس لوٹ مار سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تو صالح نے عورتوں کے ساتھ یہاں سے نکل جانا ہی احسن خیال کیا۔ وہاں موصل میں تو اپنے قبیلے کے لوگ ہیں یہاں ہم ان غنڈوں کا کیا کر سکتے تھے......؟ وہ تو مجھے بھی ساتھ لے جانے پر بضد تھے لیکن میں بھلا اس گھر کو خالی چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا......ضد کر کے یہیں رُک گیا۔ المنصور کی طرف دو روز بعد لٹیروں نے

رُخ کیا کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ یہاں لوگوں کے پاس اسلحہ موجود ہے اور وہ مقابلہ کریں گے لیکن سب جان بچا کر بھاگ گئے۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ سب کچھ لوٹ کر لے گئے۔ خدا کا شکر ہے جان بچ گئی۔ میں نے بھی مزاحمت نہیں کی۔ پندرہ بیس روز بعد تمہاری والدہ اور ماموں آئے تھے۔ دو روز یہاں رہ کر کچھ سامان وغیرہ مجھے دے کر چلے گئے۔ اب میں اکیلا ہی یہاں رہتا ہوں...... نماز پڑھنے گیا ہوا تھا...... واپس لوٹا تو بی ایم ڈبلیو دیکھ کر سمجھ گیا کہ تم اُردن سے واپس آگئے ہو۔'' شعبان نے اپنی بات مکمل کر کے حماد کی طرف دیکھا۔

''الحمدللہ...... ! آپ محفوظ ہیں۔'' حماد کو جیسے صبر سا آ گیا ہو۔

''تم لوگ تھکے ہوگے...... میں تمہارے لئے کھانا تیار کروں۔'' شعبان کہہ کر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔

مسجد اُم المبارک میں عصر کی نماز ہو رہی تھی جب امریکی کنوائے اُس کے نزدیک پہنچا۔ شرجیل کنوائے کے ایک درمیانی سڑک میں پانچ اپنے جیسے اور عراقیوں کے ساتھ فوجیوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ شاید اُس کے ساتھ موجود دوسرے عراقیوں کا بھی یہی گناہ تھا جو اُس سے سرزد ہوا کیونکہ وہ سب مشکل سے نارمل عراقی لگتے تھے۔ شرجیل پہلے تو خوفزدہ تھا لیکن اب اچانک ہی کسی نادیدہ قوت نے اسے حوصلہ دے دیا تھا۔ اُس کا خوف نفرت اور انتقام میں ڈھلنے لگا تھا اور وہ خود کو ایک تبدیل شدہ نوجوان محسوس کر رہا تھا۔

اُس نے دوسرے عراقیوں سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک تو وہ لوگ پہلے ہی اتنے خوفزدہ تھے کہ اُس کی طرف دیکھنے سے بھی ہچکچا رہے تھے۔ جب اُس نے عربی میں اُن سے تعارف چاہا تو اُس کے سامنے بیٹھے امریکی فوجی نے گالیاں بکتے ہوئے رائفل کا بٹ اُس کی ٹانگوں پر مار کر اُسے انگریزی میں خاموش رہنے کا حکم دیا۔

شرجیل کے ساتھی سہم کر رہ گئے لیکن حیرت انگیز طور پر شرجیل خوفزدہ ہونے کے بجائے غصے میں آ گیا۔

''تم انتہائی بزدل اور گھٹیا دشمن ہو...... میرے بولنے سے بھی خوفزدہ۔'' اُس نے انگریزی میں اپنے سامنے بیٹھے امریکی سولجر سے کہا۔ جس نے غصے سے کھولتے ہوئے اُس طرف دیکھا کر

چاہا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اس کا ٹینٹوا دبا دے جب اچانک اُس کے انچارج سیاہ فام سارجنٹ نے اُسے ڈانٹ کر روک دیا۔

''خبردار...... ! بیٹھ جاؤ......!'' اُس نے اپنے جوان کو ڈانٹ کر بٹھا دیا۔

''اگر تم نے اب ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالا تو ہم تمہیں گولی مار کر یہاں پھینک جائیں گے۔'' اُس نے فیصلہ کن لہجے میں شرجیل کو مخاطب کیا جس نے ابھی تک اپنی آنکھیں سامنے والے امریکی فوجی پر گاڑھی ہوئی تھیں۔

شرجیل نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ابھی تک کسی نے اُس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی نہیں باندھی تھی۔

شاید نمازِ عصر ختم ہونے کے بعد نمازی مسجد سے باہر آ رہے تھے کیونکہ امریکی کنوائے کی رفتار کچھ کم ہو گئی تھی۔ پھر اچانک چار گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ رُک گیا کیونکہ اچانک درمیان والی گاڑی کی سکرین سے گولیاں ٹکرائیں اور اگلی سیٹ پر بیٹھا امریکی فوجی منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر ایک طرف لڑھک گیا۔ دو گولیاں اُس کے ماتھے میں لگی تھیں جبکہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے دونوں فوجیوں کو بھی گولیاں لگی تھیں۔ البتہ حیرت انگیز طور پر ڈرائیور محفوظ تھا۔

دونوں زخمی فوجی چیختے چلاتے ہوئے اپنی مادری زبان میں گالیاں دے کر بتا رہے تھے کہ انہیں گولیاں لگی ہیں۔ کسی نے حملہ آور کو نہیں دیکھا تھا لیکن اچانک قافلہ رُک گیا۔ شرجیل کے ٹرک پر موجود فوجیوں نے چھلانگیں لگائیں اور باہر کود گئے۔ وہ لوگ زمین پر پوزیشن لے کر سامنے کی طرف فائرنگ کر رہے تھے جبکہ باقی گاڑیوں والے بھاگتے ہوئے جیپ تک پہنچے تھے جسے اُس کے ڈرائیور نے بڑی مشکل سے قابو کر کے اُس کا انجن بند کر دیا تھا۔

شرجیل کے باقی چاروں ساتھی خوف کے مارے ڈھنگ سے کچھ کرنے کے لائق بھی نہیں رہے تھے۔

''لیٹ جاؤ...... ! لیٹ جاؤ......!'' شرجیل نے چیختے ہوئے انہیں ٹرک کے تختے پر لیٹنے کے لئے کہا اور خود بھی اپنی سیٹ سے لڑھک کر نیچے گرا اور لیٹ گیا۔ اُس نے اپنے کسرتی جسم کو ربڑ کی طرح جمناسٹک کے ماہر کھلاڑیوں کی طرح جنبش دی اور دوسرے ہی لمحے اُس کی پیٹھ پیچھے باندھے ہاتھ اُس کے سامنے تھے۔

شرجیل کے خوفزدہ ساتھی حیرت اور خوف سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شرجیل نے اپنے دانتوں کی مدد سے نائلن کی رسّی کا لاک کھول کر خود کو آزاد کرلیا تھا۔ اسی پوزیشن میں وہ لڑھکتا ہوا ٹرک کے کونے تک پہنچ گیا۔

امریکی فوجی اپنے قیدیوں سے لاپرواہ جنگی پوزیشن میں اسی سمت بڑھ رہے تھے جدھر سے وقفے وقفے سے اُن پر گولیاں چلائی جارہی تھیں۔ حملہ آور شاید ایک یا پھر دو تھے لیکن امریکیوں اور حملہ آوروں کے درمیان نمازی آگئے تھے جنہوں نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی بھاگنے کے بجائے ایسی پوزیشن اختیار کرلی تھی کہ حملہ آور اُن کی آڑ لے کر بھاگ جائیں۔

امریکی اُونچی اُونچی آواز میں گالیاں دیتے انہیں درمیان سے ہٹ جانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ اچانک شرجیل نے دو نمازیوں کو لڑکھڑا کر گرتے دیکھا۔ غالباً امریکیوں نے وارننگ کے باوجود ایک طرف نہ ہٹنے پر اُن پر گولی چلادی تھی۔

اس کے ساتھ ہی شرجیل نے امریکیوں کو ماہر کمانڈوز کی طرح جھپٹ کر اُن کی طرف بھاگتے دیکھا۔ اس سے اگلا منظر دیکھنے سے پہلے وہ ٹرک سے نیچے کود چکا تھا اور اب اُس کی آڑ میں ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ اُس نے بمشکل سڑک عبور ہی کی تھی جب تعاقب میں آتی گولیاں اُس کے بالکل نزدیک سے گزر گئیں۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی۔

دوسرے ہی لمحے شرجیل چھلانگ لگا کر سامنے موجود ایک ٹھیلے کے پیچھے گرا اور ٹھیلے کی آڑ میں بھاگتا ہوا سامنے گلی میں گھس گیا۔

اُس کے پیچھے موجود امریکی فوجی اُونچی آواز میں گالیاں بکتے فائرنگ کر رہے تھے لیکن اب شرجیل اُن کی پہنچ سے دُور نکل گیا تھا۔ مسجد اُم المارک سے ملحقہ بازار میں بھاگتے ہوئے جہاں اِکا دُکا خوفزدہ راہگیروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ رہائشی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ مکانات کے دروازے بند تھے۔ جب اچانک ایک دروازہ کھلا اور اپنے منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے ایک نوجوان نے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

شرجیل نے ایک لمحے کے لئے رُک کر کچھ سوچا پھر گیٹ سے اندر چلا گیا۔ نوجوان نے اُس کی پشت پر دروازہ بند کردیا۔ سامنے کمرے کی طرف اشارہ کرکے اُس نے شرجیل کو کمرے میں جانے کی ہدایت کی تھی۔ شرجیل کمرے میں پہنچا تو وہاں ایک نوجوان لڑکی ہاتھ میں پستول پکڑے

اُس کی منتظر تھی۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ......!'' شرجیل کو کسی نادیدہ قوت نے محفوظ ہونے کا احساس دلا دیا تھا۔

''اہلاً وسہلاً و مرحبا......!'' لڑکی کے بجائے اُسی نوجوان نے جواب دیا جس نے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا تھا اور ابھی شاید باہر کے دروازے کو تالا لگا کر اندر آیا تھا۔

''میرا نام احمد ہے...... یہ میری بہن ہے صالحہ...... مطمئن رہو...... اب تم محفوظ ہو۔''

نوجوان نے اُس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کہا۔

''میں نے تمہیں امریکیوں سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ خدا کا شکر ہے تم دوسری گلی کی طرف نہیں نکل گئے...... وہاں گلی کے باہر انہوں نے ناکہ لگا رکھا تھا۔'' صالحہ نے کہا۔

''میں آپ کا شکر گزار ہوں...... ان لوگوں نے ہمیں فرات کے پل سے گرفتار کرلیا تھا۔ میں نے غصے میں اُن کی گالی کا جواب دیا تو انہوں نے مجھے پیٹنا شروع کردیا۔ معلوم نہیں میرے ساتھی کا کیا حال ہوگا......؟ ہم لوگ اُردن سے بغداد آرہے تھے۔ میں تو دو سال بعد واپس آیا ہوں۔'' شرجیل نے مختصر روئیداد بیان کردی۔

''بے فکر رہو...... الحمدللہ......! یہاں وہ تمہاری گرد کو بھی نہیں چھو سکتے۔ ہم لوگ سب ان کے خلاف مزاحمت کررہے ہیں۔'' احمد نے اُسے اطمینان دلایا۔

''کہاں جارہے تھے تم......؟'' صالحہ نے دریافت کیا۔

''المنصور...... اپنے گھر...... میرا ساتھی حماد اور میں اُردن سے بی ایم ڈبلیو پر آئے تھے۔'' شرجیل نے بتایا۔

اُس نے انہیں اپنی گرفتاری کے واقعہ سے بھی تفصیلاً آگاہ کردیا۔

اسی اثنا میں صالحہ وہاں سے جا چکی تھی اور اُس کی واپسی قہوے کی پیالیوں اور کچھ بسکٹوں کے ساتھ ہوئی۔

''ہمیں افسوس ہے فی الوقت تمہاری اور کوئی خدمت نہیں کرسکتے...... آرام سے قہوہ پیو...... ابھی تمہارا یہاں سے نکلنا خطرناک ہے۔'' اُس نے زمین پر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھے شرجیل کے سامنے قہوہ اور بسکٹ رکھتے ہوئے کہا۔

احمد بھی اُس کا ساتھ دینے کے لئے اُس کے سامنے بیٹھ گیا تھا جبکہ صالحہ دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

دونوں ابھی بمشکل قہوہ پینے سے فارغ ہی ہوئے تھے جب اچانک دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر آ گیا۔ اُس نے سلام کرنے کے بعد احمد کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا۔ آنے والے نے ہاتھ میں کلاشنکوف پکڑ رکھی تھی۔

''مطمئن رہو...... ! یہ ہمارے بھائی ہیں۔'' احمد نے آنے والے سے کہا۔

''امریکی اس کی تلاش میں ادھر آ رہے ہیں۔ ہم نے گلی کے باہر انہیں روک رکھا ہے لیکن زیادہ دیر نہیں روک سکتے۔ اُن کے لئے کمک بھی پہنچنے والی ہوگی۔'' نوجوان نے کہا۔

''صالحہ......!'' احمد نے نوجوان کی بات مکمل ہوتے ہی اُونچی آواز سے کہا۔ دوسرے ہی لمحے صالحہ کمرے میں موجود تھی۔

''تم اپنا کام جاری رکھو...... میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں...... باقی ساتھیوں کو اطلاع کردو۔'' احمد نے نوجوان سے کہا اور وہ کمرے کی ایک الماری کھول کر اُس میں موجود گولیوں کے کچھ پیکٹ لے کر باہر چلا گیا۔

''شرجیل کو لے کر نکلو...... انشاءاللہ...... ! کل ملاقات ہوگی۔'' احمد نے اگلی ہدایت صالحہ کو دی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے الماری سے دو ہینڈ گرنیڈ بھی نکال کر اسے تھما دیئے۔

شرجیل حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

صالحہ نے دونوں گرنیڈ اور پستول اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا لئے اور اب کالے رنگ کا بڑا سا لبادہ اوڑھ کر شرجیل کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

شرجیل نے ابھی اپنے بوٹ بھی نہیں اُتارے تھے۔ احمد نے اس سے معانقہ کیا اور محفوظ رُخصتی کی دُعا دی۔

''انشاءاللہ...... ! ہم دوبارہ ملیں گے...... آپ مجھے کبھی خود سے الگ نہیں پائیں گے۔'' شرجیل نے احمد سے کہا۔

''فی امان اللہ......!''

''فی امان اللہ......!''

دونوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

احمد اپنا اسلحہ تھامے تیزی سے مین گیٹ کی طرف جا رہا تھا جبکہ صالحہ اُسے گھر کی چھت پر لے جا رہی تھی۔ یہاں پرانے بغداد کے گلی محلوں کی طرح گھروں کی چھتیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔

شرجیل کے لئے یہاں ایک اور شاندار نظارہ موجود تھا۔ چھتوں پر عورتیں اور بچے چوکس پہرے داروں کی طرح موجود تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان لوگوں نے بڑا حساس اور مضبوط انٹیلی جنس سسٹم بنا رکھا ہے اور انہیں حماد کی پہلے سے خبر مل چکی ہے۔

''اس طرف۔'' ایک نوعمر بچی نے جو پہلے ہی دوسرے گھر کی چھت پر اُن کی منتظر تھی، اُس سے کہا۔

صالحہ نے شرجیل کی طرف دیکھا۔ شرجیل اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اُس گھر کی چھت پھلانگ کر دوسرے گھر کی چھت پر پہنچ چکے تھے۔ صالحہ اُس کے تعاقب میں تھی۔ اگلے تین چار منٹ میں وہ ایسی چار چھتیں پھلانگ چکے تھے اور اب ایک مکان کے صحن میں اُتر رہے تھے جہاں ایک مقامی ٹیکسی تیار کھڑی تھی۔

دونوں ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ٹیکسی ایک بزرگ عراقی نے سنبھال لی۔ دوسرے ہی لمحے وہ گیٹ سے باہر تھے۔ شاید چھتیں عبور کر کے وہ امریکیوں کی مخالف سمت میں اُترے تھے جہاں میدان بظاہر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک گلی کے کونے پر رُکا تو ایک نوجوان بھاگتا ہوا اُن کے نزدیک آ گیا جس کے پہلو سے لٹکتی کلاشنکوف شرجیل کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے ڈرائیور کی کھڑکی کے نزدیک آ کر صالحہ اور شرجیل کو سلام کیا اور ٹیکسی ڈرائیور کو کچھ ہدایات دے کر ہاتھ کے اشارے سے جانے کے لئے کہا۔

ٹیکسی اب ایک کھلی سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے اور ڈرائیور پیشہ ورانہ انداز میں اسے بھگا رہا تھا۔ راستے میں اُن کا تین مرتبہ امریکی بکتر بند گاڑیوں سے ٹکراؤ ہوا۔ جیسے ہی کوئی گاڑی دکھائی دیتی ٹیکسی ڈرائیور کھڑکی سے ہاتھ نکال کر انہیں Wish کرتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ایک آدھ فقرہ کہہ کر بے وقوف بناتا اور آگے نکل جاتا۔ ہر دفعہ یہ

کرنے کے بعد وہ گردن موڑ کر صالحہ اور شرجیل سے اس پر معذرت بھی کرتا۔ دونوں مسکرا کر اُ داد دیتے۔

پندرہ منٹ کے سفر کے بعد وہ ''جاتریہ'' پہنچ گئے۔ مغرب کی اذان ہو رہی تھی اس کے ا کرفیو لگ چکا تھا۔ ٹیکسی جس گھر میں داخل ہوئی اُس کے مکین شاید اُن ہی کے منتظر تھے۔ انھ نے ہاتھوں ہاتھ انہیں لیا...... اُن سے باری باری معانقہ کیا...... خیریت دریافت کی...... خیر سے پہنچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور ایک ہال کمرے میں لے آئے۔

''آج رات تمہیں یہیں رُکنا ہوگا...... انشاء اللہ...... ! کل المنصور پہنچ جاؤ گے۔'' صا نے کمرے میں داخل ہو کر اسے کہا۔

''اللہ آپ کو سلامت رکھے...... شکریہ...... !'' شرجیل نے اپنے محسنوں سے اظہارِ تشکر کیا ٹیکسی کو انہوں نے گھر کے پورچ میں کھڑا کر لیا تھا اور اُس کی ڈگی سے پستول، بندوقیں ہینڈ گرنیڈ نکال کر اندر محفوظ کر رہے تھے۔

شرجیل کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے تڑپتے دل پر کسی نے برف کا پھاہا رکھ دیا ہ اُردن سے بغداد تک اسے جو بے کلی لگی تھی اور امریکیوں کے ہاتھوں اپنے ہم وطنوں کی تضحیک ا امریکیوں کے ساتھ دورانِ جنگ اپنی ''انقلابی فوج'' کے کردار نے اس کے دل پر جو زخم لگا تھے، بغداد کے ان دو محلوں میں پہنچنے سے وہ خاصے مندمل ہو گئے تھے اور اُس کا دل گواہی د لگا تھا کہ امریکیوں کے لئے بغداد کے شہری لوہے کے چنے ثابت ہوں گے۔ عراقی عوام نے ا بزدل فوج کی طرح امریکیوں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی اور مزاحمت کی تحریک منظم ہو رہی تھی۔

''کاش...... ! ہماری فوج نے عراقی عوام والا کردار ادا کیا ہوتا...... ؟'' رات کے کھانے اُس نے دسترخوان پر بیٹھتے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تو ٹیکسی ڈرائیور نے جو اُس کے بالکل سامنے صاح خانہ اور اُس کے دو صاحبزادوں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''میرے عزیز...... ! پیشہ ور فوجیں ایسا ہی کردار ادا کیا کرتی ہیں۔ یہ کوئی اسلامی فوج نہ تھی۔ تم تو تاریخ کا شعور رکھتے ہو...... پڑھے لکھے ہو...... جانتے نہیں ہمارے حکمرانوں کی غلا کرنے والے سپاہی اس سے زیادہ کیا کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ غاصبوں کے خلاف جنگ ع لڑتے ہیں...... عام مسلمان لڑتے ہیں...... حکمرانوں کے اطاعت گزار فوجی تو وقت آنے پر ا

بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں...... وہ ہمارا ساتھ کیا دیں گے...... ؟ جو فوج اپنے مالکوں صدام حسین اور اس کے بیٹوں کی حفاظت نہیں کر سکی وہ عراق کی حفاظت کیا کرتی...... ؟ ہمارے لئے اُن کا کردار قطعی غیر متوقع نہیں رہا۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا تو شرجیل کو اندازہ ہوا کہ وہ کوئی عام ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہے کیونکہ یہاں موجود تمام لوگ اسے اپنے بزرگ اور کمانڈر جیسی عزت دے رہے ہیں۔

''میں بھی انقلابی فوج کا سابقہ کرنل ہوں بیٹا...... ! اچھی طرح جانتا ہوں اسے...... فوجیں کسی نظریئے کے لئے جان دیا کرتی ہیں...... حاکموں کے لئے کوئی نہیں مرتا...... اور جانتے ہو ہم نے کیا کیا...... ؟'' اُس نے استفہامیہ نظروں سے حاضرین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''ہم نے انہیں اللہ کی اطاعت کا سبق دینے کے بجائے صدام حسین کی اطاعت کا سبق سکھایا۔ انہوں نے لا الٰہ الا اللہ پر مرنے کے بجائے عظیم عراق (میسوپوٹیمیا) کے لئے مر جانے کی تلقین کی۔ ہم نے انہیں اسلامی ملک کا مسلمان فوجی بنانے کے بجائے سوشلسٹ ری پبلک آف عراق کی دھرتی ماتا کا محافظ بنایا...... نتیجہ ظاہر ہے...... جب حملہ آور اُن سے زیادہ قوت کے ساتھ حملہ آور ہوا تو وہ بھاگ گئے...... اور وہ لڑتے ہی کیوں...... ؟ کس کے لئے...... ؟ کس نظریے کے لئے...... ؟''

شرجیل بت بنا اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی میں اس طرح کے عراقی مسلمان پہلی مرتبہ دیکھے تھے جو نظریہ اور اسلام کی باتیں کر رہے تھے۔

''یہ شہنشاہِ بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں کا شہر ہے برخوردار...... ! یہاں امریکیوں کو بڑا ٹف ٹائم ملے گا۔'' ریٹائرڈ کرنل نے اپنی بات مکمل کی۔

''آپ آج سے مجھے بھی اپنا ساتھی سمجھئے...... اب میں کہیں نہیں جاؤں گا...... میرا جینا مرنا آپ کے ساتھ ہوگا۔'' شرجیل نے اچانک ہی فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''مرحبا...... !''

''مرحبا...... !''

''مرحبا...... !''

باری باری سب نے دُہرایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر استقامت عطا فرمائے۔ عالمِ اسلام کو آج تم جیسے ہی مجاہدین
ضرورت ہے۔" کرنل نے کہا۔

"کھانا کھاؤ بیٹا......! اور اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں راہِ ہدایت نصیب فرمائی۔" ٹیک
ڈرائیور نے کہا۔

"یہ ابو حسام ہیں...... ہمارے کمانڈر۔"

کرنل نے شاید یہ مناسب موقعہ جان کر اُس کا تعارف کروا دیا اور شرجیل چونک کر اُ
دیکھنے لگا۔ اُس کا اندازہ صحیح نکلا تھا۔

"تمہیں اس سے زیادہ معلومات کی ابھی ضرورت نہیں...... صالحہ اور احمد ہمارے بہتر
ساتھی ہیں۔ تم ابھی یہیں ٹھہرو...... میں صبح تمہارے دوست حماد کا احوال دریافت کرلوں۔ اس
بعد انشاء اللہ اگلی حکمتِ عملی ترتیب دیں گے۔ المنصور سے ہمیں مجاہدین درکار ہیں ہم بغداد کے
کوچوں کو امریکیوں کا مرگھٹ بنانا چاہتے ہیں۔ تمہارا دوست اگر ابو حماد صاحب کا بیٹا ہے
ہمارے لئے اُس کی شمولیت عطیۂ خداوندی ہوگا۔" ابو حسام نے کہا۔

"میرا دل کہتا ہے وہ ہمارا ساتھی بنے گا۔" شرجیل نے جواب دیا۔

"اللہ تمہاری زُبان مبارک کرے۔ ابھی تمہارا المنصور کی طرف جانا یوں بھی مناسب نہیں
عین ممکن ہے امریکی تمہارے متعلق شک میں مبتلا ہوگئے ہوں۔ وہ احمق ہر غیرت مند مسلمان
"القاعدہ" اور دہشت گردوں کا ساتھی" بنانے پر تُل جاتے ہیں۔ چونکہ اُن کی گرفت سے نکل
بھاگے ہو وہ تمہیں کوئی بڑا "دہشت گرد" سمجھنے لگے ہوں گے۔ یہاں بغداد سے بھی انہیں غدار
کی ایک تیار فوج مل گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صدام کی موجودگی میں اُس کی غلامی کو باعث نجا
سمجھتے تھے اور اب امریکیوں کے تلوے چاٹ کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ ہمار
خلاف امریکیوں کے ٹاؤٹ بن گئے ہیں۔ المنصور چونکہ اہم اور حساس علاقہ ہے اور یہاں زیا
تعداد میں بعث پارٹی کے عہدیدار اور اعلیٰ افسران ہی رہتے تھے اس لئے ان ٹاؤٹوں کی تعد
یہاں معمول سے زیادہ ہے۔ ہمیں بہت احتیاط سے آگے چلنا ہے۔" ابو حسام نے اپنا عندیہ ظا
کیا۔

"آپ جو بھی کریں گے...... میرے لئے وہی مناسب ہوگا۔" شرجیل نے اُن کے فیصلے

سرِ تسلیم خم کیا۔

"تم نماز ادا کرلو...... آرام کرو...... باقی باتیں انشاء اللہ صبح ہوں گی۔" ابو حسام نے اُس کے سامنے دھری قہوے کی پیالی میں قہوہ اُنڈیلتے ہوئے کہا۔

ہوش و حواس بحال ہوئے تو حماد اور ہاشمی کو شرجیل کو فکر دامن گیر ہوئی۔ دونوں اُس کے متعلق پریشان تھے۔

"ان لوگوں کے منہ لگنا مناسب نہیں...... ان سے پہلو تہی مناسب ہے۔" بوڑھے ہاشمی ڈرائیور نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"لیکن یہ بھی تو ممکن نہیں کہ وہ ہمیں جانور سمجھنے لگیں۔ ہمارے ساتھ غیر انسانی سلوک کریں اور ہم صرف اُن کا منہ دیکھتے رہیں۔ کیا غلط بات کی تھی شرجیل نے......؟ اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا...... کس نے کہا تھا ان امریکنوں سے کہ تم آ کر ہماری قسمت سنوارو......؟ اور یہ کیا ہماری قسمت سنوارنے آئے ہیں......؟ یہ تو بغداد کو کھنڈرات میں تبدیل کر رہے ہیں۔ دیکھا نہیں تم نے......؟ ہے کوئی عمارت سلامت یہاں......؟"

حماد کو غصہ آرہا تھا۔ لیکن جہاندیدہ ہاشمی اسے صبر کی تلقین کر رہا تھا۔

شعبان خاموشی سے کبھی اپنے مالک اور کبھی ہاشمی کو دیکھنے لگتا۔ ابھی تک اُس نے ان کی باتوں میں دخل نہیں دیا تھا۔

"میرے خیال سے آپ آرام کرلیں...... باقی باتیں صبح ہوتی رہیں گی۔" اُس نے اپنی تجویز ظاہر کی۔

"ٹھیک ہے......!" حماد نے کہا اور ہاشمی کو شب بخیر کہہ کر اپنے سلیپنگ روم کی طرف چل دیا۔ اُس کمرے میں کبھی ساگوان کی لکڑی کا شاندار پلنگ اور اس کی دیواریں خوبصورت پینٹنگز سے مزین ہوتی تھیں لیکن اب وہاں صرف اُس کے دو بیگ اور ایک کونے میں ایک بیڈ شیٹ پر چادر بچھا کر شعبان نے اسے چارپائی کی شکل دے دی تھی۔

ہاشمی کو انہوں نے وہیں ڈرائنگ روم کے قالین پر بستر لگا دیا تھا۔ کسی بھی عراقی کے لئے اپنے مہمان کی خدمت میں دل و جان کا نذرانہ پیش کرنا سعادت سمجھی جاتی تھی۔ لیکن وہاں پیش

کرنے کو تھا ہی کیا......؟

حماد نجانے کیوں عجیب وغریب جذبات محسوس کر رہا تھا جبکہ ہاشمی اُسے بار بار نارمل ہونے کی تلقین کرتا۔ وہ گزشتہ آٹھ برس سے قریباً آٹھویں دسویں روز عراق میں آ جا رہا تھا۔ بی ایم ڈبلیو کے ذریعے سفر کر کے لوگ اُردن سے یہاں آتے اور یہاں سے اُردن جایا کرتے تھے اور ہاشمی کو اچھی خاصی آمدن ہو جاتی تھی۔ اُسے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ بغداد کی آبادی ''المنصور'' کا شمار یہاں کی متمول آبادیوں میں ہوتا ہے لیکن اس نے تو اپنی آنکھوں سے بغداد کو لٹتے دیکھا تھا۔ اُسے تو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ لٹیروں کے ہاتھوں سے اس گھر کے دروازے کیسے سلامت رہ گئے تھے۔ وہ تو گھروں کی لکڑی کے دروازے بھی اُکھاڑ کر لے گئے تھے۔

حماد پشت کے بل گدے پر لیٹا تو اسے اس گھر کی رونقیں یاد آنے لگیں۔ ایک بے نام سی سیت اُس پر طاری تھی۔

اُسے احساس ہی نہ ہو سکا کب اُس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ کروٹ بدلنے پر آنسوؤں کے قطرے آنکھوں سے نکل کر گال پر بہنے لگے۔ لیٹے لیٹے اس نے قمیص کی آستین سے اپنے آنسو پونچھے اور دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

اُس نے شعبان سے اپنے والد، والدہ اور سلمیٰ کے متعلق بہت سوالات پوچھے تھے لیکن اُسے محسوس ہوا جیسے شعبان اس مہمان کے سامنے کھل کر بات کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ خدا جانے ایسی کیا بات تھی جو وہ ہاشمی کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

علی الصباح اُس کی آنکھ مؤذن کی آواز پر کھلی۔ یہ اُس کی عادت تھی رات خواہ کتنی ہی دیر سے سوئے، صبح اذان کی آواز پر اُس کی آنکھ ضرور کھلتی تھی۔ بچپن سے اُس کی والدہ نے صبح کی نماز کی سختی سے پابندی کروائی اور اب یہ اُس کی عادت بن چکی تھی۔

''صباح الخیر......!'' حماد نے ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر اُونچی آواز سے کہا جہاں شعبان اور ہاشمی دونوں وضو کرنے کے بعد شاید اُسی کے منتظر تھے۔

''صباح الخیر......!'' دونوں نے بیک زبان کہا۔

''مسجد چلیں......؟'' حماد نے شعبان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اُسے ابھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ امریکیوں نے کہیں ''وہشت گردی'' کے پیشِ نظر صبح دم مسجد میں عراقیوں کا

داخلہ ہی نہ بند کر رکھا ہو۔

''آیئے......!'' شعبان نے مختصر جواب دیا۔

تینوں گھر سے باہر نکلے تو چاروں طرف سناٹا طاری تھا۔ حماد کو روانگی سے پہلے کا بغداد یاد آیا جب اذان کی آواز پر ''المنصور'' کی ساری آبادی بیدار ہو جاتی تھی۔ یہ لوگ کتنے ہی گئے گزرے سہی لیکن صبح نماز کے لئے مسجد میں تل دھرنے کو جگہ باقی نہیں بچتی تھی۔ جبکہ اب یہاں ہُو کا عالم طاری تھا۔

تینوں مسجد میں پہنچے تو وہاں امام مسجد اور محلے کے دو بوڑھے موجود تھے۔ سب نے باری باری حماد کو گلے لگا کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اُس کی خیریت دریافت کی۔ حماد کے لئے یہ اطلاع کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ اب مسجد میں اتنے نمازی ہی غنیمت ہیں۔

امام صاحب نے نماز ادا کرواتے ہوئے جب دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو بے اختیار اُن کی آواز بھر آ گئی۔ باقی نمازیوں کی حالت اُن سے مختلف نہیں تھی۔

حماد اور ہاشمی کو وہ زبردستی اپنے حجرے میں لے گئے جو مسجد سے ملحقہ تھا۔ انہیں قہوہ پلایا اور ''المنصور'' پر ٹوٹنے والی قیامت سے آگاہی دی۔

''امریکنوں کو علم تھا یہاں کے زیادہ تر مکین بعث پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہر قابلِ ذکر شخص کو جو یہاں رہ گیا تھا گرفتار کر لیا۔ زیادہ لوگ تو حملے کے آغاز پر ہی یہاں سے نکل کر اپنے آبائی دیہاتوں کی طرف نکل گئے تھے۔ خدا جانے......! وہ کس حال میں ہوں گے......؟''

امام صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

انہوں نے حماد کو گیارہ ان محلے داروں کے نام گنوائے جنہیں بھاگتے ہوئے امریکیوں نے گولیاں مار کر مار ڈالا تھا۔ انہیں شک تھا کہ یہ لوگ صدام کے قریبی ساتھی ہیں جبکہ وہ صرف سرکاری ملازم تھے اور اس خوف سے جان بچا کر بھاگ رہے تھے کہ امریکی انہیں گرفتار کر کے ان کی تفتیش نہ شروع کر دیں۔

''کئی لوگوں کو گرفتار کر کے انہوں نے ابوغریب جیل میں بند کر دیا ہے۔ شاید تمہارے والد بھی وہیں موجود ہوں۔'' امام صاحب نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''شاید......؟'' حماد زیرِ لب بڑبڑایا۔

اُن سے اجازت لے کر وہ گھر آ گئے۔ ہاشمی کو جانے کی جلدی تھی اُس نے القرادہ شرقیہ پر موجود ہوٹل ’’برج الحیات‘‘ سے کسی سواری کو لے کر عمان جانا تھا۔ شعبان نے اس گھر کی روایات کے مطابق مہمان کے لئے بساط بھر کوشش سے بہترین ناشتہ تیار کیا اور تھوڑی دیر بعد ہاشمی انہیں دُعائیں دیتا بغل گیر ہو کر وہاں سے رُخصت ہو گیا۔

’’ابو کی کیا خبر ہے......؟‘‘ ہاشمی کے وہاں سے جاتے ہی حماد نے بے چینی سے شعبان سے دریافت کیا۔

’’کچھ اچھی خبر نہیں...... پرسوں آپ کی امی جان یہاں آئی تھیں۔ اُن کی زبانی علم ہوا کہ امریکن اُن سے تفتیش کر رہے ہیں۔ امریکیوں نے صدام کے ہر قریبی ساتھی کو ’’خطرناک مجرم‘‘ بنا رکھا ہے۔ یہ جانے بغیر کہ کس مجبوری نے ان لوگوں کو صدام کے ساتھی بنے رہنے پر آمادہ رکھا۔‘‘ شعبان نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

’’موصل کی کیا خبریں ہیں......؟‘‘ حماد کو بے چینی لگی تھی۔

’’خیریت ہے وہاں......؟ امریکی شہر کے باہر گھیرا ڈالے بیٹھے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے موصل میں گھسنے کی ہمت نہیں کی۔ دن میں ایک آدھ مرتبہ بکتر بند گاڑیوں میں بیٹھ کر شہر کا چکر لگاتے ہیں۔‘‘ شعبان نے بتایا۔

’’موصل میں ابھی تک کیا......؟‘‘ حماد نے اپنی بات اُدھوری چھوڑ دی۔ شعبان اُس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

’’اب تک امریکیوں کی تین بکتر بند گاڑیاں اور ایک ٹینک ہٹ ہو چکے ہیں۔ راکٹ لانچر سے ان پر حملے ہوئے تھے۔ اب کچھ امن ہے۔‘‘ شعبان نے بتایا۔

’’یہاں صورتِ حال کیسی ہے......؟‘‘ حماد نے ’’المنصور‘‘ سے متعلق دریافت کیا۔

’’اب یہاں لوٹنے کے لئے بچا ہی کیا ہے......؟ مال اسباب لٹیرے لے گئے...... اہم افراد کو امریکیوں نے یا تو گرفتار کر لیا یا بے چارے مارے گئے...... باقی لوگ اپنی جانیں بچا کر بغداد سے نکل گئے ہیں۔ ہماری لین کے پچاس گھروں میں بمشکل پچاس ساٹھ لوگ ہی رہتے ہیں۔ جو خوف کے مارے گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے۔‘‘ شعبان نے اُسے تفصیلات سے آگاہ کیا۔

’’ابو کے متعلق معاملات کو اب کون ڈیل کر رہا ہے......؟‘‘ اس نے شعبان سے پوچھا۔

شعبان نے بتایا کہ ’’قصر جمہوریہ‘‘ میں امریکن فوجوں نے ڈیرے جمائے ہوئے ہیں۔ عوامی اُمور سے متعلق تمام معاملات کو وہی لوگ نمٹاتے ہیں۔ لیکن وہاں کا جو نقشہ اس نے بیان کیا اس سے حماد کو بظاہر یونہی لگا جیسے وہ شاید اب اپنے والد کی خیریت سے آگاہ ہی نہ ہو سکے۔

شعبان نے اسے فوراً موصل جانے کی ہدایت کی تھی کیونکہ اپنی دانست میں وہ یہاں حماد کو محفوظ نہیں سمجھ رہا تھا لیکن حماد نے موصل جانے کے بجائے اپنے والد کی خیریت سے آگاہی حاصل کرنا اور اُن سے ابوغریب جیل میں ملاقات کرنا زیادہ احسن خیال کیا۔

حماد نے اکیلے ہی ’’قصر جمہوریہ‘‘ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ شعبان نے آخری لمحات تک اسے روکا لیکن بغداد میں رہتے ہوئے اپنے والد کی خیریت سے بے فکر رہنا حماد کے لئے اب ممکن نہیں رہا تھا۔

بغداد میں سوائے ٹیکسی کے اور کوئی سواری ممکن نہیں رہی تھی یا پھر لوگ اپنی ذاتی ٹرانسپورٹ استعمال کرتے تھے۔ حماد کے گھر میں دو قیمتی کاریں موجود تھیں۔ ایک تو لٹیرے لے گئے تھے جبکہ دوسری اس کی والدہ موصل لے گئی تھیں۔

اُسے اُمید تھی کہ المنصور کے ڈپلومیٹک ایریا میں اسے ٹیکسی ضرور مل جائے گی کیونکہ یہاں غیر ملکی سفارت خانوں میں ضرورت مندوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا گو کہ سفارتی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھیں اور المنصور میں موجود سفارت خانوں میں متعلقہ ممالک کا عملہ انتہائی محدود تعداد میں محض اپنے اپنے ملک کے مفادات کی نگرانی کے لئے باقی بچا تھا۔

اپنے گھر سے وہ پیدل ہی نکلا اور قریباً ایک ڈیڑھ کلومیٹر تک چلتا چلا گیا۔ اس دوران اسے بمشکل تین چار کاریں دکھائی دیں جن کے سوار تیز رفتاری سے اس کے قریب سے گزر گئے تھے۔

یہاں ہر شخص دوسرے سے خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا اور کوئی بھی کہیں رُکنے کا خطرہ مول نہیں لیتا تھا۔ ایک افریقی ملک کے سفارت خانے کے باہر بالآخر اسے ٹیکسی مل ہی گئی جسے حماد نے پورے دن کے لئے کرائے پر حاصل کر لیا۔ وہ اُردن سے اپنے لئے امریکی ڈالر لے آیا تھا جو اس کے کام آ رہے تھے۔ عراقی کرنسی کی حیثیت تو کاغذ کے نوٹوں سے زیادہ اور کچھ نہیں رہ گئی تھی۔

ٹیکسی میں ’’قصر جمہوریہ‘‘ کی طرف جاتے ہوئے وہ بغداد کی سڑکوں سے گزر رہا تھا۔ سڑکوں پر کہیں کہیں امریکن ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں پر مشین گنیں فٹ کئے مستعد امریکی فوجی

دکھائی دے رہے تھے جن کے نزدیک بے یار و مددگار اور لٹے پٹے بغداد کے شہریوں کی حیثیت حشرات الارض سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی۔

قصر جمہوریہ کی طرف جاتے ہوئے جب وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے نزدیک سے گزرا تو ٹیکسی ڈرائیور کی زبانی یہ جان کر اسے بے حد دکھ ہوا کہ امریکی میزائل نے اس میں موجود مسجد کا مینار اور مقبرے کی ایک دیوار تباہ کردی تھی۔

"انہوں نے کوئی بڑی عمارت ایسی نہیں چھوڑی جس کو سلامت رہنے دیا ہو۔ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مقابر کے نزدیک بھی بے پناہ گولہ باری ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے یہاں عراقی فوجی چھپے ہوئے ہیں اور اچانک ان پر حملہ کردیں گے۔ افسوس......! وہ غلط سمجھ رہے تھے۔ وہ تو جنگ کے آغاز ہی میں غائب ہوگئے تھے۔ بڑی بدقسمتی ہوئی ہماری۔"

ٹیکسی ڈرائیور اپنی ترنگ میں بولتا چلا جا رہا تھا اور حماد اُس کی گفتگو پر کوئی تبصرہ کئے بغیر اُس کے ساتھ اگلی سیٹ پر چپ چاپ سامنے سڑک پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ کبھی کبھی ان کے نزدیک سے کوئی امریکن بکتر بند گاڑی تیزی سے گزر جاتی یا پھر اکا دکا پرائیویٹ کار اور ٹیکسی...... اس کے علاوہ بے بس، پریشان حال، لٹے پٹے عراقیوں کے کچھ گروپ انہیں راستے میں ملے تھے جو شاید اپنی بے بسی پر اب آنسو بہانے کے لائق بھی نہیں رہے تھے۔

/ / /

"قصر جمہوریہ" آ گیا۔

صدر صدام کا صدارتی محل جس کے در و دیوار سے کبھی جلالت ٹپکا کرتی تھی اور اب جس کے دامن سے خوف لپٹا ہوا تھا۔

ڈرائیور نے گاڑی قریباً ایک فرلانگ دُور روک کر اسے بتا دیا تھا کہ اس سے آگے جانے کی صورت میں امریکن انہیں گاڑی سمیت اُڑا دیں گے۔ اُس نے حماد کو بتایا تھا کہ یہاں سے فراغت ملنے پر وہ اُسے کہاں ملے گا۔

حماد پیدل عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ عمارت کے باہر عراقی عورتوں، مردوں، بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کا ایک جم غفیر پہلے سے موجود تھا۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو اپنے گمشدہ عزیزوں، زخمی اور بیمار لواحقین، تباہ و برباد جائیداد، نوکریوں اور اپنا مستقبل جاننے کے لئے یہاں قطاروں میں کھڑے ذلت برداشت کر رہے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد ان سرکاری ملازموں کی تھی جنہیں تنخواہیں نہیں ملی تھیں اور جن کے گھر بار پہلے ہی لُٹ چکے تھے۔ اب وہ نان جویں کے محتاج امریکیوں سے فریاد کرنے آئے تھے۔

عراقیوں کو صدام کی قید سے رہائی دلانے والے "امریکن محسنوں" نے انہیں خاردار تاروں کے درمیان قطاروں میں اس طرح کھڑا کیا ہوا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے ان قطاروں سے نکل کر اب واپس اپنی جگہ پر بھی نہیں جا سکتے تھے۔

ان میں سے ہر کوئی اُونچی اُونچی آواز میں شور مچاتے ہوئے فریاد کناں تھا اور خاردار تاروں کے درمیان پھنسے انسانی قطاروں کے سرے پر موجود امریکی فوجی سے التجائیں کر رہا تھا کہ اسے عمارت کے اندر جا کر متعلقہ انچارج تک اپنا مسئلہ پہنچانے کی اجازت دی جائے۔ امریکیوں کو

عربی نہیں آتی تھی اور بغداد کے شہری انگریزی سے ناواقف تھے۔ وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی جب متعلقہ فوجی کے نزدیک پہنچ کر اپنا مدعا کسی نہ کسی طرح اشارے کنایے سے بیان کرتے امریکی سولجر حقارت کی ایک نظر اُن پر ڈال کر ان سے No business - et lost میں سے کوئی سے دو لفظ کہتا اور اس سے پہلے کہ روتا بلکتا عراقی مرد عورت کوئی اور بات کہے بندوق کی نالی کے اشارے سے اسے قطار سے نکل کر دوسری طرف جانے اور وہاں سے "دفع ہو جانے" کا اشارہ کرتا۔

دو گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد بالآخر حماد کی باری بھی آ گئی۔ اس کے آگے ایک عورت کھڑی تھی جو اپنے بیمار بچے اور اپنی لاچاری پر مسلسل رو رہی تھی۔ حماد نے اسے متعدد مرتبہ تسلی اور صبر کی تلقین کی لیکن وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ ایک ایسی ماں جس کا بچہ شدید بیمار ہے اور بغداد میں کہیں بھی اسے میڈیکل امداد میسر نہیں، کس عالم سے گزر رہی ہے۔ عورت اپنے لباس اور چال ڈھال سے کسی معزز گھرانے کی دکھائی دیتی تھی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

خاردار تاروں کے درمیان پھنسی انسانی قطار کے نقطۂ آغاز پر کھڑے امریکی فوجی کے نزدیک پہنچ کر اس نے عربی اور انگریزی کے ملے جلے فقرے بول کر اپنا کرب بیان کیا۔

"سوری......! میں کچھ نہیں کر سکتا۔" امریکی سولجر نے کندھے اُچکاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"اسے بتاؤ اگر میرے بچے کو طبی امداد نہ ملی تو یہ مر جائے گا۔" عورت نے روتے ہوئے حماد سے عربی میں کہا۔

اور حماد نے امریکی سپاہی تک انگریزی میں اس کی بات اس درخواست کے ساتھ پہنچائی کہ اس کی طرف سے انکار کی صورت میں امریکی فورسز کا امیج خراب ہوگا۔

امریکی نے چند ثانیے ٹکٹکی باندھے اُس کی طرف دیکھا پھر ایک طرف ہٹ کر عورت کو بچے سمیت اندر جانے کی اجازت دے دی۔

عورت نے حماد کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئی۔

اس کے بعد حماد کی باری تھی۔ اُس نے اپنا مدعا بیان کیا تو امریکی فوجی نے اُس کے باپ کا نام دریافت کرنے کے بعد اپنے ہاتھ میں پکڑے "واکی ٹاکی" پر کسی سے بات کی اور دوسری طرف

سے چند ثانیے انتظار کے بعد حماد کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے بھی آگے بڑھنے کا سگنل دے دیا۔ جیسے ہی حماد آگے بڑھا ایک کونے میں کھڑا امریکی سپاہی اچانک اُس کے سامنے آ گیا۔ اس نے حماد کو ہاتھ اُونچے کرنے کا حکم دیا اور اُس کی اچھی طرح جامہ تلاشی لینے کے بعد اُس کی راہنمائی سامنے نظر آنے والے ایک ذیلی دروازے کی طرف کی جہاں ایک سفید پوش امریکی اُس کا منتظر تھا۔ یہ امریکی سی آئی اے کا مقامی ذمہ دار تھا جس نے وہاں کھڑے کھڑے حماد کا مختصر انٹرویو کیا۔ اس کے والد کے کوائف اپنے پاس نوٹ کرنے کے اُس نے اگلے گارڈ کو اشارہ کیا اور حماد کو آگے بڑھا دیا۔

گارڈ نمبر دو نے ایک مرتبہ پھر اُس کی جامہ تلاشی لی اور عمارت کے اندر ایک کونے میں کھڑے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے اسے وہاں جانے کے لئے کہا۔ جہاں پہلے ہی سے کچھ مرد عورتیں ایک دوسرے سے سہمے ہوئے اور خوفزدہ کھڑے تھے۔ ان میں وہ عورت بھی موجود تھی جس نے بے اختیار آگے بڑھ کر حماد کا ماتھا چوم لیا۔ وہ بار بار اُس کا شکریہ ادا کر رہی تھی کیونکہ حماد کی وجہ سے اب کم از کم یہاں موجود امریکی فوجی ڈاکٹروں میں سے کوئی اس کے بچے کو دیکھ کر دوائیاں بھی دے دے گا۔

حماد کے کارنامے کی خبر اس نے وہاں موجود باقی بدقسمتوں کو بھی دی جنہوں نے اس کی اس نوازش کو بڑی بددلی سے سراہا۔ یہ سب لوگ اس بس کے منتظر تھے جو انہیں یہاں سے قریباً دو فرلانگ دُور امریکی ایچ اے سی سی (HACC) ہیڈ کوارٹر تک لے جاتی جہاں ان کے مسائل سے متعلق ڈیسک پر موجود امریکی فوجی آفیسر اُن کے متعلق فیصلہ کرتا۔

قصر جمہوریہ صدر صدام کا ذاتی رہائشی محل تھا۔ یہاں اس سے پہلے حماد اپنی فیملی کے ساتھ دو مرتبہ آ چکا تھا۔ اس محل میں ایک مرتبہ داخل ہونے والا خود کو خواہ مخواہ عراق کا معزز ترین شہری سمجھنے لگتا تھا۔ یہاں کسی کی آمد اس کے لئے اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

لیکن وہاں کھڑے کھڑے حماد نے چاروں اطراف کا جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ بخوبی لگا لیا کہ امریکیوں نے صدام کی تضحیک کرنے کے لئے اسی شاندار محل کو کھنڈر بنا دینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے محل کے درمیان سے گزرتی شاندار سڑک کی شمال سمت کی بلڈنگ بمباری سے زمین بوس ہو چکی تھیں۔ ان کے درمیان عراقی فوج کے کچھ ڈھیکلو اور

کہیں کہیں اِکا دُکا ٹینک اور توپیں دکھائی دے رہی تھیں جواب لوہے کے کاٹھ کباڑ میں منتقل ہو چکی تھیں۔

شاید امریکی جہازوں نے یہاں صدام کی موجودگی کے شک پر یہ کارروائی کی تھی جبکہ بات وہ بھی جانتے تھے کہ صدام آخری دنوں میں یہاں نہیں تھا اور نہ ہی ان ٹینکوں اور توپوں میں موجود عراقی فوجی ان کے خلاف مزاحمت کر کے ان کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن میں تھے۔ بیچارے تو شاید کب سے اس گھڑی کے منتظر تھے جب امریکی آئیں اور وہ ان کے سامنے ہتھیار ڈالیں۔

حماد کی طرح دوسرے عراقی بھی کف افسوس مل رہے تھے لیکن اب اس کا کچھ فائدہ نہیں تھا انہیں وہ عربی کہاوت ازبر تھی جس میں کہا گیا تھا کہ حکمرانوں کی نالائقی کی سزا ان کی رعایا کو بہر حال ملتی ہے اور ایسا ہی ہو رہا تھا۔

بس آ گئی...... سب باری باری اُس میں سوار ہوئے اور بس نے انہیں قصر جمہوریہ کے محلات میں سے ایک محل کے سامنے اُتار دیا جس کے باہر مستعد اور مسلح امریکی فوجی لاپرواہی سے کھڑے سگریٹ نوشی کر رہے تھے۔ انہوں نے بس سے اُترتی سواریوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور ہاتھ کے اشارے سے ایک چھوٹے گیٹ سے اندر جانے کے لئے کہا۔

سب ایک دوسرے کے تعاقب میں اندر داخل ہو گئے۔

یہاں کچھ چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ امریکی فوجی اور سویلین اپنے معمولات میں مشغول تھے۔ حماد کا رُخ استقبالیہ کی طرف تھا جہاں ایک امریکی سارجنٹ خاتون اس کی منتظر تھی وہ شاید استقبالیہ کے اس ڈیسک کی انچارج تھی جس نے قیدیوں کے لواحقین سے معاملات کرنے ہوتے تھے۔

کمال مہربانی سے اس نے اپنے لئے تیار ہونے والی کافی کے دو مگ بنائے اور ایک اپنے پاس رکھنے کے بعد دوسرا فوم کا کپ حماد کی طرف بڑھا دیا۔

''تھینک یو......!'' حماد نے بے یقینی کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سارجنٹ کیلی نے اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے سامنے پڑی ڈائری کھولی اور اس سے مختلف سوالات کرنے لگی۔ اُس کے اطوار سے اس کا حسن سلوک نمایاں

تھا۔

حماد کا اس نے قریباً پندرہ منٹ تک انٹرویو لیا۔ اس کے باپ کے کوائف اور صدام دور میں اس کی وجہ گرفتاری جاننے کے بعد اسے وہیں اپنے کیبن میں بیٹھنے کی تلقین کر کے معذرت کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

حماد دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ اس نے گھونٹ گھونٹ کر کے کافی حلق سے اُتار لی تھی اور اب قدرے پرسکون بھی تھا۔ ابھی تک وہ سارجنٹ کیلی سے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکا تھا اور نہ ہی اسے اس بات کا علم تھا کہ وہ کہاں گئی ہے۔ لیکن یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ وہ حماد سے حاصل کردہ تفصیلات اپنے کسی انچارج کے گوش گزار کر کے اس سے حماد کے متعلق ہدایات لینے گئی تھی۔

یہاں ایسے کیبنوں کی قطار موجود تھی جس میں مختلف نوعیت کے مسائل سے مختلف کیبنوں میں نمٹا جا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک ایسے ہی کیبن کے باہر ایک بینچ پر بیٹھی اس عراقی عورت کے بچے کا جب اس نے ایک امریکی فوجی ڈاکٹر کو معائنہ کرتے دیکھا تو اسے قدرے اطمینان ہوا۔ ڈاکٹر شاید بچے کے لئے ادویات لکھ کر اپنے کسی ماتحت کو سلپ تھما رہا تھا اور وہاں موجود عراقی ٹرانسلیٹر جو یہاں قریباً ہر کیبن میں موجود امریکی فوجی افسروں کے ساتھ ڈیوٹی دے رہے تھے۔ عورت کو پرسکون رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ہدایات دے رہا تھا۔

سارجنٹ کیلی واپس آ گئی۔

''کیبن نمبر 15 میں کرنل مائیک تمہارے منتظر ہیں۔'' سارجنٹ کیلی نے اُس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے اُنگلی کے اشارے سے کرنل مائیک کے کیبن کی طرف اُس کی راہنمائی بھی کر دی تھی۔

سارجنٹ کیلی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جب وہ اُٹھنے لگا تو اچانک سارجنٹ کیلی نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے اس کی طرف بڑھا کر جیسے اسے ''سرپرائز'' دے دیا۔

حماد ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا پھر اس نے قدرے شرماتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا۔

''تمہاری کوئی بھی خدمت کر کے مجھے خوشی ہوگی۔'' کیلی نے روایتی امریکی انداز میں کہا۔

''شکریہ......!'' حماد نے کہا اور کرنل مائیک کے کیبن کا رُخ کیا۔ اس کی متجسس آنکھوں نے

عراقی عورت کو وہاں موجود ٹرانسلیٹر کے ذریعے دوائیاں وصول کرتے دیکھ لیا تھا اور وہ مطمئن ہو کر کرنل مائیک کے کیبن کی طرف جا رہا تھا۔

کرنل مائیک کا تعلق سی آئی اے کے مڈل ایسٹ ڈیسک سے تھا۔ وہ عراق پر سے ا حملے کے دَور سے اس ''بزنس'' سے منسلک تھا اور میجر کی حیثیت سے پہلے بھی عراق میں فر انجام دے چکا تھا۔

اس مرتبہ بھی اسے ایک انتہائی خصوصی مشن پر عراق بھیجا گیا تھا۔ کرنل مائیک کو دیکھ کر اس کی عمر کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ شکل سے نوجوان اور جسمانی طور پر انتہائی پھرتیلا اور چا چوبند دکھائی دیتا تھا۔ امریکی فوج کا ''میرین'' ہونے کے ناطے اس کو یوں تو جسمانی طور پر پناہ مشقتوں سے گزار کر عام فوجی سے کہیں زیادہ جسمانی اور ذہنی طور پر طاقتور بنا کر میدان اُتارا جاتا ہے۔ یہاں تو معاملہ ہی اور تھا وہ اپنی سروسز کے آغاز ہی میں جب وہ آرمی میں کیپٹن سی آئی اے سے منسلک ہو گیا تھا۔ سی آئی اے کے سپیشل یونٹ کے لئے اس کا انتخاب اس کی پناہ قابلیت، ذہانت اور جسمانی پھرتی کو دیکھ کر ہی کیا گیا تھا۔ اُس کی عربی زُبان پڑھنے اور بو میں دلچسپی اس کی اضافی قابلیت تھی جس نے اسے سی آئی اے کے مڈل ایسٹ ڈیسک تک تھا۔

کرنل مائیک یہودی النسل ہونے کے ناطے یوں بھی ان لوگوں کی ناک کا بال بنا ہوا تھا عربی پر مکمل عبور حاصل کر چکا تھا اور بالکل مقامی لوگوں کے سے انداز میں عربی بولتا تھا۔ اپنی سولہ سال کی سروس کا بیشتر حصہ اس نے سعودی عرب، کویت اور عرب متحدہ امارات میں بسر کیا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ وہ صرف چھٹیاں گزارنے کے لئے جایا کرتا تھا۔

کرنل مائیک کا والد چیکوسلاویکیہ اور ماں ناروے کی رہنے والی تھی۔ دونوں آرتھوڈ یہودی تھے اور انہوں نے اپنی تعلیمات اور جذبات کو مائیک تک بڑی محنت اور ایمانداری سے کیا تھا۔ مائیک کا فوج کی طرف رُجحان عین ممکن ہے قدرتی رہا ہو کیونکہ اپنے پانچ بہن بھا کے برعکس وہ شروع ہی سے دورانِ تعلیم بھی جنگی مضامین پڑھنے میں بہت دلچسپی لیا کرتا تھا۔ کے تمام بہن بھائی بزنس کر رہے تھے لیکن وہ فوج میں تھا۔ ان میں سے تین اسرائیل میں

سکونت اختیار کر چکے تھے جبکہ باقی کا دل بھی وہیں اُنکا رہتا تھا البتہ جسمانی طور پر وہ امریکہ میں رہتے تھے۔

کرنل مائیک کو اس بات کا کبھی علم نہ ہو سکا کہ آرمی سروسز میں اس کی دلچسپی کا سبب اس کے طبعی میلانات سے زیادہ اس کے والد کی تربیت تھی اور یہ تربیت وہ اپنی مرضی سے کم اور کسی کے حکم سے زیادہ کر رہا تھا۔

کرنل مائیک کے والد کا تعلق چیکوسلاویکیہ کے ان یہودیوں سے تھا جنہوں نے جنگِ عظیم اوّل کے فوراً بعد ایک خاص منصوبے کے تحت فلسطین نقل مکانی کی تھی۔ یہودی کانگریس کے اس تادم حیات ممبر نے اسرائیلی وزیراعظم مناہم بیگن کے ساتھ مل کر مشہور ''دیر لین'' لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ یہ سب لوگ ''شن باتھ'' کے ممبر تھے جو یہودیوں کی پہلی خفیہ تنظیم تھی۔ ''موساد'' اس ''شن باتھ'' کی ترقی یافتہ شکل تھی۔ جس کا تعلق یہودیوں کے معروف ارگن (Irgun) یونٹ سے تھا۔ یہودیوں کا یہ جنگجو اور دہشت گرد یونٹ خصوصی شہرت کا حامل رہا ہے۔ یہ لوگ فلسطین میں مسلمانوں پر شب خون مارتے اور انہیں بے رحمی سے قتل کر دیا کرتے تھے۔ مسلمانوں میں دہشت پھیلانے کے لئے ارگن یونٹ کے کمانڈوز مقتولین کے جسمانی اعضاء کاٹ کر ان کی لاشیں اس طرح مسخ کر دیتے تھے کہ دیکھنے والے پر خوف طاری ہو جائے۔

Irgun Zavi Leumi جسے انگریزی زبان میں اسرائیلی دہشت گردوں کی اسرائیلی زیرِ زمین حملہ آور فوج کہا جاتا تھا، انسانی تاریخ میں وحشت و بہیمیت کی ایسی مثال ہے جس کا ذکر ہی بڑا اذیت ناک ہے اور اس کا دعویٰ تھا کہ اس فوج نے ہی دراصل برٹش افواج کے خلاف بغاوت کر کے اسرائیل کے قیام کی بنیاد رکھی۔ یہودیوں کی یہ کمانڈو فورس برٹش آرمی کے خلاف نام نہاد بغاوت کی آڑ میں دراصل فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کر رہی تھی اور اس مرحلے پر اسے امریکہ کی مکمل آشیر باد حاصل تھی۔

بیگن بالآخر اسرائیل کا وزیراعظم بن گیا۔

بیگن کا تعلق یہودیوں کی اُسی انتہا پسند نسل کے بزرگوں سے ہے جو ساری دُنیا پر حکومت کا خواب دیکھتے آئے ہیں جنہوں نے یہودی ''پروٹوکول'' کو اپنی زندگی کی اساس قرار دے کر اس پر عمل اور اسے نافذ کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینا ہی اپنی زندگی کا مقصد جانا ہے۔

بیگن کے برسرِ اقتدار آنے کے فوراً بعد یہودی شیطانی عزائم کی تکمیل کے لئے جہاں ایسٹ میں ''شن باتھ'' جس نے اب ''موساد'' کی شکل اختیار کر لی تھی، کے ذریعے سازشوں کا بچھایا اور ان میں مسلمان حکمرانوں کی عیاشیوں اور حرام کاریوں کی وجہ سے بے پناہ کامیابی حا کی وہاں اُس نے ایک اور اہم منصوبے پر بھی عمل کیا۔

اُسی نے اپنے اہم ساتھیوں کو ابتدا ہی میں امریکہ میں آباد ہونے اور وہاں کے وسا قابض ہونے کے احکامات جاری کئے تھے۔ ان لوگوں نے بیگن کے احکامات پر دل و جان عمل کیا اور ہر کوئی اپنے اپنے مشن پر لگ گیا۔

کرنل مائیک کے والد کو اپنے بیٹے کو امریکی آرمی اور پھر سی آئی اے تک رسائی ہ کرنے کا مشن سونپا گیا تھا اور اُسے مرنے سے پہلے یہ خوشخبری مل گئی تھی کہ اُس کا بیٹا سی آئی میں اہم مقام حاصل کر چکا ہے۔ مائیک کی عربی زُبان سے دلچسپی کا سبب بھی اس کا والد تھا جو ہر سال باقاعدگی سے اسرائیل لے جاتا رہا۔ البتہ فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے بعد اُس مائیک کے سلسلے میں کچھ احتیاط برتنی شروع کر دی کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس معاملے میں آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھتے وہ بھی اس مسئلے کی سنگینی کو کچھ سمجھتے ضرور ہیں۔

مائیک کا رابطہ ''موساد'' سے اُس کے باپ کے ذریعے تب قائم ہوا جب اس نے فوج کمیشن لیا تھا۔ امریکی فوج کا لیفٹیننٹ بننے کے بعد جب وہ پہلی مرتبہ چھٹیاں گزارنے کے ایک خاندانی شادی کی تقریب میں شامل ہونے تل ابیب گیا تو اسے علم ہوا کہ اس کے باپ کا یہودیوں کے اہم لیڈروں میں ہوتا ہے لیکن یہ وہ لوگ تھے جن کی شناخت خفیہ رکھی جاتی تھ سوائے یہودیوں کی خفیہ کانگریس کے اور کسی کو ان کی اصلیت کا علم نہیں ہوتا تھا۔ یہ وہ لوگ جنھوں نے اپنی زندگیاں یہودی قوم کی عظمت رفتہ حاصل کرنے اور ساری دُنیا پر حکمرانی ہ کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔

مائیک کی تعلیم خالصتاً مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اور یہ بات اس کے لاشعور میں بچپن ہی ڈال دی گئی تھی کہ دُنیا میں جہاں بھی رہے جس حیثیت میں بھی رہے اسے یہ بات کبھی فراموش کرنی چاہئے کہ وہ عظیم اسرائیل کا شہری ہے اور یہودی النسل ہونے کے ناطے اس عظیم مم حصہ ہے جس کی تکمیل کے لئے اس کے بزرگ اب تک قربانیاں دیتے آ رہے ہیں۔

تل ابیب کے مضافات میں موجود ان کے آبائی گھر میں ''موساد'' کی ایک اہم شخصیت نے ں سے مائیک کے باپ کی موجودگی میں ملاقات کی اور اسے اس کا مشن سمجھتے ہوئے بتایا تھا کہ ریکی فوج میں اس کا داخلہ معمول کی کارروائی نہیں ہے بلکہ اسے ساری زندگی عظیم اسرائیل کے نادات کی نگرانی کرنی ہے اور حکم ملنے پر اس نے آنکھیں بند کر کے عمل کرنا ہے۔

مائیک نے فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے فوراً بعد ہی ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق ربی میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرنے کے علاوہ معمول کے انٹیلی جنس کورس بھی پاس کرنے شروع کر یئے تھے۔ سی آئی اے کو اپنے خصوصی گروپ کے لئے ایسے نوجوانوں کی تلاش رہتی تھی جو نہ صرف ربی زُبان میں مہارت حاصل کریں بلکہ ان کا طبعی میلان بھی انٹیلی جنس کی طرف ہو۔ ایک روز ب اس کی ماہانہ کارگزاری رپورٹ سی آئی اے کے اس ڈپٹی ڈائریکٹر کی میز تک پہنچی جو ''جوہرِ ابل'' کی تلاش میں ''پینٹا گان'' سے رابطے میں رہا کرتا تھا تو اُس نے مائیک کا انتخاب کر لیا۔

ابھی وہ کیپٹن ہی بنا تھا جب اسے سی آئی اے کے سپیشل فائٹنگ یونٹ (SFU) میں شامل کر لیا گیا۔ یہ یونٹ معمول کے مطابق تو امریکن آرمی کا حصہ ہی تھا لیکن دراصل اس کی کمان پینٹا گان کے بجائے سی آئی اے کے ہاتھ میں تھی۔ اس یونٹ کو جاسوسی اور مار دھاڑ کی خصوصی تربیت دے کر عام فوجی دستوں کے ساتھ دُنیا کے ان ممالک میں بھیجا جاتا تھا جہاں امریکی مفادات کا حصول رکار ہوتا۔

کرنل مائیک کے لئے حالات نے کئی آسانیاں خود بخود پیدا کر دیں۔

عربی زُبان میں اُس کی ذہانت اور روانی کو دیکھتے ہوئے اسے عموماً سی آئی اے اور ''موساد'' کے بعض مشترکہ مشن (Joint Ventures) کا حصہ بنا دیا جاتا جو عموماً زیرِ عمل رہتے تھے۔

اس نے ''موساد'' کے ساتھ مل کر شام، لبنان اور عراق میں کئی مشن مکمل کئے تھے۔ اسی درمیان اس کی دوستی ''موساد'' سے مضبوط ہوتی گئی۔ یہی کچھ تو موساد چاہتی تھی جسے امریکی اپنی کامیابی سمجھ رہے تھے۔

■ ■ ■

اسرائیل کے وجودِ منحوس سے پہلے 1946ء میں ہی عراق کے مشرقی آئل فیلڈز سے برٹش آرمی کی تعمیر کردہ دو آئل پائپ لائن اسرائیل کی موجودہ بندرگاہ حیفہ کی ریفائنریوں اور ٹرمینلز کو آئل

فراہم کرتی تھیں۔ان میں سے ایک پائپ لائن براہِ راست عراق سے حیفہ کی بندرگاہ تک تھی۔دوسری عراق سے براستہ اُردن حیفہ پہنچتی تھی۔1950ء میں ٹرانس عریبین پائپ لائن نے گیارہ سو میل لمبی پائپ لائن بچھائی تھی جو آزادی کے بعد لبنان کی اقتصادی ترقی کا ایک ذریعہ بھی ثابت ہوئی۔یہ سٹینڈرڈ آئل کمپنی "ایسو" نیوجرسی اور سٹینڈرڈ آئل کیلیفورنیا (سٹینڈر ٹیکساس کمپنی (ٹیکسیکو) اور سوکونی ویکیوم آئل کمپنی (موبل) کا مشترکہ منصوبہ تھا۔اپنے دور سب سے بڑی پائپ لائن سمجھی جاتی تھی اور اس کے ذریعے سعودی عرب کا تیل خلیجی فیلڈز راستے سعودی عرب کے جنوب میں زاہرانی ٹرمینل پہنچایا جاتا تھا جہاں سے پھر بحری ٹینکروں ذریعے امریکہ اور یورپ کی منڈیوں تک پہنچتا تھا۔

اس عروج کے دور میں "آرام کمپنی" کو سعودی عرب کی 30 فیصد خام تیل کی پیداوار یو اور امریکہ منتقل کی جاتی تھیں۔اس کے بعد ٹرانس عریبین پائپ لائن کمپنی جو دراصل امریک برطانیہ کا مشترکہ اثاثہ تھی محض دھوکہ دہی کے لئے جس میں عریبین کا لفظ لگایا جاتا۔

یہ پائپ لائن صدر صدام نے اقتدار سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد ہی بند کردی تھی جس اسرائیل کو زبردست اقتصادی دھچکہ لگا اور اب اس کی حتی الوسع یہ کوشش تھی کہ اس پائپ لا دوبارہ چالو کیا جائے۔یہی وہ مشن تھا جس نے اسرائیل کو مجبور کئے رکھا کہ وہ امریکہ کو مس اشتعال دِلا کر عراق پر قبضہ کروادے۔سی آئی اے میں کرنل مائیک جیسے ڈبل کراس ایجنٹوں ک سے اسرائیل کو بالآخر اس منصوبے میں کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے اپنی شاندار شیطانی حکـ عملی کے ذریعے عراق کو خطرناک اسلحہ رکھنے والی نام نہاد اور انسانیت کے لئے تباہ کن ریاست دِلا کر امریکہ سے اس پر حملہ کروادیا۔

اب اسرائیل کی کوشش یہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس پائپ لائن کو دوبارہ جا جائے جس کے لئے "موساد" نے ایک خاص حکمت عملی ترتیب دی تھی جس میں کرنل مائیک ک اہم کردار ادا کرنا تھا۔

امریکہ کو عراق کے خلاف مشتعل کرکے عراق پر امریکی فوجوں کے قبضے کے بعد اسرائیل کی کوشش تھی کہ امریکہ کا قیام عراق میں طویل ہو جائے کیونکہ اسی صورت میں وہ آ سے نہ صرف اس قدیم پائپ لائن کو جاری کرسکتا تھا بلکہ اس کے ثمرات سے بھی بہرہ ور ہوسکتا

ابات کا "موساد" کو بھی علم تھا کہ جلد یا بدیر جب کبھی عراق میں کوئی ایسی حکومت بنی جو عوام کی نی سے بنی ہو، اسرائیل کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے اور اس سے پہلے ہی پ لائن بند کردی جائے گی۔

"موساد" نے کرنل مائیک کو مقامی سطح پر خانہ جنگی کروانے کے مشن کے ساتھ یہاں بھیجا ا۔سی آئی اے کا مشن بھی موساد سے مختلف نہیں تھا۔بغداد پر امریکہ کے قابض ہونے کے فوراً بعد موصاً بغداد شہر میں لٹیروں کی طرف سے لوٹ مار اور بدامنی کی حوصلہ افزائی کے پیچھے دراصل رو ہی فسادات کا نظریہ کارفرما تھا۔

امریکی چاہتے تھے کہ بغداد کی غالب اہل سنت والجماعت آبادی اور یہاں لوٹ مار کرنے ے لئے بغداد کی مضافاتی علاقوں سے آنے والی شیعہ آبادی کے درمیان فسادات پھوٹ پڑیں ان کا سلسلہ سارے عراق میں پھیل جائے گا۔اس طرح "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا اُن کا قدیم سفہ کامیاب رہے گا۔

جنگ کا آغاز کرنے سے چند روز پہلے سی آئی اے نے اپنی "فائٹنگ فورس" (Fighting Force) کے جن خصوصی کمانڈوز کو یہاں اُتارا تھا، ان میں کرنل مائیک سب سے زیادہ اہم تھا۔ رنل مائیک اور اُس کے ساتھی چھاتہ بردار تھے اور انہیں کرد علاقے کے شمال میں اُتارا گیا تھا ہاں "اربیل" میں سی آئی اے کا خفیہ سٹیشن کافی عرصے سے کام کررہا تھا۔

شمالی کردستان سے کرنل مائیک اور اس کے پانچ ساتھیوں کو سی آئی اے کے لئے کام کرنے لے کردوں نے سمگل کرکے بغداد کے نواحی علاقے میں پہنچادیا تھا جہاں اُن کے لئے پہلے سے Safe Hous موجود تھے۔یہ "سیف ہاؤس" ان عراقی غداروں کے گھر تھے جو طویل رصے سے سی آئی اے کے لئے خدمات انجام دے رہے تھے اور اب اپنی خدمات کا انعام وصول کرنے کا وقت آگیا تھا۔ان غداروں نے امریکی سی آئی اے کے ان اہم ایجنٹوں کو اپنے گھروں ں چھپائے رکھا۔یہ لوگ عربی بڑی روانی سے بولتے تھے اور عربوں جیسا لباس پہننے کے بعد ان کسی شک کی گنجائش بھی نہیں رہتی تھی۔

ان غداروں کی مدد سے کرنل مائیک اور اس کے ساتھیوں نے اپنے پاس موجود خصوصی اور نتہائی حساس لاسلکی آلات کے ذریعے حملے کے آغاز میں امریکی ایئر فورس کے حملہ آور طیاروں کی

راہنمائی کے فرائض انجام دیئے اور ان سے بغداد کے ہر قابلِ ذکر مقام پر بمباری کروا کر مزاحمت کے معمولی سے چانسز بھی ختم کروا دیئے تھے۔

امریکی آرمی کی طرف سے بغداد پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے بعد کرنل مائیک نے ''قصر جمہوریہ'' میں اپنا دفتر قائم کر لیا تھا اور اس مشن پر کام زور و شور سے شروع کر دیا تھا جس لئے اسے ''موساد'' نے تیار کیا تھا۔

کرنل مائیک نے بغداد کے گرد و نواح میں موجود شیعہ اور مقامی سنی آبادی سے اپنے مط... کے ایجنٹ اپنے پہلے سے موجود ایجنٹوں کی مدد سے تلاش کر لئے تھے۔ سی آئی اے کے اس مشن کے تحت ہی لٹیروں کو بغداد لوٹنے کی کھلی اجازت دی گئی تھی تا کہ زیادہ سے زیادہ بدامنی کر کے مقامی آبادی میں احساس عدم تحفظ اتنا زیادہ نمایاں کر دیا جائے کہ وہ کسی مزاحمت کے ذہنی طور پر تیار ہی نہ ہو سکیں۔

■ ■ ■

حماد کرنل مائیک کے کیبن نما کمرے میں داخل ہوا تو وہاں سویلین اور مقامی لباس پہنے شخص اس کا منتظر تھا۔

''اہلاً و سہلاً و مرحبا......!'' اُس نے حماد کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

حماد نے اُس سے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کرنل مائیک ہوگا کیونکہ اس نے بالکل عراقیوں کے لہجے میں عربی بولتے ہوئے اسے مخاط... اور اپنا تعارف کرنل مائیک کے نام سے کروایا۔

''آپ مجھ سے بے تکلفی سے عربی میں بات کر سکتے ہیں۔'' اُس نے حماد کی حیرانی د... کرتے ہوئے کہا۔

حماد ابھی تک سکتے کی سی کیفیت کا شکار اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ اُس نے زندگی می... اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی امریکی اس لہجے میں عربی بول سکتا ہے۔

''آپ حیران نہ ہوں...... میری ماں عربی تھی۔ یہ ایک طرح میری مادری زبان ہے''

کرنل مائیک نے اسے اپنے سامنے دھری کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کے لئے کہا۔

''شکریہ......!'' حماد نے کرسی سنبھالتے ہوئے سنبھل کر کہا۔ کرنل مائیک کی اس بات

سے کچھ مطمئن کر دیا تھا۔

''میں نے تمہارے والد کا کیس دیکھا ہے...... وہ تو بعث پارٹی کے بڑے اہم لیڈر تھے۔ عوام کے قریبی دوست۔'' مائیک نے جان بوجھ کر بات اُدھوری چھوڑی اور اُس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''لیکن سارا بغداد جانتا ہے کہ میرے والد کو صدام حسین کی غلط پالیسیوں کی مخالفت کی ہی سزا دی گئی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ حق اور سچ کا ساتھ دیا ہے۔'' حماد نے اپنے والد کی صفائی پیش کی۔

''عزیز من......! تمہارا کہنا بالکل بجا لیکن تم جانتے ہو ہمارے لئے بعث پارٹی کا کوئی بھی اہم رُکن قابلِ اعتبار نہیں ہے۔'' کرنل مائیک نے قریباً لاپرواہی کے انداز میں کہا۔

''آپ کے لئے کسی کا ناقابلِ اعتبار ہونا اُس کا جرم نہیں بنتا۔'' حماد نے بے ساختہ جواب دیا۔

کرنل مائیک نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُسے حماد کی طرف سے ایسے جواب کی شاید توقع نہیں تھی۔ بہرحال اس نے سوچا اسے تو اپنا کام کرنا ہے۔

''دیکھو میرے دوست......! میں سیدھا سادہ فوجی ہوں۔ سیاست کے داؤ پیچ نہیں جانتا۔ عرب ماں کا بیٹا ہونے کے ناطے میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی اور احترام بھی موجود ہے لیکن جو بنیادی حقائق ہیں انہیں کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہم یہاں قبضہ کرنے نہیں آئے۔ ہم تو عراقیوں کے نجات دہندہ بن کر آئے ہیں۔ تمہارے والد تو اس شہر کے خصوصی لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ تم عام عراقی کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہو وہ سب صدام سے نجات چاہتے تھے۔''

حماد خاموش رہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بحث میں اُلجھ کر اپنا کیس کمزور کرے۔ اسے فی الوقت اپنے والد کی خیریت درکار تھی اور اُن سے ملنا ضروری تھا۔ قریباً ایک سال سے اس نے والد کو نہیں دیکھا تھا۔

''میں بھی سیاست سے دُور بھاگتا ہوں۔ ایک بیٹا ہونے کے ناطے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں اپنے والد سے ملنے کے لئے کتنا بے چین ہوں۔'' بالآخر اس نے سوچ سمجھ کر جواب دیا۔

''میرے خیال سے کافی ہو جائے۔'' مائیک نے اُس پر نظریں جمائے رکھیں۔

"شکریہ......! میں پی چکا ہوں۔" اُس نے انکار کرنا چاہا۔

"ارے نہیں یار......! میں صرف کافی نہیں پلاؤں گا۔" کرنل مائیک نے اُس کا جوا سنے بغیر اپنے میز کی دراز کھولی اور اس سے ایک بسکٹ کا ڈبہ اور چاکلیٹ نکال کر اُس کے سا رکھ دیئے۔

"یہ تو چلے گا ناں......؟" اُس نے بڑی بے تکلفی سے حماد کی طرف دیکھ کر کہا۔

حماد اُس سے اب متاثر دکھائی دینے لگا تھا۔ اُس نے امریکیوں کا جو روپ قصر جمہوریہ باہر دیکھا تھا، یہ لوگ تو اس سے یکسر مختلف تھے۔

کرنل مائیک نے ایک چاکلیٹ کا ریپر اُتار کر اسے خود پیش کر دیا۔ دوسرا خود کھانے لگا۔

"دیکھو حماد......! تم پڑھے لکھے نوجوان ہو......انجینئر ہو......ہم چاہتے ہیں کہ اب ا ملک کا مستقبل تم جیسے لوگ سنبھالیں۔ بدقسمتی سے یہاں معاملات کچھ بگڑ چکے ہیں۔ ایران کی شہ عراق کی شیعہ آبادی میں اشتعال پھیل رہا ہے۔ وہ لوگ یہاں اپنی حکومت چاہتے ہیں اور تم ان تاریخ تو جانتے ہوگے۔ ایران میں سنی مسلمانوں کے حالات تمہارے سامنے ہیں۔" اُس نے حما کو تفصیلات بتانی شروع کیں۔

کرنل مائیک کتنا سچ بول رہا تھا اور کتنا جھوٹ، اس بات کا حماد کو بخوبی اندازہ تھا اور وہ اچھ طرح یہ بات بھی سمجھ گیا کہ کرنل مائیک کا مشن کیا ہے......؟ اور وہ اسے اپنے ڈھب پر لا کر دراصل اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتا ہے لیکن اُس نے کسی بحث میں اُلجھنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملا زیادہ مناسب جانا۔ اس طرح کم از کم وہ اپنے والد سے تو مل سکتا تھا۔ اُس کی توقعات کے مطابق یہی نتیجہ برآمد ہوا۔

کرنل مائیک نے یہی جانا کہ اُس کا تیر نشانے پر لگا ہے اور حماد اُس کے جال میں پھنس چکا ہے۔

"میں تمہارے والد سے تمہاری ملاقات کا انتظام کر دیتا ہوں۔ اگر تم جیسے نوجوان ہمارے ساتھ تعاون کریں تو یہ ہم دونوں کے لئے بہتر ہوگا ہی عراق کے لئے بھی اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔" کرنل مائیک نے اسے براہِ راست پیش کش کر دی تھی۔

"آپ بالکل بجا فرماتے ہیں کرنل صاحب......!" حماد نے اُس کی توقع کے مطابق جواب دیا تھا۔

"کرنل نہیں...... مجھے صرف مائیک کہلانا پسند ہے...... پلیز خیال رکھنا...... میں تورات کے بعد یونیفارم بھی نہیں پہنتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے مائیک......! جیسا تم پسند کرو۔" حماد نے امریکی لہجے میں انگریزی بولنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"کل صبح دس بجے میرے پاس آجاؤ...... تمہیں تمہارے والد صاحب سے ملا دیں گے۔ باقی معاملات بھی انشاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" مائیک نے عربی میں کہا۔

"شکریہ......! لیکن یہاں اندر آنا بھی ایک......" حماد نے کہنا چاہا لیکن مائیک نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"اب وہ پرابلم نہیں رہے گی۔" اس نے اپنی میز کے درواز سے ایک سلپ نکال کر اُس پر کچھ لکھا اور اُسے تھما دیا۔ حماد نے سلپ پر نظر دوڑائی۔ یہ امریکہ کے 345 ویں سول افیئرز بریگیڈ کا خصوصی اجازت نامہ تھا جو کرنل مائیک نے اپنے دستخطوں سے جاری کیا تھا۔ اب اسے کوئی اندر آنے سے نہیں روک سکتا تھا۔

"شکریہ مائیک......!" حماد نے کھڑے ہو کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مائیک اپنی کرسی سے اُٹھ کر اُس کے پاس آیا اور اُسی گرم جوشی سے معانقہ کرنے کے بعد دو چاکلیٹ زبردستی اُس کی شرٹ کی جیب میں ڈال کر اُسے دروازے تک رُخصت کرنے آیا تھا۔ سارجنٹ کیلی نے بطورِ خاص رُخصت ہوتے وقت اس کی طرف مسکراہٹ اُچھالی تھی۔

ایچ اے سی سی (HACC) ہیڈ کوارٹرز کے اس آفس کے سامنے سے دوبارہ ایک بس اسے مین گیٹ پر لے گئی۔ وہ گیٹ سے نکل کر اُسی سمت جا رہا تھا جہاں ٹیکسی ڈرائیور اُس کا منتظر تھا۔ ابھی گیٹ سے بمشکل آدھا فرلانگ دُور ہی گیا تھا جب کسی نے اُس کا نام لے کر مخاطب کیا۔

حماد نے گردن گھمائی تو اپنے سامنے ایک درمیانی عمر کے عراقی کو موجود پایا جو اُس کے لئے اجنبی تھا۔

"میں نے پہچانا نہیں آپ کو۔" حماد نے اُس کے سلام کا جواب دیا کر کہا۔

/ / /

"لیکن میں تمہیں جانتا ہوں...... فی الوقت زیادہ تجسس مناسب نہیں۔ یہی سمجھو کہ تمہارے ساتھی شرجیل نے تمہاری طرف پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ خیریت سے ہے اور م ہاتھوں میں...... الحمدللہ......!" نو وارد نے جواب دیا۔

"الحمدللہ......! آپ کون ہیں......؟" حماد نے پوچھا۔

"میرا نام ابوحسام ہے...... میں عصر کے بعد تم سے گھر پر ملاقات کروں گا...... یہاں ز بات کرنا مناسب نہیں...... خیال رکھنا ان لوگوں کا انٹیلی جنس نیٹ ورک بہت مضبوط ہے...... خدا حافظ......!"

ابوحسام نے حیران پریشان حماد سے مصافحہ کیا اور جس طرح اچانک آیا تھا اُسی طرح وا لوٹ گیا۔

شرجیل کے متعلق وہ کوئی غلط رائے قائم نہیں کر سکتا تھا اور نہ وہ ابوحسام سے شاید ملنا ہی پسند کرتا کیونکہ یہاں صورتِ حال ایسی خطرناک تھی جس میں کسی پر بھی اعتبار کرنا کم از کم حماد کے ممکن نہیں تھا۔ اسے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن ایک سیاست دان گھرانے میں جنم اور خصوصاً سرکاری ایوانوں میں پنپنے والی سازشوں سے باخبر ہونے کے ناطے وہ بہت کچھ جان تھا۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ امریکی انٹیلی جنس نے ہی اُس کے خیالات جاننے کے لئے کوئی ما ایجنٹ اس کے پیچھے لگا دیا ہو۔

کرنل مائیک سے ملنے کے بعد اسے اس بات کا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اُس کے لئے خیر کے جذبات کا کوئی پسِ منظر ضرور ہے اور آخر میں تو مائیک نے اُسے کھل کر اپنے لئے کام کر پیش کش کر دی تھی۔ اب تک وہ کرنل مائیک سے متعلق حتمی رائے قائم نہیں کر سکا تھا کہ یہ شخص

ہے کون......؟ صرف امریکی آرمی کا کوئی افسر......؟ یا پھر سی آئی اے کا کوئی عہدیدار......؟ سی آئی اے والے بھی یہاں انڈر کور (Under cover) ہی کام کر رہے تھے۔ یہ تو لن نہیں تھا کہ وہ کھلے بندوں اپنی شناخت کرواتے پھریں کیونکہ سی آئی اے بہرحال ایک خفیہ ارہ تھا۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر اُس نے بغداد کا ایک اور چکر لگایا اور یہ دیکھ کر اُس کا دل خون کے آنسو ونے لگا کہ بغداد میں کوئی ایک سرکاری یا غیر سرکاری عمارت بھی امریکی گولہ باری سے محفوظ نہیں ہی تھی۔ مقامی آبادی کے گھروں میں سے بھی انہیں جس گھر پر معمولی سا شک گزرا اسے امریکیوں نے گولہ باری کا نشانہ بنا دیا۔

اس نے اپنے دو دوستوں کے گھروں پر دستک دی تھی لیکن دونوں ہی اُسے نہیں ملے۔ الات اتنے دگرگوں تھے کہ لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ ان ونوں دوستوں کے گھر والوں کو علم تھا کہ حماد کون ہے......؟ لیکن انہوں نے حماد کو اُس کے دوستوں کے کسی ٹھکانے یا پروگرام سے آگاہ ہی نہیں دی تھی۔

"تین دن سے غائب ہیں...... ہمیں کچھ معلوم نہیں۔"

"پانچ روز پہلے ناصریہ جانے کا کہہ گیا تھا لیکن وہاں بھی نہیں پہنچا۔"

دونوں طرف سے ملے جلے جواب ملے تھے۔

عصر کے فوراً بعد وہ گھر پہنچ گیا۔

ابوشعبان شدت سے اس کا منتظر تھا۔ ابوشعبان کی زُبانی اسے علم ہوا کہ آج اُس کے جانے کے بعد موصل سے کوئی خیریت دریافت کرنے آیا تھا جس کے ذریعے اس نے حماد کے بغداد پہنچنے کی اطلاع دے دی ہے۔

"جیسے ہی اطلاع وہاں پہنچی تمہاری والدہ یا ماموں ضرور یہاں آئیں گے۔" شعبان نے اسے اطلاع دی۔

حماد نے اسے بتایا کہ کل شام امریکیوں نے اُس کے والد سے ملاقات کروانے کا وعدہ کیا ہے جس کے بعد ہی وہ اپنا اگلا لائحہ عمل تیار کرے گا۔

شعبان نے اُس کے لئے کھانا تیار کر کے رکھا ہوا تھا لیکن حماد کا دل کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا

تھا۔شعبان کے بضد ہونے پر اس نے چند لقمے زہر مار کئے اور اپنے ٹرانسسٹر ریڈیو پر خبریں
کی کوشش کرنے لگا۔ یہاں فی الوقت کوئی مقامی اخبار شائع نہیں ہو رہا تھا۔کویت سے دوا
آتے تھے جوان کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں تھے۔اس کے باوجود اس نے شعبان سے کہہ دیا
کہ وہ ایک اخبار گھر پر لے آیا کرے کچھ نہ کچھ صورتِ حال کا اندازہ تو ہو ہی جائے گا۔

ٹرانسسٹر ریڈیو سے کان لگائے وہ بی بی سی کی سروس سن رہا تھا جب شعبان نے کسی ابوح
کی آمد کی اطلاع دی۔حماد چونک کر اُٹھ بیٹھا۔

''انہیں بٹھاؤ میں آتا ہوں۔''اس نے شعبان سے کہا۔

''ٹھیک ہے......! آپ تیار ہو کر آجائیں۔'' شعبان نے جواب دیا اور گیٹ پر کھڑ
ابوحسام کو لاکر کمرے میں بٹھا دیا۔اگلے چند منٹ بعد وہ حماد کے ساتھ گرم جوشی سے معانقہ کر
کے بعد مصروفِ گفتگو تھا۔اُس کے عندیے کو بھانپتے ہوئے حماد نے اپنے ملازم شعبان کو قہوہ بنا
کے لئے بھیج دیا تھا جو اپنے مالک کا اشارہ سمجھ چکا تھا۔

''بیٹا......! شرجیل کی گرفتاری کا تو تمہیں علم تھا......خوش قسمتی سے ایک جگہ جب امر
کنوائے پر مجاہدین نے حملہ کیا تو اُسے بھاگنے کا موقع مل گیا۔اب وہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ
ہے۔اس نے تمہارے لئے یہ خط بھیجا ہے۔''ابوحسام نے اسے شرجیل سے متعلق تفصیلات بتا
کے بعد خط اُس کے حوالے کر دیا۔

حماد فوراً سجدۂ شکر بجا لایا کہ شرجیل محفوظ ہے۔اُسے اب تک یہی فکر دامن گیر تھی کہ کہیں
خدانخواستہ وہ امریکیوں کی قید میں نہ چلا جائے۔

شرجیل سے اُس کی ملاقات عمان میں چند ماہ پہلے ہی ہوئی تھی لیکن بغداد کے ایک
علاقے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دونوں جلدی ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے تھے۔

عراق پر امریکی حملے نے تو انہیں یک جان دو قالب کر دیا تھا۔

حماد ابھی تک شرجیل کے گھر نہیں گیا تھا صرف یہ سوچ کر کہ وہ اس کے گھر والوں کو کیا م
دکھائے گا جبکہ شرجیل کے متعلق اُسے شعبان نے بتایا تھا کہ اُس کے گھر میں سوائے ایک نوکر
جو گھر کی نگہبانی کے لئے یہاں رہ گیا ہے اور کوئی بھی موجود نہیں ہے۔

''المنصور'' کے بیشتر گھروں میں صورتِ حال یہی تھی۔ وہاں گھر کی نگرانی کے لئے ایک

آدھ بندہ موجود تھا باقی سب لوگ محفوظ مقامات کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ اب ان گھروں میں
اُن کے لئے کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

ابوحسام اُس سے کافی دیر تک باتیں کرتا رہا۔مغرب کی اذان ہو رہی تھی اور وہ واپس جانا
چاہتا تھا لیکن حماد کے بضد ہونے پر وہیں رُک گیا تھا کیونکہ مغرب کے بعد بیشتر علاقوں میں کرفیو
لگ جاتا تھا اور لا اینڈ آرڈر کی صورتِ حال بھی انتہائی غیر تسلی بخش تھی۔

ابوحسام سے ملاقات کے تھوڑی دیر بعد ہی حماد کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اصل میں
کون ہے......؟ اور یہاں کس مقصد کے لئے آیا ہے......؟ لیکن وہ اپنے اطمینان کے لئے ابھی
اُس کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔بغداد کے حالات اب ویسے نہیں رہے تھے کہ یہاں ہر
کسی پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا جائے۔

مسجد میں آج دس بارہ نمازی اکٹھے ہو گئے تھے جو حماد کے لئے بڑا نیک شگون تھا۔اس کی
شدید خواہش تھی کہ یہاں المنصور میں پہلے والی چہل پہل ہو جائے۔خوف اور نحوست کے سایے
یہاں سے اُٹھ جائیں لیکن ابھی تک بظاہر اس کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے کیونکہ شہر میں
لوٹ مار کی وارداتوں کا سلسلہ جاری تھا۔امریکی وائسرائے کی طرف سے عراقی پولیس والوں کو
ڈیوٹی پر بحال کرنے کے باوجود صورتِ حال جوں کی توں تھی۔

امام مسجد سے اُس نے ابوحسام کا تعارف اپنے عزیز کی حیثیت سے کروایا تھا۔وہ بغداد میں
آنے کے بعد سے لاشعوری طور پر بہت چوکس ہو چکا تھا۔

شعبان نے دونوں کے لئے آج کافی عرصہ بعد کباب تیار کئے تھے جو حماد کو ہمیشہ سے پسند
تھے۔کھانے سے فراغت پر اُس نے شعبان کو آرام کی تلقین کر کے اپنے کمرے میں بھیج دیا۔اب
وہ حسام سے کھل کر بات کرنا چاہتا تھا۔

ابوحسام نے اُسے اپنا مختصر تعارف کروانے کے بعد درخواست کی تھی کہ وہ بھی شرجیل والا
راستہ اختیار کرے کیونکہ امریکیوں کی غلامی سے بدتر زندگی کا اور کوئی تصور نہیں ہے۔اُس نے حماد کو
عراق پر ٹوٹنے والی قیامت سے آگاہ کرنے کے بعد بتایا تھا کہ اُن کے ملک کی دولت Black
Gold یعنی تیل کو کس طرح امریکی اور یہودی لوٹ کر لے جا رہے ہیں۔ابوحسام اگر نہ بھی بتاتا
تو بھی حماد نے بغداد کے پٹرول پمپوں پر گاڑیوں کی جو قطاریں بنی دیکھی تھیں، اُس کے بعد سے

صورتِ حال اُس پر اچھی طرح واضح ہو چکی تھی۔

'' دیکھو میرے عزیز......! میں تمہیں کوئی نئی دعوت نہیں دے رہا۔ صرف تمہارا بھو
سبق یاد دلا رہا ہوں۔ ہم عراقی مسلمانوں کے لئے جہاد کوئی نئی بات نہیں۔ ہم قابضوں اور غا
کے خلاف لڑتے آ رہے ہیں اور لڑتے رہیں گے۔ یہ لڑائی ہم حکومت حاصل کرنے کے لئے
بلکہ ایک ذلت آمیز غلامی سے نجات کے لئے لڑ رہے ہیں۔'' اُس نے حماد سے کہا۔

'' لیکن ہمارے پاس وسائل کہاں ہیں......؟ آپ جانتے ہیں امریکی کس طر
خطرناک اسلحہ لے کر آئے ہیں۔ کتنی بڑی طاقت ہے امریکہ......؟'' حماد نے اپنا عندیہ ظاہر کر

'' میں جانتا ہوں تمہارے لئے یہ جواب کافی نہیں کہ ہم جذبۂ ایمانی سے کام لے کر
حق میں نتائج حاصل کر سکتے ہیں لیکن دورِ جدید میں اس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ کبھی روس
ایسا ہی طاقتور مست ہاتھی تھا......لیکن افغانوں نے اُس کو نکیل ڈال دی۔'' ابو حسام نے کہا۔

'' امریکہ کی مدد سے......آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر امریکہ اس جہاد کی پشت پر نہ ہوتا
روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے......؟'' حماد نے سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

'' میں تمہاری بات کو رد نہیں کرتا۔ ایک نظریہ یہ ہو سکتا ہے لیکن کیا صرف اتنا کہہ دینا
ہے کہ امریکہ کی پشت پناہی سے سب کچھ ہوا......؟ اگر امریکی اتنے ہی طاقتور تھے تو خود ہی
سے نمٹ لیتے۔ بہر حال چھوڑو اس واقعے کو......آج کے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ کیا
افغانستان پر امریکہ کی حکومت ہے۔ کیا دُنیا کا کوئی عقلمند شخص یہ بات مانے لگا کہ افغانستا
امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت برسرِ اقتدار ہے۔ نہیں میرے عزیز......! کابل شہر سے باہر ا
حکومت کی حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ تم جانتے ہو وہاں امریکی کتنی تعداد میں مر رہے ہیں......؟ ک
علم ہے اس بات کا کہ اب تک کتنی مرتبہ امریکی ملا عمر کو خفیہ مذاکرات کی پیش کش کر چکے ہیں
کیوں......؟ کیوں آخر......؟ اب تو کوئی طالبان کا پشتی بان نہیں...... ہمسایہ ملک بھی نہیں
حسام نے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

'' آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں......؟'' حماد نے براہِ راست سوال کر دیا۔

'' میں نہیں......عراق...... یہاں کا ہر بچہ...... ہر بڑا...... ہر عورت...... ہر مرد امریکہ کی
غلامی کا طوق گلے سے اُتارنا چاہتا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کو یہاں نہیں بلایا۔ صدام اگر غلط تھا

وہ اُس سے نمٹ سکتے تھے۔'' ابو حسام نے جواب دیا۔

'' کیا آپ پہلے ...... میرا مطلب ہے......'' حماد نے اُدھوری بات کہہ کر اُس کی طرف
دیکھا۔

ابو حسام چند ثانیے خاموش رہ کر اُس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر اُس نے حماد کو بتا دیا کہ وہ
کس نوعیت کی کارروائی کر رہے ہیں اور کہاں تک جا سکتے ہیں۔ اُس نے اپنا تعلق ''الجہاد'' گروپ
سے بتایا۔

'' میرا خیال ہے میں اس طرح آپ کے زیادہ کام آ سکتا ہوں۔'' حماد نے یہ کہہ کر اُسے آج
کرنل مائیک سے ہونے والی ملاقات کی تفصیلات بتائیں۔ ابو حسام کی آنکھوں میں چمک پیدا
ہوئی۔ وہ حماد کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ اُس نے حماد کو قریباً سرگوشیوں کے انداز میں کچھ سمجھایا۔ اُس
کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

'' انشاء اللہ......! ایسا ہی ہوگا۔'' حماد نے پر یقین لہجے میں کہا۔

ابو حسام علی الصباح نماز پڑھنے کے بعد چلا گیا۔ حماد کی زندگی کو اب مقصد مل گیا تھا۔ آج
اُسے کرنل مائیک سے ملنا تھا جس نے اُس کے والد کی ملاقات بھی کروائی تھی۔

■ ■ ■

بغداد کے اس قدیم ترین علاقے میں زیادہ تر آبادی اُن لوگوں پر مشتمل تھی جنہیں مروجہ
زبان میں ملازمت پیشہ کہا جا سکتا ہے۔ یہاں پولیس، آرمی اور دیگر سرکاری محکموں کے ریٹائرڈ اور
حاضر ڈیوٹی لوگ رہتے تھے۔ ابو سرمد بھی ان میں سے ایک تھا۔

ابو سرمد عراقی سی آئی ڈی کا سابقہ ڈپٹی ڈائریکٹر تھا لیکن اُس کی ریٹائرمنٹ اُس کی عمر کی وجہ
سے نہیں بلکہ سرکاری طور پر اُس کی ''خراب کارکردگی'' کی وجہ سے ہوئی تھی۔ عراق میں کسی بھی
سرکاری ملازم کی کارکردگی اُس کا کام نہیں بلکہ صدر صدام حسین سے اُس کی وفاداری سمجھا جاتا تھا۔

ابو سرمد جس علاقے میں رہا وہاں جرائم پیشہ لوگ اُس سے خوفزدہ رہتے تھے لیکن بہت کم
لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ وہ اپنے محکمے سے زیادہ ان جرائم پیشہ لوگوں پر اعتماد کرتا تھا۔ ایک عرصہ
تک تو یہی سمجھا جاتا رہا کہ بعض جرائم پیشہ اُس کے لئے کام کرتے ہیں اور اس دُنیا میں رہ کر
دراصل ابو سرمد کے لئے مخبری کے فرائض انجام دیتے ہیں لیکن عراقی انٹیلی جنس نے جلد ہی اس

بات کا پتہ لگالیا کہ ابو سرمد کو ان کی طرف سے باقاعدہ بھتہ موصول ہوتا تھا اور اُس نے عراق نہیں ہمسایہ ممالک اُردن اور شام میں بھی اپنی خاصی جائیداد بنا رکھی تھی۔

ابو سرمد بلا کا ذہین اور عیار شخص تھا۔ ایک ہی وقت میں وہ سی آئی ڈی کا ڈپٹی ڈائریکٹر، ج پیشہ لوگوں کا پروردہ اور قُصَیّ حسین کا ''کارِخاص'' بھی تھا۔ بڑی چالاکی سے وہ اپنی تینوں حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھا۔ اب تک اُس کے سرکاری احتساب سے بچے رہنے کی اہم وجہ اُس صدام حسین کے صاحبزادے قُصَیّ حسین کے لئے خصوصی خدمات تھیں۔

صدام حسین کے اقتدار کے آخری ایام میں اُس کے خلاف انکوائری رپورٹ آنے پر اُ نوکری سے برخاست کردیا گیا تھا عین ممکن تھا اُسے جیل کی ہوا کھانی پڑتی لیکن قُصَیّ حسین کے اُس کی خدمات نے اُسے بچالیا۔ اب وہ سرکاری طور پر تو برخاست تھا لیکن قُصَیّ حسین کے کام کر رہا تھا۔ بغداد میں ایسے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے جو صدر صدام صاحبزادوں کے ایجنٹوں کی حیثیت سے سہولیات کے مزے لوٹ رہے تھے۔

ابو سرمد بھی اُن میں سے ایک تھا۔

عراقی انٹیلی جنس نے اُس کے متعلق جو تحقیقات کی تھیں۔ اُس سے وہ بڑا مکار مجرم ثابت تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ ابھی تک عراقی انٹیلی جنس کو اُس کی اصلیت کا علم نہیں ہوا تھا۔ ابو مد بیک وقت بغداد میں سی آئی ڈی کا ڈپٹی ڈائریکٹر اور امریکی سی آئی اے کا انتہائی قابلِ ا ایجنٹ بھی تھا۔

امریکیوں سے اُس کی دوستی پانچ سال پرانی بات تھی۔ اُن دنوں ابو سرمد عراقی سی آئی کے محکمے کا ایک انسپکٹر تھا اور عراقی حکومت کی طرف سے ایک ٹریننگ کورس پر جرمنی کے شہر میلا میں موجود تھا۔ اُس کے ساتھیوں کو ابو سرمد کی اس کمزوری کا علم تھا کہ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سک عراقی معاشرے میں اُس کی یہ ضرورت آسانی سے پوری نہیں ہوتی تھی کیونکہ یہاں اُس بہرحال ایک سماجی حیثیت بھی تھی اور وہ اسے برقرار رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

جرمنی آنے پر تو جیسے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اُس کے فارغ اوقات زیادہ تر شرا خانوں ہی میں گزرتے تھے۔ اُس روز بھی وہ میلان کے ایک شراب خانے سے باہر نکل ر جب امیلڈا اُس سے ٹکرا گئی۔ یہ ٹکراؤ بظاہر اتنا قدرتی اور اتفاقیہ تھا کہ اس کے پسِ پردہ پلا

سرمد کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔

پہلا ہی ٹکراؤ دونوں کو قریب لے آیا۔

امیلڈا نے پندرہ بیس روز ابو سرمد پر محنت کرنے کے بعد بالآخر ایک روز اُس کا تعارف کرنل ئیک سے کروادیا جس نے ابو سرمد کو براہِ راست سی آئی اے کے لئے خدمات انجام دینے کی پیش ش کی جو امیلڈا کی اداؤں کے اسیر ابو سرمد نے فوراً قبول کرلی۔

ابو سرمد نے عراق میں دورانِ ملازمت یہ بات تو بخوبی سمجھ لی تھی کہ جلد یا بدیر عراق پر ریکہ ضرور قبضہ کرلے گا کیونکہ عراقی تیل سے دستبرداری اسرائیل کے لئے قابلِ برداشت یں اور اسرائیلی مفادات کے تحفظ کے لئے امریکہ کو بہرحال میدان میں اُترنا پڑے گا۔ اُس نے سی آئی اے کے لئے خدمات انجام دینے کا معاہدہ کرکے اپنی دانست میں اپنا مستقبل محفوظ کر تھا۔

کرنل مائیک نے اس سے تین ملاقاتیں کرکے اسے بریفنگ دی تھی جس کے مطابق اُسے راد میں کام کرنا تھا۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا۔ ابو سرمد نے تب ہی سمجھا تھا کہ اگر امریکیوں نے اُس سے محض یہی خدمات لینی تھیں تو وہ بہت احمق تھے۔ کرنل مائیک نے اُس سے صدام اور ں کے بیٹوں سے روزانہ ملاقات کرنے والوں کا ریکارڈ جمع کرنے کا کام لیا تھا جو اُس کے لئے ل معمولی کام تھا کیونکہ اس ڈیوٹی پر وہ خود مامور تھا۔ ملاقاتیوں کی فہرست کی وہ ایک فوٹو کاپی پنے آفس میں تیار کرواتا اور کرنل مائیک کے بتائے ہوئے طریقے پر اسے ڈراپ بھی کردیتا۔

یہ طریقہ بھی بڑا عجیب تھا۔

کرنل مائیک نے اُسے بغداد کے ایک پارک کا ایڈریس بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ہر ہفتے شام ٹھیک سات بجے اس پارک کے شمالی حصے میں ایک بہت پرانے زیتون کے درخت کے یک ایک بڑے پتھر کے نیچے رکھ کر چلا جایا کرے اور دوبارہ کبھی پلٹ کر اُس طرف نہ ھے۔

یہ پارک اُس کے گھر کے راستے میں آتا تھا۔ پارک کے نزدیک وہ اپنی گاڑی کھڑی کرتا اور ہ دس دنوں کا ملاقاتیوں کا ریکارڈ جمع کرکے ایک بڑے لفافے میں بند کرکے وہاں رکھ دیتا۔ حصے میں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ نہ ہی یہاں کسی کے پاس اتنا فالتو وقت تھا

کہ اُس کی نقل وحرکت پر توجہ دے۔

اُس کے یہاں دھرے کاغذات کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے......؟ یہ جاننے کی ابوسرمد کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ اُس نے انٹیلی جنس کا جو علم پڑھ رکھا تھا اس میں اس طریقے کو ad Drop ''ڈیڈ ڈراپ'' کہتے تھے۔ عموماً دوسری جنگ عظیم اور پھر سرد جنگ کے زمانے میں ام اور روس کے جاسوس یہ طریقہ استعمال کرتے تھے۔ اُسے کبھی کبھی حیرت ہوتی کہ امریکی کیا تک اتنے پرانے طریقے ہی استعمال کر رہے ہیں جبکہ وہ فیکس یا ای میل کے ذریعے بھی سب بھیج سکتا تھا۔ لیکن وہ خود بھی اس خیال کو دماغ سے جھٹک دیتا کیونکہ ایسا سوچنا اُس کی صحت لئے قطعاً فائدہ مند نہیں تھا۔ کرنل مائیک نے اُسے پہلی ہی ملاقات پر مشورہ دیا تھا کہ وہ ہر چیز متعلق تجسس رکھے لیکن اُس کے متعلق نہیں۔

یہ سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔

دو سال بعد امریکہ نے عراق پر حملہ کر دیا تو اچانک ایک روز کرنل مائیک نے اُس ک ابوسرمد سے ملاقات کر کے اُسے حیران کر دیا۔ اُس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھ کرنل مائیک جو سی آئی اے کا ایک اہم آفیسر ہے کبھی زندگی میں اس نوعیت کا خطرہ بھی مول سکتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز طور پر وہ ایک عراقی باشندے کے بھیس میں اُس کے سامنے موجود ابوسرمد اس کی صلاحیتوں کا قائل ہوگیا۔

آہستہ آہستہ اس کی خدمات کا دائرہ بڑھنے لگا۔ اُس سے مختلف لوگوں کی تصاویر حا کرنے پھر انتہائی اہم گفتگو ریکارڈ کرنے کا کام لیا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس اکاؤنٹس بھی بڑھتے چلے گئے۔ ہوشیار اور خبردار ابوسرمد نے اپنی موجودہ حالت سے کبھی امارت ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ وہ ہمیشہ ویسا ہی رہا جیسا لوگ اسے شروع سے دیکھ رہے تھے۔

عراق پر موجودہ حملے سے قریباً دو ماہ پہلے کرنل مائیک نے اُسے اُردن میں طلب کیا۔ ایک کیفے میں اس نے ایک عربی کے بھیس میں اس سے ملاقات کی اور اُسے بتایا کہ امریکہ سے کیا چاہتا ہے۔

ابوسرمد کے لئے اب امریکی ڈیمانڈ کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اتنا بے حس اور بے غیرت بن چکا تھا کہ اب اُس کے لئے یہ سب معمول کی کارروائی تھی۔ اُسے عورت، شراب، ڈالر درکار تھے جو امریکیوں کی طرف سے اُسے توقعات سے بڑھ کر دیئے جا رہے تھے۔

اُن دنوں ابوسرمد ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ عراقی حکومت کی طرف سے ڈسچارج ہونے کے فوراً بعد ہی وہ عراق سے نکل کر مغربی ملک میں اپنے کنبے سمیت آباد ہونا چاہتا تھا لیکن کرنل مائیک آڑے آیا جس نے اسے سختی سے اپنی جگہ جمے رہنے کا حکم دیا۔

''تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی لیکن وقت آنے پر......ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ابھی ہمیں بغداد میں تمہاری ضرورت ہے۔'' اُس نے دوٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''لیکن یہاں میں اب محفوظ نہیں رہا۔ ابھی تک تو محض قُصَی حسین کی وجہ سے بچا ہوا ہوں......اس کے بعد کچھ بھی ممکن ہے......میری دونوں بیویاں اور بچے بہت پریشان ہیں۔'' اُس نے عذر پیش کیا۔

''ابوسرمد......! یہ تمہارا مسئلہ نہیں رہا...... جب تم ہمارے دوست بن گئے ہو تو یہ بات یاد رکھو کہ اب تمہارے مسائل کا حل ہم نے تلاش کرنا ہے تم نے نہیں......تم اب صرف ہمارے احکامات کی پابندی کرو گے......And that is it......'' اُس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ابوسرمد نے اپنے بچوں اور بیویوں کو محفوظ ٹھکانوں پر منتقل کر دیا تھا اور اب وہ اکیلا ہی اس محلے میں رہتا تھا۔

عراق پر امریکی حملے سے تین روز پہلے جب وہ بغداد کی سپر مارکیٹ کی ایک دُکان پر اشیائے ضرورت خرید رہا تھا تو اچانک عربی لبادے میں ملبوس کرنل مائیک اُس سے ٹکرا گیا۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ......!'' اس نے بالکل مقامی لہجے میں سلام کیا۔

''اہلاً وسہلاً مرحبا......!'' اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے ابوسرمد نے جواب دیا اور اُس سے معانقہ کر لیا۔

''آپ یہاں......؟'' اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اُس نے حیرانگی سے پوچھا۔

''کمال ہے بھئی......! یہ کوئی انہونی بات تو نہیں...... مجھے یہیں ہونا چاہئے۔'' کرنل

مائیک نے جواب دیا۔

''خیریت تو ہے ناں سر......؟'' ابوسرمد کو نجانے کیوں گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔

''گھر چلو......! تفصیل سے بات کرتے ہیں۔'' کرنل مائیک نے لاپرواہی سے کند اُچکاتے ہوئے کہا۔

دونوں گھر پہنچ گئے جہاں کرنل مائیک نے اسے اطلاع دی کہ اگلے 48 گھنٹوں امریکہ کسی بھی وقت عراق پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس نے حملے کے دوران اور امریکی فوجوں بغداد میں داخل ہونے سے پہلے کے دو منصوبے ابوسرمد کے سامنے رکھے۔

ابوسرمد کے شیطانی ذہن کے لئے پہلے سے دوسرا منصوبہ زیادہ اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اُس کے لئے ہر طرح نفع بخش تھا۔ کرنل مائیک نے وعدہ کیا تھا کہ اُس کا کام مکمل ہوتے ہی اُ بھی اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔ کرنل مائیک نے اُسے کہا تھا کہ کل شام تک اپنی بیویوں اور بچوں کو بغداد یا شام پہنچا دے جہاں اُن کے لئے رہائش کی جگہ حاصل کر لی گئی ہے۔

ابوسرمد خاصا مطمئن تھا۔

اُس نے فوراً تیاریاں شروع کر دیں اور اگلے منصوبے کے لئے سرگرم عمل ہو گیا۔ کر مائیک کے پاس سیٹلائٹ فون موجود تھا جس کے ذریعے اُس نے رابطہ کیا اور شام تک ابوسرمد گھر پر تین اور امریکی پہنچ چکے تھے۔

ابوسرمد کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ اُس نے ان امریکیوں کو کہاں پہنچانا ہے اور اُس نے اگلے گھنٹوں میں ان تینوں کو اُن کے پاس موجود خفیہ اور خطرناک آلات سمیت اُن تین انتہائی ا اور حساس مقامات کے نزدیک پہنچا دیا تھا جہاں پہنچانے کا حکم اُسے کرنل مائیک کی طرف سے تھا۔

دوسرے روز دن کا آغاز ہوتے ہی علاقے کے جرائم پیشہ لوگ ایک ایک کر کے ابوسرمد گھر جمع ہونے لگے۔ اُس کے گھر پر ان جرائم پیشہ اور پولیس کے ریکارڈ ہولڈر لوگوں کی آمد کے محلے داروں کے لئے کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی کیونکہ ان لوگوں کا خاص طور پر ابوسرمد نوکری سے برخاستگی کے بعد گھر پر آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

بغداد پر امریکی حملے سے کافی دن پہلے ہی سے خوف کے سایے منڈلانے لگے تھے۔ لوگ جانتے تھے کہ امریکہ آج کل میں حملہ کرنے والا ہے اور اُس کا ہدف بغداد شہر ہوگا۔ ماضی قریب یں وہ اس کا تجربہ کر چکے تھے۔ اپنے پرانے تجربے کی روشنی میں بغداد کے رہائشیوں نے اپنی بیوی چوں کو فوراً محفوظ مقامات پر پہنچانا زیادہ ضروری سمجھا تھا۔ جو لوگ بغداد میں رہ گئے تھے انہوں نے پنے گھروں میں اشیائے خوردونوش ذخیرہ کرنی شروع کر دی تھیں کیونکہ ماضی میں انہیں اس کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ان حالات میں کسی کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ ابوسرمد کے گھر میں کون آ اور جا رہا ہے۔ ہیں اس سے زیادہ فکر اپنی سالمیت کی تھی۔

بغداد پر امریکی حملہ شروع ہو گیا۔

ابو سرمد کے پندرہ بیس ساتھیوں کو اس نے پہلے ہی سے ایسے علاقے میں رکھا ہوا تھا ج بالکل محفوظ اور اُس کے اگلے حکم کے منتظر تھے۔

امریکہ کی طرف سے تباہ کن بمباری شروع ہو چکی تھی۔ دن رات زوردار دھماکے ہ تھے۔ یہ خطرناک اور قریباً ایٹمی قوت کے حامل بم جب پھٹتے تو بغداد کے شہریوں کو اپنے اع ٹوٹنے کا احساس ہونے لگتا۔ وہ سب انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنی اور بغداد کی سلا دُعائیں مانگ رہے تھے۔

بالآخر منحوس دن بھی آ گیا جس کے نہ آنے کی سارا عالمِ اسلام دُعائیں مانگ رہا تھ عراقی لیڈرشپ کی بزدلی نے جسے بہرحال ممکن بنا دیا تھا۔

امریکی فوجیں بغداد شہر میں داخل ہو گئیں۔

اس کے ساتھ ہی ابو سرمد نے کرنل مائیک کے مشن کا آغاز کر دیا۔ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ت اس سے پہلے بھی بدقسمت عراقیوں نے امریکہ کی تباہ کن گولہ باری اور بمباری کا سامنا کیا ت بغداد میں امن و امان کی صورتِ حال پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔

یہ بات لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ بغداد میں ماضی کی تاریخ کو دُہرا گا۔ جیسے ہی امریکی ٹینک بغداد میں داخل ہوئے، صدام حسین کی نام نہاد بہادر افواج جنہیں سازش کے تحت مغربی میڈیا اور اس کی نقل میں مسلم میڈیا نے بڑی بہادر اور جدید سامانِ جنگ لیس بتایا تھا، دُم دبا کر بھاگ گئیں۔

سارا بغداد اب امریکہ کے رحم و کرم پر تھا۔

لیکن امریکہ سے بڑا ایک اور عذاب کرنل مائیک کی طرف سے بغداد کے شہریوں پر مسلط ہو گیا جب ابو سرمد کے جدید اسلحہ سے لیس غنڈوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ یہ بدراہ اور آشیر واد یافتہ غنڈے لوگوں کے گھروں میں گھس گئے اور اُن کے مال اسباب اپنی گاڑیوں میں لادنے لگے۔

ان لٹیروں کی کارروائیوں کی خبر بغداد میں جہاں جہاں پہنچی، مقامی آبادی کے نوجوانوں نے بھی ان کی تقلید شروع کر دی اور اگلے روز بغداد کے مضافاتی علاقوں سے ایک طوفانِ بدتمیزی بغداد میں داخل ہو گیا۔ سینکڑوں کی تعداد میں ان لٹیروں نے سرکاری اور غیر سرکاری املاک کو لوٹنا اور تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا۔

ابو سرمد نے پہلے ہی سے اپنے اہداف متعین کر رکھے تھے۔ اُس کے لٹیروں نے سب سے پہلے روز تو بغداد کے بدقسمت شہریوں کو جی بھر کے لوٹا اور سارے بغداد کو احساسِ عدم تحفظ سے دوچار کیا۔ دوسرے دن انہوں نے ابو سرمد کے منتخب کردہ ٹارگیٹس کو نشانہ بنایا جن میں سینٹرل بینک آف عراق اور عراق کا تاریخی عجائب گھر شامل تھے۔ ان دونوں اہم سرکاری مقامات کی بربادی امریکی فوجوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتی رہی لیکن پہلے سے حاصل شدہ ہدایات کی وجہ سے کسی امریکی فوجی نے کسی معاملے میں دخل نہ دیا۔

بغداد کی معزز عورتیں امریکی فوجیوں کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر، اُن کے بازو کھینچ کھینچ کر انہیں مسلح غنڈوں کی طرف متوجہ کرتیں جو امریکیوں کی آنکھوں کے سامنے مال اسباب اور عزتیں لوٹ رہے تھے لیکن انہیں ایک ہی جواب ملتا۔

This is none of our business. (یہ ہمارے دائرہ اختیار میں نہیں)۔

کرنل مائیک ان تمام سرگرمیوں کو بغداد کے ایک محفوظ کنج میں بیٹھا مانیٹر کر رہا تھا۔ اُسے توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ آج اس نے یہودی گھرانے میں جنم لینے کا حق ادا کر دیا تھا۔ اُس نے امریکی سی آئی اے کا اہم آفیسر ہونے کے ناطے دراصل ''موساد'' کے لئے غیر معمولی خدمات انجام دی تھیں۔ ''موساد'' کا یہ سنہری اُصول تھا۔

''جس قوم کو برباد کرنا مقصود ہو اُس میں احساسِ عدم تحفظ پیدا کر دو...... تمہارا پچاس فیصد

کام مکمل ہوگیا۔"

اور اُس نے پچاس فیصد کام مکمل کر دیا تھا۔

ایک اکیلے آدمی نے وہ کام کر دکھایا تھا جو سارے اسرائیل کی فوج مل کر بھی نہیں دکھا تھی۔ اُس نے بغداد کے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ وہ بالکل غیر محفوظ ہیں۔ اگر وہ صدام حسین زمانے میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے تو آج وہ اُس سے بھی زیادہ غیر محفوظ ہو چکے ہیں۔ امریکی کی جمہوریت بچانے نہیں اُن کی دولت سمیٹنے آئے ہیں۔

ابو سرمد ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ بغداد میں لٹیروں نے جو شورش پیدا کر دی ہے اُس کا صرف اس کے سر پر بندھے گا اور اس کا "باس" اسے توقعات سے بڑھ کر انعامات اور اعزازا سے نوازے گا۔ لیکن یہ بات اُس کے علم میں نہیں تھی کہ وہ اکیلا ہی ایسا گدھا نہیں جسے امریکہ نے اُلو بنا کر دراصل اپنا اُلو سیدھا کیا ہے۔ اس شہر میں اُن کے پاس ایک متبادل گھوڑا بھی مو تھا۔

* * *

امریکی کبھی ایک گھوڑے پر داؤ نہیں لگاتے۔ وہ ایک ہی وقت میں کئی گھوڑوں پر جوا ہیں تاکہ کسی ایک گھوڑے کی سرکشی یا اُس کے لنگڑا ہونے کی صورت میں اُسے فارغ کر دوسرے گھوڑے کو آگے لائیں۔

یہ دوسرا اہم گھوڑا شیرازی تھا۔

بغداد کی شیعہ آبادی کا معتدل لیڈر شیرازی...... جسے امریکیوں نے اُن دنوں میں قابو تھا جب وہ فرانس کے ایک شہر میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ دس سال پہلے شیرازی جو یہا معمولی سا مذہبی نمائندہ تھا، صدام حسین کی پالیسیوں سے خوفزدہ ہو کر عراق سے فرار ہو کر فرا میں "سیاسی پناہ" لے کر زندگی بسر کر رہا تھا۔ جب کرنل مائیک ایک مستشرق کے رُوپ میں سے ٹکرا گیا۔

کرنل مائیک کے اسلام خصوصاً شیعہ مذہب کے متعلق معلومات اور تحقیق نے اُسے دنگ کر کے رکھ دیا۔ اُس نے جلد ہی شیرازی کے دل و دماغ میں یہ زہر گھول دیا کہ عراق میں سنی اقلیت محض دھونس اور دھاندلی سے سارے عراق پر قبضہ کر رکھا ہے۔ حالانکہ آبادی میں قریباً ان

ابر یا کسی حد تک زیادہ ہونے کی بنیاد پر اہلِ تشیع عراق پر حکومت کے حق دار ہیں کیونکہ کرد خود کو راقی نہیں سمجھتے اور اپنا الگ ملک بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے اُن کو کسی کا حصہ بنانا مناسب نہیں ہے۔

اُس نے شیرازی کو جس کا خاندان شاہ ایران کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر چالیس سال پہلے یراز سے بغداد میں آ کر آبادی ہو گیا تھا، باور کروایا کہ اگر عراق میں شیعہ حکومت قائم ہو جائے تو ران کے ہمسایہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک مضبوط اکائی بن جائیں گے اور اس خطے میں کسی ملک یں یہ ہمت نہیں ہوگی کہ اُن کے سامنے سر اُٹھا سکے۔

"لیکن تم امریکی تو ایسا کبھی نہیں چاہتے...... تم تو ایران کے دُشمن ہو...... اسے برباد کرنا ہتے ہو۔" شیرازی نے پوچھا۔

اس سوال پر مائیک نے زبردست قہقہہ لگانے کے بعد شیرازی سے کہا کہ اُسے ابھی تک ریکہ کی سمجھ نہیں آئی۔

"میرے محترم مولانا......! امریکہ میں ہر ادارہ اپنی حیثیت میں مکمل آزاد ہے۔ ہم سب پنی اپنی پالیسیاں بناتے ہیں اور اُن پر اپنے اپنے انداز سے عمل کرتے ہیں۔ اچھا...... تم ہی بتاؤ اگر ریکہ ایران کے خلاف ہے تو اس نے ایران عراق جنگ میں اسرائیل کے ذریعے ایران کو اتنا سلحہ کیوں فروخت کیا تھا......؟ ایران بھی تو اسرائیل کے خلاف ہے۔ اُس نے آخر اسرائیل سے سلحہ کیوں خریدا......؟ اُس کی مدد کیوں قبول کی......؟"

اس کے آخری سوالات نے شیرازی کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

شیرازی جانتا تھا کہ امر واقعہ یہی ہے۔ صدر ریگن پر ان الزامات کے تحت امریکہ کی سینٹ کمیٹی نے انکوائری بھی بٹھائی تھی اور صدر ریگن نے اس بات کا اقرار بھی کیا تھا کہ اُس نے ایسا کیا ہے۔ اسرائیل کے ذریعے اس نے ایران کو اسلحہ فروخت کیا کیونکہ ایران کبھی امریکہ سے براہِ راست اسلحہ نہ خریدتا۔

"مولانا صاحب......! بڑی قوموں کی دوستیاں اور دُشمنیاں بدلتی رہتی ہیں۔ ہم حالات کے مطابق پالیسیاں بناتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔" کرنل مائیک نے اُس کی برین واشنگ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ امریکی عراق پر شیعہ حکومت چاہتے ہیں......؟" شیرازی نے راست اور سیدھا سوال کیا۔

"تم لوگوں کی یہی کمزوری ہے......تم ہمیشہ ہر بات کا دوٹوک اور فوری جواب چاہتے جبکہ آج کی دُنیا میں بین الاقوامی سیاست میں کسی سوال کا دوٹوک جواب نہیں ہوتا۔ کسی سوا جواب صرف ناں یا صرف ہاں نہیں ہوتا۔ میرے محترم......! ہر کسی کو اس بات کا حق حاصل کہ دوسرے کی بات سے اپنا مطلب نکالا کرے۔" کرنل مائیک نے جواب دیا۔

کرنل مائیک سے ہونے والی چند ملاقاتوں اور اُس کی طرف سے موصول ہونے وا تحائف نے شیرازی کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ جب وہ عراق واپس لوٹا تو اسی آئی ا۔ طرف سے یہ گارنٹی اُس کے ساتھ موجود تھی کہ عراق میں صدام حکومت کے خاتمے کے بعد ج حکومت بنی اُس میں شیرازی کا حصہ ضرور موجود ہوگا۔

امریکی حملے کے قریباً ڈیڑھ سال پہلے شیرازی کی واپسی ہوئی تھی۔ سی آئی اے نے ء حکومت سے اُس کا رابطہ کروایا تھا اور عراق میں موجود اپنے لوگوں کے ذریعے صدام حسین کو بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ شیرازی کو اپنا ساتھی سمجھتے ہوئے اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر گا۔

صدام حسین نے جو اُن دنوں حالات کی زبردست ستم ظریفی کا شکار تھا، شیرازی سے بھی تمام جلاوطن عراقیوں کو عراق واپس آنے کی اپیل کی تھی۔ اُن کی جان و مال، عزت و آ، حفاظت کی گارنٹی بھی انہیں دی گئی تھی۔

شیرازی بھی ان گارنٹیوں کے ساتھ بغداد واپس لوٹا تھا۔

بغداد کے مضافاتی علاقے میں اُس نے اپنا ڈیرہ جمایا۔ سی آئی اے نے یہاں اُس کے شاندار محل نما گھر پہلے سے تیار کروا دیا تھا جہاں دُنیا کی ہر آسائش اسے حاصل تھی۔ شیرازی بیان ذاکر تھا، جلد ہی اس نے بغداد کی شیعہ آبادی کی توجہ حاصل کر لی اور اس کا حلقہٴ ارادت سے بڑھنے لگا۔

اُس نے خود کو سی آئی اے کی ہدایات کے مطابق صرف مذہبی سرگرمیوں تک محدود کرا اور سیاست سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔

بغداد پر حملے سے قریباً دو ماہ پہلے اسے کرنل مائیک کی طرف سے ہدایت ملی کہ اب وہ اپنے پیروکاروں کو عراق پر حکومت کی نئی لائن دینا شروع کر دے۔

اور اب اُس نے اس پر عمل کیا۔ ان دنوں عراقی انتظامیہ عملاً بے بس ہو چکی تھی اور کچھ کرنے لائق نہیں تھی۔ بغداد میں امریکی فوج کے داخلے کے پہلے دن تو ابوسرمد کو لوٹ مار کا ٹارگٹ دیا گیا جبکہ دوسرے دن شیرازی کے پیروکار بھی اس میں شامل ہو گئے۔

کرنل مائیک کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ وہ عراق میں صدیوں سے موجود مضبوط شیعہ سنی اتحاد کو توڑ ڈالے۔ اگر یہ "مسعھ" ٹوٹ گئی تو وہ اس صورتِ حال سے اپنی مرضی کا ہر نتیجہ حاصل کر سکیں گے۔

امریکن جانتے تھے کہ عراق میں شیعہ سنی اتحاد اتنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ اس میں کوئی بڑا سانحہ بھی دراڑ نہیں ڈال سکتا۔ انہوں نے اب اس پر کام شروع کر دیا تھا۔

جب مضافاتی علاقوں سے شیرازی کے عقیدت مند لٹیروں کے رُوپ میں بغداد میں داخل ہوتے تو ایک تیسری ٹیم نے سی آئی اے کی ہدایت پر یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ صدام حسین نے ہی آج تک شیعہ شورش کو دبا کر رکھا تھا۔ اب وہ نہیں رہا تو شیعہ نے پر پُرزے نکالے ہیں اور وہ بغداد پر قابض ہو جائیں گے۔

سی آئی اے نے اپنے طریق کار کے مطابق شیرازی اور ابوسرمد دونوں کو اس بات کا علم نہیں ہونے دیا تھا کہ اس کے علاوہ دوسرا بھی ایجنسی کے لئے کام کر رہا ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق یہ زہریلا پراپیگنڈہ کیا لیکن اس مرحلے پر کرنل مائیک کو فی الوقت تو اس لئے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کہ بغداد کے مسلمانوں نے اس کا اثر ذرہ برابر بھی قبول نہ کیا۔ وہ صدیوں سے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے آ رہے تھے۔ انہیں اس بات سے کیا غرض کہ لٹیرا کون ہے......؟ کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے......؟ اُن کے نزدیک لوٹ مار کرنے والا صرف لٹیرا اور ڈاکو تھا اور کچھ نہیں۔

آج صبح ہی کرنل مائیک نے ابوسرمد کو طلب کیا تھا اور اس وقت دونوں بغداد کے ہی ایک پوش علاقے میں اکٹھے ہوئے تھے۔ یہ کوئی سفارتی دفتر تھا جسے اب سی آئی اے نے اپنا سب آفس بنا رکھا تھا۔

"کیا بات ہے ابوسرمد...... ! بوڑھے ہوگئے ہو کیا......؟" کرنل نے اسے دیکھتے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ایسی بات نہیں مسٹر مائیک...... ! آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ طویل عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے آرہے ہیں اور یہاں کسی نے کبھی شیعہ سنی کی تفریق نہیں کی...... یہ مشکل کام ہے لیکن ہو جائے گا۔"

"میں ذاتی طور پر تمہارے خیالات کا حامی ہوں۔ واقعی ہمیں یہ ڈر لگا ہے کہ کہیں یہ لوگ ایران کی مدد سے برسرِ اقتدار نہ آجائیں۔" ابوسرمد نے وضاحت پیش کی۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ وہ کرنل مائیک کی مرضی کے نتائج نہیں دے سکا اور وہ ناراض ہو رہا تھا۔

"مجھے حالات و واقعات یا تمہاری تاریخ سے کچھ لینا دینا نہیں مسٹر...... ! یہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک "ڈیل" (Deal) ہے جسے پورا ہونا چاہئے۔ ہم نے اپنے حصے کی ڈیل پوری کی ہے اور تمہیں توقع سے بڑھ کر انعامات سے نوازا ہے۔ میری بات سمجھتے ہو ناں......؟" اس نے قریباً گھورتے ہوئے ابوسرمد سے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں...... دو چار دن کی بات ہے۔ میں نے شاندار پلاننگ کی ہے۔" ابوسرمد کے شیطانی ذہن نے فوراً ایک منصوبہ گھڑ لیا تھا۔

"کیا......؟ کیا......؟ بتاؤ مجھے۔" کرنل مائیک نے بے قراری سے دریافت کیا۔

"آج رات میرے بندے مسجد ابو حنیفہ پر حملہ کریں گے۔ ہم وہاں راکٹ لانچر سے کچھ گولے پھینکیں گے اور مسجد کے اندر موجود میرے ساتھی فوراً اسے شیعہ حملہ قرار دے دیں گے۔ تمہیں علم ہے ناں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سب سے محترم امام ہیں۔ اُن کی مسجد کو نقصان پہنچنے کا صدمہ کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا...... کوئی بھی......" ابوسرمد نے اپنا شیطانی منصوبہ پیش کیا۔

"شاباش...... ! ونڈرفل...... اس کا مطلب ہے ابھی تمہارا دماغ کام کر رہا ہے۔ میں نے تو سمجھ لیا تھا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو...... اور تم جانتے ہو ناں...... ہمارے بزنس (Business) میں بوڑھے گھوڑے کو بگھی میں نہیں جوتا جاتا۔ اُسے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔"

کرنل مائیک نے آخری فقرہ مسکراتے ہوئے اپنی دانست میں مذاق کے انداز میں کہا۔

لیکن ابوسرمد کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک تیز سنسناہٹ کا احساس ہوا تھا۔ وہ لرز کر رہ گیا۔

"ابھی تک تو اُس نے سی آئی اے کا دوسرا رُوپ نہیں دیکھا تھا...... لیکن اب......" اس سے آگے اُس کی سوچ منجمد ہو گئی۔

"میرا خیال ہے میں اب نکلوں...... لڑکوں کو سمجھانا بھی ہے۔" اُس نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے...... ! کل تک کام ہو جانا چاہئے۔ برا مت ماننا ابوسرمد...... ! ہم امریکیوں کی یہ کمزوری ہے کہ ہم الفاظ پر نہیں ایکشن پر یقین رکھتے ہیں۔ ہماری تاریخ اس کی شاہد ہے...... کچھ کر کے دکھاؤ...... جلدی...... فوراً" اُس نے ہاتھ سے چٹکی بجا کر اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے کہا۔

ابوسرمد اُس سے ہاتھ ملا کر باہر آگیا۔ اندر وہ گھٹن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اتنا خوفزدہ ہوا تھا۔

▪ ▪ ▪

کرنل مائیک نے حماد کے ساتھ پہلی ہی ملاقات کے بعد یہ رائے قائم کر لی تھی کہ حماد مستقبل میں اُس کا بہترین مہرہ ثابت ہوگا اور اُس کے ذریعے کرنل مائیک بغداد کے آزاد خیال نوجوانوں کے اُس گروپ تک رسائی حاصل کر سکے گا جس نے اُن کی آئندہ کی منصوبہ بندی میں اہم کردار ادا کرنا تھا۔

حماد طے شدہ وقت کے مطابق اس سے ملنے آگیا تھا اور اب وہ ایک بکتر بند کار میں جس کو امریکی فوج کی تین اور گاڑیاں آگے پیچھے اسکارٹ کر رہی تھیں، ابوغریب جا رہے تھے۔ جہاں اسے اپنے گرفتار والد جنرل واحد سے ملنا تھا۔

حماد یوں تو کئی مرتبہ ابوغریب جیل کے باہر سے گزرا تھا لیکن اُس نے زندگی میں کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن اُسے اپنے والد سے ملاقات کرنے کے لئے جیل جانا پڑے گا۔ کیونکہ اُس کی دانست میں یہ جیل اس کے والد جیسے لوگوں کے لئے نہیں بنی تھی۔

ابوغریب جیل کے دروازے پر ایک مستعد کیپٹن اُن کا منتظر تھا جسے شاید پہلے سے اُس کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔

اُس نے گرم جوشی سے حماد سے مصافحہ کیا اور اُسے جیل کے انچارج کے کمرے کی طر لے آیا۔ کمرے میں اُس کا استقبال ایک امریکی میجر نے کیا جس نے حماد سے اُس کی خیر دریافت کرتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے بظاہر اُسے یہ محسوس نہیں کرنے دیا کہ وہ اُس خیالات جاننا چاہتا ہے۔ حماد کی چھٹی حس نے البتہ اُسے پہلے سے خبردار کر دیا تھا اور اب وہ با ایسے ہی جوابات دے رہا تھا جیسے میجر کو دینے سے اُس کی اَنا کو تسکین مل سکے۔ میجر نے اُس لئے کافی کا مگ خود تیار کیا تھا اور اُسے بسکٹ بھی پیش کئے تھے۔ پھر طویل عرصے بعد باپ ملنے کی خواہش بے تابی بن کر اُس کے اَنگ اَنگ سے جھلک رہی تھی۔ اُس کا دل اُڑ کر اپنے تک پہنچنے کے لئے بے قرار تھا اور اُسے کافی یا بسکٹوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اُس نے میجر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کافی کے ساتھ بسکٹ زہر مار کئے تھے۔

''جنرل صاحب آپ کے منتظر ہیں۔'' اُس کے ساتھ آنے والے کیپٹن نے اچانک کم میں داخل ہو کر کہا تو حماد کا دَھک سے رہ گیا۔ وہ لاشعوری عمل کے تحت بالکل میکانکی انداز میں سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''شکریہ......!'' اس نے بمشکل ایک لفظ کہا۔

''میرے ساتھ آیئے......!'' کیپٹن نے کہا اور اُس کے آگے آگے چلنے لگا۔

ایک راہ داری کے کونے پر موجود کمرے میں وہ داخل ہوئے جہاں بوڑھا جنرل واحد ا منتظر تھا۔ اپنے بیٹے کو اچانک سامنے دیکھ کر وہ پہلے تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا پھر جھٹکے سے اُٹھا اور دونوں باپ بیٹا بغل گیر ہو گئے۔

حماد بچوں کی طرح رونے لگا۔

جنرل واحد البتہ نارمل تھا۔ وہ گرم سرد چشیدہ جرنیل تھا اور زندگی میں ایسے کئی جذ حادثات سے دوچار ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ ہونے والے پے در پے واقعات نے اُ قدرے بے حس کر دیا تھا۔

''بہادر بنو......! کیا بچوں کی طرح رو رہے ہو......؟'' اُس نے حماد کی پیٹھ پر تھپکی د اسے محبت سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کے لئے کافی بھیجتا ہوں۔'' امریکی کیپٹن دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔

باپ بیٹا اب اکیلے تھے لیکن حماد کی چھٹی حس بار بار اسے توجہ دِلا رہی تھی کہ ضرور یہاں اُن کی گفتگو کو نوٹ کرنے کا کوئی بندوبست موجود ہے۔ حالات نے اُسے خاصا سمجھدار بنا دیا تھا اور یک مرتبہ اپنے باپ سے ملنے کے بعد وہ اُس کو کھونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

باپ سے خیریت دریافت کرتے ہوئے اُس نے کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جو امریکیوں کو مشکوک کرتا۔ البتہ اُس نے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ یہاں کوئی خفیہ کیمرہ نصب نہیں ہے۔

حیرت انگیز طور پر حماد کے والد نے بڑی محبت سے بیٹے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اُس پر عربی زُبان میں احتیاط کا لفظ لکھ دیا تھا۔ حماد سمجھ گیا کہ جنرل بھی وہی کچھ محسوس کر رہا ہے جو اُس کے دل ودماغ میں ہے۔ اُس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

دونوں باپ بیٹا کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ایک دوسرے کی خیریت اور گھربار کے حال احوال کے علاوہ ان کا دوسرا موضوع صرف ایک ہی تھا اور وہ تھی امریکی فوج...... دونوں کے منہ سے ابھی تک ایک لفظ بھی امریکی فوج کے خلاف نہیں نکلا تھا۔ البتہ جنرل واحد نے یہ تاثر ختم کرنے کے لئے کہ انہیں یہاں ہونے والی گفتگو کی ریکارڈنگ کا شک ہے، امریکیوں پر ہلکی پھلکی تنقید بھی کر دی تھی لیکن یہ تنقید بھی تعریفی نوعیت کی تھی جس سے بظاہر یہی تاثر قائم ہو رہا تھا کہ وہ لوگ امریکیوں کی آمد اور صدام کی رُخصتی سے بہت خوش ہیں۔

اسی دوران سی ایچ ہیڈ کوارٹرز سے اُس کے ساتھ آنے والا کیپٹن دو مرتبہ وہاں آیا تھا لیکن دونوں مرتبہ اُس نے اشیائے خورد ونوش سے اُن کی تواضع کی تھی۔ اب تک کسی نے حماد سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کتنی دیر تک اپنے والد سے مل سکتا ہے۔ البتہ حماد کو اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ باپ بیٹے کو آپس میں ملے دو گھنٹے گزرنے والے تھے۔ جنرل واحد نے خود اُسے وقت گزرنے اور رُخصت ہونے کا احساس دلایا۔ دونوں ایک مرتبہ پھر گرم جوشی سے ملے اور الگ ہو گئے۔

دونوں کی گفتگو کا ٹیپ کرنل مائیک کی میز پر دھرا تھا۔ یہاں ایسا انتظام موجود تھا کہ ابوغریب جیل میں ہونے والی گفتگو ''سی آئی اے'' براہِ راست سن سکے اور وہ ریکارڈ بھی ہوتی رہے۔

دونوں کی گفتگو کے خاتمے پر وہ مسکرایا اور فاتحانہ انداز سے اُس نے اپنے دائیں طرف کھڑے نوجوان کیپٹن کی طرف دیکھا جس نے عربی زُبان میں ہونے والی یہ ساری بات چیت تو سن لی تھی لیکن اُس کے کچھ پلے نہیں پڑا تھا اور وہ اس حکم کا منتظر تھا کہ اُس کا ''باس'' کب اُسے ٹیپ

کو انگریزی ترجمہ کروانے کا حکم دے گا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اُس نے ایسا نہیں کیا۔

(کرنل مائیک کو عربی پر عبور حاصل ہے)۔ اُسے اپنے ایک ساتھی کا کہا فقرہ یاد آ گیا اور خاموشی سے اپنے باس کو دیکھتا رہا۔

حماد کے ساتھ آنے والے کیپٹن نے اُسے المنصور اُس کے گھر پر ڈراپ کیا تھا اور اُس سے جلد رابطہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

■ ■ ■

ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہوئے گورڈن کی نظریں میرین کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ گورڈن کے خیال میں اس جیسی حسین لڑکی کی رفاقت اس کے لئے باعث فخر تھی لیکن میرین سے ملاقات میں اس کا ایک اور مقصد بھی پنہاں تھا اور گفتگو کے دوران اس کا یہ مقصد بھی سامنے آ گیا۔

''ایک انقلابی لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے مجھے واقعی عجیب سا لگ رہا ہے'' گورڈن نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چہ خوب......!'' میرین نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''انقلابی میں نہیں ہوں گورڈن......! انقلابی تو پیٹرک اور اس کے دوست ہیں اور...... تم بھی......''

''میں ان میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' گورڈن نے اس کی بات کاٹ دی۔

''لیکن وہ لوگ مجھے اپنے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتے۔ پیٹرک اگرچہ میرا بہترین دوست ہے لیکن اس نے مجھے کبھی اپنی کسی میٹنگ میں نہیں بلایا۔ مجھے پیرس آئے ہوئے تقریباً ایک سال ہو چکا ہے لیکن پیٹرک اور الفریڈ کے سوا اس گروہ کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔''

''ہوں......!'' میرین کی سبز آنکھیں ستاروں کی طرح چمک اُٹھیں۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیٹرک کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد تم نے اس کی بہن کے ذریعے انقلابیوں کے اس گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ تم واقعی بہت چالاک ہو گورڈن......!''

''یہ بات نہیں میرین......!'' گورڈن نے کہتے ہوئے عینک اُتار کر میز پر رکھ دی۔

''پیٹرک کا ہمارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم جانتی ہو میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔''

''ہاں......! جانتی ہوں۔'' میرین کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ آ گئی۔

''لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ تم انقلابیوں کے گروہ میں شامل کیوں ہونا چاہتے ہو......؟ میری معلومات کے مطابق امریکیوں کو تو یورپ میں رُونما ہونے والے واقعات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔''

''یہ درست ہے کہ ہر امریکی کو یورپ کے واقعات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی لیکن میں نے جن حالات میں پرورش پائی ہے وہ مجھے ایسے معاملات میں دلچسپی لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ میرا تعلق نیوجرسی کے ایک یہودی خاندان سے ہے۔ میرے والدین مجھے اچھا یہودی اور ڈاکٹر، قانون دان یا انجینئر بنانا چاہتے تھے لیکن ویت نام کی جنگ نے میری زندگی کے راستے بدل دیئے۔''

''ویت نام......!'' میرین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''لیکن تم تو اس وقت بہت چھوٹے ہو گے۔ ویت نام کی جنگ سے تمہارا کیا تعلق......؟ اس وقت تمہاری عمر کیا ہے......؟''

''پچیس سال۔'' گورڈن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''میں اس وقت نوعمر تھا جب ویت نام کی جنگ کے خلاف امن مارچ اور مظاہرے شروع ہوئے تھے۔ میں نے اگرچہ ان سرگرمیوں میں کبھی حصہ نہیں لیا تھا لیکن میرے ذہن میں کچھ سوال ضرور اُبھرتے تھے کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ بالآخر بعض ایسے حقائق میرے سامنے آ گئے جن سے مجھے اپنے ملک اور اپنے معاشرے سے نفرت سی محسوس ہونے لگی۔''

''اور وہ حقائق کیا تھے......؟'' میرین نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مثال کے طور پر امریکہ کی خارجہ پالیسی...... ہمیں کتابوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا تھا عملی پالیسی اس کے بالکل برعکس تھی۔ مجھے یہ جان کر دُکھ ہوا تھا کہ ہم آزادی اور جمہوریت کے تحفظ کی پالیسی پر گامزن نہیں ہیں۔ اس کے برعکس ایشیاء اور جنوبی امریکہ میں ان قوتوں کا ساتھ دے رہے ہیں جو جمہوریت اور آزادی کا جنازہ نکال کر دوسروں کا استحصال کر رہے ہیں۔ دُنیا کے مختلف ممالک کے ڈکٹیٹر اور فوجی جنرلز ہمارے تنخواہ دار ہیں۔ ہم تشدد اور دہشت گردی کی حمایت کرتے ہیں۔''

بات کرتے ہوئے گورڈن کی آواز قدرے بلند ہو گئی تھی۔ قریب کی میز پر بیٹھے ہوئے

دونوں جوان لڑکے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ میرین بھی دلچسپ نگاہ سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گورڈن کی سیاہ آنکھوں میں چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو ر تھیں اور چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

اس کے چہرے میں میرین کو کسی اور کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ وہی جذبات، وہی باغیانہ ا گفتگو...... میرین کے ذہن میں بلفاسٹ کا وہ واقعہ اُبھر آیا جس نے اس کی زندگی کی راہیں بد دی تھیں۔ وہ گورڈن کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ اپنا راستہ بدل لے...... کہیں اسے گورڈن کی میت پر بھ آنسو نہ بہانے پڑیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ کانپ اُٹھی اور اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''پھر...... پھر تم نے کیا کیا......؟''

''ان دنوں میں پولیٹیکل سائنس کا سٹوڈنٹ تھا۔'' گورڈن نے اپنے سامنے رکھی ہو پلیٹ ایک طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

''میں نے اپنے دوستوں کا ایک گروپ بنا کر حکومت کی اس پالیسی کے خلاف تحریک چلانے کی کوشش کی تو میری پیشانی پر انتہا پسند ہونے کا لیبل لگا دیا گیا۔ احتجاجی مظاہرے، ام مارچ، ریلیز اور جلوس......شروع میں یہ سب کچھ بڑا سنسنی خیز لگا تھا لیکن رفتہ رفتہ میرے دوستو کی دلچسپی کم ہوتی چلی گئی۔ میں نے یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنی پارٹی توڑ دی اور کچھ عرصہ بعد جنو امریکہ چلا گیا۔ میرے ساتھ چار دوست اور بھی تھے۔ ان میں سے دو لڑکوں کا تعلق شکاگو سے ایک کا ڈلاس سے اور ایک لڑکی کا تعلق کیلیفورنیا سے تھا۔ ہم تقریباً ایک سال تک ورجینیا، بولیویا گوئٹے مالا میں ٹھوکریں کھاتے رہے۔ ہم فریڈم فائٹر کی حیثیت سے ان کے پہلو بہ پہلو ان دشمنوں سے لڑنا چاہتے تھے۔''

''اوہ......! کیا تم نے کسی ایسی لڑائی میں حصہ لیا تھا......؟'' میرین نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

''ہمیں چھاپہ ماروں سے رابطے قائم کرنے میں اگرچہ کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی لیک ہم انہیں یہ یقین دلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے کہ ہم ان کی طرف سے لڑنا چاہتے ہیں انہیں امریکیوں سے نفرت تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ ہر امریکی غاصب اور جارح ہوتا ہے۔ انہیں ہمار

ضرورت نہیں تھی۔''

گورڈن چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''بالآخر ہم پانچوں دوست الگ ہو گئے۔ دو لڑکے تو نکاراگوا ہی میں رہ گئے اور میں تیسرے لڑکے کے ساتھ امریکہ واپس آ گیا۔ جبکہ ہماری ساتھی لڑکی بیونس آئرس میں ایک سیاہ فام کے عشق میں گرفتار ہو کر اس کے ساتھ چلی گئی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں کسی حقیقی معرکے میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا۔'' میرین نے کہا۔

''یہی سمجھ لو۔'' گورڈن نے جواب دیا۔

''امریکہ پہنچ کر میں نے پھر کالج میں داخلہ لے لیا تھا، پھر یکایک انکشاف ہوا کہ یورپ......اٹلی، فرانس اور جرمنی میں ایک نیا انقلاب جنم لے رہا ہے اس لئے میں یہاں آ گیا۔ میں نے اپنے والدین کو یہ بتایا تھا کہ میں پی ایم اے کے لئے یورپ کے انتہا پسند طلبا کی تحریکوں پر تھیسس لکھنے کے لئے جا رہا ہوں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں خود کسی انقلابی تحریک میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ یہاں میری ملاقات پیٹرک اور الفریڈ سے ہوئی لیکن اب مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ جنوبی امریکہ کے چھاپہ ماروں کی طرح انہیں بھی میری خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔''

میرین گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی باتوں سے وہ سمجھ گئی تھی کہ گورڈن آئرش ری پبلک آرمی یا ایسے ہی کسی جرمن گروہ میں شامل ہونے کو بیتاب ہے لیکن اس کے خیال میں گورڈن میں وہ صفات نہیں تھیں جو کسی انتہا پسند کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ وہ پیٹرک اور اس کے دوستوں سے بہت مختلف تھا۔ وہ لوگ اسے بگڑا ہوا رئیس زادہ سمجھ رہے تھے جو محض شوقیہ طور پر کسی انقلابی تحریک میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ میرین کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے اور اسے یقین دلائے کہ وہ ان کٹھن اور دشوار گزار راستوں پر چلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے بتانا چاہتی تھی کہ یہ راستے نہایت خطرناک ہیں جہاں زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہاں لوگ بے دردی سے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں اور بالآخر ایک روز خود بھی کسی کی سفاکی اور درندگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خدا کے لئے ان راستوں پر چلنے کا خیال دل سے نکال دو اور امریکہ واپس

چلے جاؤ۔ میں اپنے سینے پر ایک ایسا داغ لگا چکی ہوں، تمہیں اس آگ میں کودنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔ میرین یہ سب کچھ اس سے کہنا چاہتی تھی لیکن ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکی۔

"ان لوگوں کی سرد مہری کے باوجود تم نے ہمت نہیں ہاری......؟" وہ اپنی اندرونی کیفیت چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"بالکل نہیں......!" گورڈن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ جلد یا بدیر میری خدمات کو ضرور محسوس کریں گے۔"

میرین کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ یکایک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا جسم تھکن سے چور ہو۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی، خطرات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی لیکن الفاظ زبان پر نہیں آرہے تھے۔ زندگی میں ایک مرتبہ پہلے بھی وہ ایسی کوشش کر چکی تھی لیکن اسے بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے سختی سے کام لیا ہوتا تو ممکن ہے اس رات کیون بلفاسٹ کی گلیوں میں مارا جاتا۔ اس نے کیون کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان کی سرگرمیوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ لوگ بلاوجہ اپنی جانیں ضائع کر رہے ہیں لیکن کیون نے اس کی کسی بات پر کان نہیں دھرا تھا۔

"اوہ......!" گورڈن کی آواز سن کر وہ خیالات کے بھنور سے نکل آئی۔ گورڈن اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ریسٹورنٹ خالی ہوگیا اور مجھے باتوں میں خیال ہی نہیں رہا۔ مجھے افسوس ہے میرین.... میں تمہیں ڈنر کے لئے یہاں لایا تھا لیکن اپنی باتوں سے تمہیں بور کرتا رہا۔ مجھے یقین ہے تم ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔"

"تمہاری باتیں بڑی دلچسپ رہیں اور کھانا بھی بے حد لذیذ تھا۔" میرین نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم کہو گی کہ دیر ہو رہی ہے...... جلد گھر جانا چاہتی ہو...... کیونکہ صبح تمہیں ریہرسل میں حصہ بھی لینا ہے۔"

گورڈن بھی مسکرا دیا۔

"نہیں......! ایسی بھی دیر نہیں ہوئی۔ میں کچھ وقت اور تمہارے ساتھ رہ سکتی ہوں" میرین نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔

گورڈن کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"اگر واقعی یہ بات ہے تو میں تمہیں اپنا فلیٹ دکھانا چاہتا ہوں...... اگر...... اگر تم برا نہ مانو تو۔"

"میں ضرور چلوں گی۔" میرین کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

میرین کا یہ جواب بھی گورڈن کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔

آدھے گھنٹے بعد فلیٹ میں داخل ہونے کے بعد جب گورڈن نے دروازہ بند کیا تو میرین کا دل اُچھل کر حلق میں آگیا اور جب گورڈن نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے تو وہ اپنے پورے جسم میں ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس کرنے لگی۔ کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں...... بالکل یہی انداز تھا کیون کا۔ کیون کا خیال آتے ہی وہ چشم تصور میں بلفاسٹ کے مردہ خانے میں پڑی ہوئی اپنے محبوب کیون کی لاش دیکھنے لگی۔ کیون کی موت کے بعد اس نے کبھی کسی مرد میں دلچسپی نہیں لی تھی لیکن دو سال بعد جب گورڈن سے ملاقات ہوئی تو اس کے رُوپ میں اسے کیون کی تصویر دکھائی دی تھی اور اب گورڈن کا وہی انداز پا کر اسے بڑی شدت سے کیون یاد آنے لگا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ کمرے کی پرسکوت اور تاریک فضا میں ان دونوں کی اُلجھی ہوئی سانسوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سن کر وہ بدحواس ہوگئے۔ میرین جلدی سے لوٹ لگا کر پلنگ کی سائیڈ سے جا لگی۔ وہ اس طرح گڑبڑا گئی تھی جیسے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ گورڈن نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ریڈیم ڈائل والے ٹائم پیس کی طرف دیکھا، دو بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اس نے ٹٹول کر ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھانا چاہا تو میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے اس کے ہاتھ سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ بالآخر اس کا ہاتھ فون تک پہنچ گیا۔

"ہیلو......!" وہ ریسیور کان سے لگاتے ہوئے ناگوار سے لہجے میں بولا۔ دوسری طرف کی آواز سن کر اس نے ریسیور دائیں ہاتھ میں پکڑا اور بایاں ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کر دیا۔ گورڈن کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات تھے۔ میرین بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً گورڈن کی آنکھوں میں چمک سی اُبھر آئی۔

"اوہ الفریڈ......!" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"نہیں......! میں جاگ ہی رہا تھا۔ تمہاری کال سے بالکل ڈسٹرب نہیں ہوا۔"

میرین اب بھی غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ گورڈن کے تمام دوستوں کو جانتی تھی لیکن نہ جانے کیوں اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ یہ فون کال الفریڈ ملر کے علاوہ اور کسی ہو سکتی تھی۔ اپنے جاننے والوں کو اس طرح بے وقت وہی فون کیا کرتا تھا۔ وہ کئی مرتبہ پیٹرک اسی طرح آدھی رات کو فون کر کے ہنگامی میٹنگز میں بلاتا رہتا تھا۔ دوسری طرف سے غا پوچھا گیا تھا جس کے ردعمل کے طور پر گورڈن نے گردن گھما کر میرین کی طرف دیکھا۔ وہ کو ہچکچایا اور پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ہاں......! میں اکیلا ہی ہوں۔" وہ دوسری طرف کی آواز سننے کے ساتھ سر بھی ہلاتا جا ر

"کیوں نہیں الفریڈ......! میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں مجھے تمہارے ساتھ کام خوشی ہوگی۔ ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ سمجھ گیا......کل صبح گارڈی لیون سٹیشن میں......میں بالکل پہنچ جاؤں گا۔"

وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا پھر بولا۔

"کیا پیٹرک بھی وہاں ہوگا......؟" دوسری طرف سے غالباً کچھ کہا گیا تھا۔ وہ معذر لہجے میں بولا۔

"سوری الفریڈ......! تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو......شب بخیر......!"

گورڈن نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ اپنے آپ میں ایک عجیب سی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔

"یہ میری زندگی کی اہم ترین رات ہے۔" وہ میرین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"پہلے تمہارے ساتھ خوبصورت شام اور اب یہ فون کال......بالآخر نہیں میری ضرو ہی گئی۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

"اب میرے خواب حقیقت کا روپ دھار رہے ہیں۔"

میرین سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس نے کچھ پوچھنے کی ضر محسوس نہیں کی۔ الفریڈ کی فون کال سے وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔

گلیلی کے پہاڑی علاقے میں وہ کار سست رفتاری سے لبنانی سرحد کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دھواں دھار بارش کی وجہ سے تیز رفتاری ممکن نہیں تھی اور ڈرائیور بھی کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایموس نے آگے جھک کر میلان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا جو ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ بارش ہمارے لئے اچھی بھی ثابت ہو سکتی ہے اور بدقسمتی کی علامت بھی۔" وہ میلان کو مخاطب کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"بری اس طرح کہ ہمارے آدمیوں کو کیچڑ میں راستہ طے کرنے اور لبنانی ریور عبور کرنے میں خاصی دشواری پیش آئے گی اور اچھی اس لئے کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آسکیں گے۔ ایسے بدترین موسم میں الجہاد کے گوریلے اپنی بیرکوں سے باہر جھانکنا بھی پسند نہیں کریں گے۔"

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو لیکن میں اس مفروضے کو مشن کی بنیاد نہیں بنا سکتا۔" میلان نے ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس وقت وہ متیولا نامی سرحدی گاؤں میں داخل ہو چکے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف ڈھلوان چھتوں والے مکان تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سڑک کے بائیں کنارے اورنج اور نیلے رنگ کی ٹورسٹ بسوں کی ایک لمبی قطار کھڑی تھی۔ ان کی کار ایک کمپاؤنڈ کے گیٹ کے سامنے رُک گئی۔ اسی لمحہ برساتی میں لپٹا ہوا ایک انسانی سایہ تاریکی سے نکل کر کار کے قریب آ گیا۔ اس نے ٹارچ کی تیز روشنی میں میلان اور ایموس کے چہروں کا جائزہ لیا اور ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے ڈرائیور کو آگے جانے کا اشارہ کر دیا۔ کار کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر گودام نما ایک شیڈ کے سامنے رُک گئی جہاں پہلے ہی دو فوجی بسیں ایک جیپ اور ایک ہڈ والی پک اَپ کھڑی تھی جس کی چھت پر وائرلیس کے دو تین انٹینا لگے ہوئے

تھے۔شیڈ کے دروازے کے نیچے روشنی کی ایک باریک سی لکیر کے علاوہ ہر طرف تاریکی تھی۔

سب سے پہلے میلان کار سے اُتر کر شیڈ کے دروازے میں داخل ہوا تھا۔اس نے بھیڑ کھال کا لمبا کوٹ اور اُونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔یہ کوٹ اور ٹوپی اس وقت کی یادگار تھی جب وہ شا ایران کے زوال سے چند روز پہلے ایک خفیہ مشن پر ایران اور روس کی سرحد پر گیا تھا۔اس کے ف بعد ایموس بھی گودام میں داخل ہو گیا تھا۔اس کے جسم پر ہلکا سا رین کوٹ تھا اور وہ سردی سے با قاعدہ کپکپا رہا تھا۔ڈرائیور ڈینی کار ہی میں رُک گیا تھا۔البتہ وہ سٹیئرنگ سے ہٹ کر پچھلی سیٹ آ گیا تھا اور اوور کوٹ اچھی طرح جسم پر لپیٹنے کے بعد سیٹ پر لیٹ گیا تھا۔

شیڈ کے دروازے میں داخل ہوتے ہی میلان متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ لگا۔گودام میں لاتعداد فوجی بھرے ہوئے تھے۔وہ مکمل یونیفارم میں تھے۔ان میں سے بیشتر فر پر لیٹے ہوئے تھے اور ان کے ہتھیار بھی قریب ہی رکھے ہوئے تھے۔ان فوجیوں میں کچھ سو ر تھے اور کچھ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

"اس طرف آیئے سر......!" دروازے کے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک نوجوا لیفٹیننٹ نے ایک اشارہ کیا۔میلان اور ایموس اس کی راہنمائی میں چلتے ہوئے گودام کے پچھ حصے میں آ گئے جہاں ترپال کی پارٹیشن کے پیچھے ایک مختصر سا لیکن مکمل جنگی آپریشن روم موجود تھا دیوار پر جنوبی لبنان کا ایک بہت بڑا نقشہ آویزاں تھا جس پر پلاسٹک کی ٹرانس پیرنٹ شیٹ لگی ہو تھی اور ایک میجر گریے پنسل سے اس پر نشانات لگا رہا تھا۔ایک فولڈنگ میز پر متعدد وائرلیس سیٹ رکھے ہوئے تھے اور ایک نوجوان فوجی آپریٹر فون کے ریسیور پر ہلکی آواز میں کچھ بول رہا تھا۔

میلان نے ٹوپی اُتار کر ہاتھ میں پکڑ لی اور ان فوجی افسروں کے قریب پہنچ گیا جو نقشے ک سامنے کھڑے تھے۔ان میں ہر ایک کے ہاتھ میں کافی کا مگ نظر آ رہا تھا۔ان فوجی افسروں میں چیف آف آرمی سٹاف تراخ بھی شامل تھا جس نے سب سے پہلے مسکراتے ہوئے میلان سے ہاتھ ملایا۔میلان کی طرح وہ بھی چھوٹے قد کا مالک تھا۔اس کے ہاتھ کھردرے اور گرفت خا سخت تھی۔بنیادی طور پر وہ ایک کسان تھا اور ویک اینڈ پر اب بھی تل اواسم میں اپنے فارم پر کھ باڑی کیا کرتا تھا۔فوج میں شامل ہونے کے بعد وہ بڑی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے چیف آف آرمی کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔اسے مشرق وسطیٰ کی جنگ کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔لمبے قد اور چوڑ

انوں والے چیف آف آپریشنز جنرل گراس نے بھی گرم جوشی سے میلان کا استقبال کیا تھا۔ یلان سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ ایک خوبصورت لڑکی کی طرف مڑا جس نے لیفٹیننٹ کی وردی ہن رکھی تھی۔

"مارتھا......! مہمان سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں،انہیں گرم گرم کافی پلاؤ۔"

ڈھیلی ڈھالی وردی میں ملبوس تیسرا فوجی آفیسر بالکل ہی آؤٹ آف پلیس لگ رہا تھا۔وہ دُبلا پتلا کمزور سا آدمی تھا۔آنکھوں پر موٹے عدسوں والی عینک تھی۔اسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ یہ خص جنرل کے عہدے تک کس طرح پہنچا ہو گا لیکن میلان اچھی طرح جانتا تھا کہ آرمی انٹیلی جنس ان کا یہ سربراہ جنرل گرانٹ لومڑی سے بھی زیادہ چالاک تھا۔آرمی انٹیلی جنس اور موساد کی الیسیوں میں تضادات ہونے کے باوجود یہ دونوں گہرے دوست تھے اور کئی مواقع پر مل کر کام کر چکے تھے۔

"تم بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہو میلان......!" جنرل گرانٹ پرسکون لہجے میں بولا۔

"ہماری بس پانچ منٹ میں اپنے مشن پر روانہ ہونے ہی والی ہے۔میں نے اچھی طرح بریفنگ کر دی ہے لیکن بہتر ہو گا کہ تم بھی لیون سے بات کر لو۔وہ اس مشن کا انچارج ہے اور اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔"

"اصل بات لیون کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہیں ہونی چاہئے۔" میلان نے کہا۔

"بالکل......! اسی لئے میں نے اب تک اس معاملے میں لب کشائی نہیں کی۔" جنرل گرانٹ نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔

اسی وقت مارتھا کافی لے آئی۔میلان کے ہاتھ میں مگ تھما کر وہ ہیفز کی طرف دیکھنے لگی۔ ہیفز بھی اس کی طرف دیکھ کر خفیف سے انداز میں مسکرا دیا تھا۔وہ دونوں وہاں سے ہٹ گئے۔ جنرل گرانٹ نے کرنل کی وردی میں ملبوس ایک طویل قامت آدمی کو اشارہ کیا اور وہ دیوار پر آویزاں نقشے کے قریب آ گئے۔ان دو تین سینئر فوجی افسروں کے علاوہ ان کے قریب اور کوئی نہیں تھا۔

"جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہمیں خفیہ طور پر یہ اطلاع ملی تھی کہ الجہاد والے سلامہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے کوئی منصوبہ بنا رہے ہیں۔" میلان نے سرگوشیانہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"لیکن ہم ابھی تک یہ معلوم نہیں کر سکے کہ ان کا منصوبہ کیا ہوگا لیکن اتنا ہمیں اندازہ ہے کہ وہ بہت خطرناک اور اونچے پیمانے پر کوئی کارروائی کرنے والے ہیں۔"

لیون اور ایڈم نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میلان نے ان کی طرف توجہ دیئے بغیر بات جاری رکھی۔

"لیکن ہمیں ہر قیمت پر ان کا یہ منصوبہ ناکام بنانا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اس آپریشن کا انچارج الفریڈ ملر نامی ایک یورپین نوجوان ہے اور غالباً وہ جرمن ہے۔ اس کے بارے میں ابھی تک ہم کچھ نہیں جانتے سوائے اس کے کہ سلامہ کی تدفین کے موقع پر اس نے زرقاوی سے تنہائی میں ایک طویل ملاقات کی تھی۔ ان کی اس ملاقات کے فوراً ہی بعد زرقاوی نے اپنے چیف آف آپریشنز ابوعیاض کو اپنے دفتر میں طلب کر لیا تھا۔ ہماری اطلاع کے مطابق زرقاوی سے ملاقات کے بعد ابوعیاض نے اپنی اس روز کی تمام مصروفیات منسوخ کر دی تھیں حالانکہ اس روز حال ہی میں روس سے ملنے والی 105 ایم ایم فیلڈ گن کی آزمائش کا مظاہرہ دیکھنے والا تھا۔ اس کے برعکس وہ فوراً ہی طائر کے جنوب میں سیدہ کے تربیتی کیمپ کی طرف چلا گیا تھا۔"

"سیدہ وہ کیمپ جہاں رضاکاروں کو تخریب کاری کی تربیت دی جاتی ہے۔" جنرل گرانٹ نے وضاحت کی جبکہ جنرل آئیٹن سینے پر دونوں ہاتھ باندھے خاموش کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔ گراس نے جیب سے ایک سگار نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا۔

"ہمیں سیدہ میں ابوعیاض کی سرگرمیوں کا علم نہیں ہو سکا لیکن اندازہ ہے کہ اس نے وہاں یورپین رضاکاروں سے ملاقات ہوگی کیونکہ ہماری معلومات کے مطابق سیدہ کیمپ میں الجہاد کا کوئی یونٹ نہیں ہے۔ وہاں صرف یورپین رضاکار ہیں۔" میلان نے کہا۔

"لیکن میرے خیال میں وہاں الجہاد کے اعلیٰ تربیت یافتہ گوریلوں کی ایک پوری بٹالین موجود ہے۔" لیون نے مداخلت کی۔

"لیکن وہ صرف رضاکاروں کو تربیت اور تحفظ فراہم کرنے کے لئے ہے۔" میلان بولا۔

"تمہارے خیال میں وہاں غیرملکی رضاکاروں کی تعداد کیا ہوگی......؟" جنرل گراس نے سگار کا سرا چباتے ہوئے پوچھا۔

"بیس اور تیس کے درمیان۔" میلان نے جواب دیا۔

"ان میں چند جرمن، ڈچ، آئرش اور اطالوی مردوں کے علاوہ چار سویڈش لڑکیاں بھی شامل ہیں۔"

"میں نے سنا تھا کہ اس کیمپ میں کچھ جاپانی بھی موجود ہیں۔" جنرل گرانٹ بولا۔

"ان میں جاپانی ریڈ آرمی کے ممبر بھی شامل ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ زرقاوی اس منصوبے میں غیرملکی رضاکاروں ہی کو استعمال کرے گا۔" وہ لیون کی طرف مڑ گیا۔

"اس لئے ہم نے یہ مشن تمہیں سونپا ہے۔ ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ سیدہ کیمپ میں موجود تمام غیرملکی رضاکاروں کو پکڑ کر لایا جائے۔ ان کے علاوہ وہاں کچھ دستاویزات بھی مل سکتی ہیں۔ انہیں نئے غیرملکی رضاکاروں کو جمع کرنے اور انہیں ٹریننگ دینے میں اچھا خاصا وقت درکار ہوگا۔ اس دوران ہم ان کے منصوبے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"اگر زرقاوی کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہم اس کے منصوبے سے کسی حد تک واقف ہو چکے ہیں تو کیا تمہارے خیال میں وہ اس پراجیکٹ کو منسوخ کر دے گا......؟" جنرل گراس نے پوچھا۔

"ہاں......! اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔" میلان نے کہا۔

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ......" کرنل لیون نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ہم ان غیرملکی رضاکاروں کو گرفتار کرنے کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول کیوں لیں۔ یہ آپریشن خاصا پیچیدہ ہے اور اس میں ہمارے کچھ آدمی بھی مارے جا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس کیوں نہ کیمپ پر بمباری کر کے ان سب کو وہیں ختم کر دیا جائے۔ پچیس تیس قیدیوں کو ہانک کر لانا کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔ میرے خیال میں تو یہ منصوبہ ہی احمقانہ ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو......؟ یہ غیرملکی رضاکار ہمارے لئے الجہاد کے چھاپہ ماروں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ انہیں وہیں ختم کر دیا جانا بہتر ہوگا۔ بشرطیکہ حالات مختلف ہوتے لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ میں ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میلان بولا۔

"تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ایک دو کو پکڑ کر باقی سب کو وہیں ختم کر دیا جائے......؟"

"تمہاری باتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تم اس قسم کے انڈر کور کاموں کی اہمیت سے بھی واقف نہیں ہو۔" میلان نے کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہر آپریشن میں ہر قسم کا رول الگ الگ ہوتا ہے۔ ہر شخص صرف اپنے ہی کام کے بارے

میں جانتا ہے۔ کسی ایک شخص سے پورے مشن کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کی جاسکتیں بہرحال...... میں تم سے بحث نہیں کرچاہتا۔ تمہیں تمہارے کام کے بارے میں ہدایات دی جا ہیں، تمہیں ان ہدایات پر عمل کرنا ہے۔'' کرنل لیون کا چہرہ یکدم سرخ ہوگیا۔ لیکن اس سے پہلے وہ کوئی جواب دے سکتا، جنرل آئیٹن بول اُٹھا۔ اس کا لہجہ بہت دھیما اور متاثر کن تھا۔

''لیون......! تم جانتے ہو کہ قیدیوں کو پیدل ہانکتے ہوئے نہیں لایا جائے گا۔ تم لوگوں واپسی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ہوگی۔'' وہ میلان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میرا تو خیال تھا کہ دونوں طرف کے لئے ہیلی کاپٹر استعمال کئے جاتے لیکن تم بضد کیمپ پر اچانک ہی حملہ آور ہوا جائے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ معاملہ انتہائی رازداری میں رہے۔ لئے ہم اپنے آدمیوں کو ٹورسٹ بسوں کے ذریعے یہاں تک لائے ہیں اور آگے کا راستہ پیدل طے ہوگا۔ ہم نے ان کے ریڈیو پیغامات بھی چیک کئے ہیں۔ انہیں ابھی تک اس کارروائی بارے میں کی قسم کا شبہ نہیں ہوسکا۔ پھر بھی کیمپ کی طرف سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے ہم گن بوٹس اور نیوی کے کمانڈوز کے ذریعے طائر اور رابعہ کے ساحلی کیمپوں پر حملہ کے پروگ بنائے ہیں۔ یہ کارروائی ایک گھنٹے بعد شروع ہوجائے گی۔'' وہ کرنل لیون کی طرف مڑ گیا۔

''لیون......! تم میلان کو بتاؤ کہ اپنی منزل تک کس طرح پہنچو گے۔''

کرنل لیون کا چہرہ برہمی کے باعث اب بھی سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے میجر کے ہاتھ چھڑی لے لی۔

''ہم اس وقت یہاں ہیں۔'' وہ چھڑی کی نوک سے نقشے پر ایک جگہ اشارہ کرتے ہو بولا۔

''ہم عیسائی آبادی کے اُوپر سے ہوتے ہوئے اس راستے پر آگے بڑھیں گے۔''

چھڑی کی نوک شمال مغرب کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے تیر کے سرخ نشان پر پھسلنے لگی

''یہ ہمارے لئے آسان ترین راستہ ہے۔ عیسائی آبادی کو ہمارے بارے میں مطلع کر گیا ہے اور وہ لوگ ہمارے راستے میں کوئی دشواری پیدا نہیں کریں گے اور اس کے بعد......''

چھڑی کی نوک ایک پر پیچ پہاڑی راستے کی نشاندہی کرنے لگی۔

''ہمیں وہ پٹی عبور کرنا ہوگی جو اقوام متحدہ کے کنٹرول میں ہے۔ ہم اس مقام سے گزر

گے جہاں آئرش اور پولینڈ کے دستے متعین ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ وہ جنگ سے پہلے ہی خوفزدہ ہیں اور اپنے آپ کو ہر قسم کی لڑائی سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس جگہ سے ہم دریائے لبنان عبور کریں گے۔''

چھڑی کی نوک نقشے پر نیلے رنگ کی ایک باریک سی لکیر پر رُک گئی۔ اسی لمحے بادلوں کی گرج اور بجلی کے کڑاکے کی آواز سنائی دی اور بارش میں تیزی آگئی۔ گودام کی ٹین کی چھت پر بارش کی آوازیں یوں سنائی دے رہی تھی جیسے پتھر برس رہے ہوں۔

''دریا عبور کرنے کے بعد......''

کرنل لیون نے باری باری ان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''کیمپ تک پہنچنے کے لئے ہمیں چار میل کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ یہ ہمارے مشن کا کٹھن ترین مرحلہ ہوگا کیونکہ یہ علاقہ عملی طور پر الجہاد کے زیرنگیں ہے۔ سول آبادی کئی ماہ پہلے محفوظ مقامات کی طرف منتقل ہوچکی ہے۔''

اس نے خاموش ہوکر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی پھر بات جاری رکھی۔

''ہم زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں اس جگہ پہنچ جائیں گے، جس کا مطلب ہے کہ پو پھٹنے سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے ہم اپنی کارروائی شروع کردیں گے۔''

چھڑی نقشے پر پینسل سے بنے ہوئے ایک سرخ مثلث پر رُک گئی۔

''یہ سیدہ ہے...... ہم دو ایڈوانس پارٹیاں روانہ کرچکے ہیں جو مختلف جگہوں پر گھات لگائے بیٹھی ہوں گی۔ ہم کیمپ پر شمال اور مغرب کی طرف سے بیک وقت حملہ کریں گے۔''

چھڑی کی نوک نے دو مختلف مقامات کی نشاندہی کی۔

''ہم نے اس آپریشن کی تکمیل کے لئے سترہ منٹ کا وقت رکھا ہے۔ میرے آدمی کل صبح سے اس کارروائی کی ریہرسل کرتے رہے ہیں۔ ٹھیک سترہ منٹ بعد یہ کارروائی ختم ہوجائے گی اور اس لمحہ ہیلی کاپٹر کیمپ کے میدان میں لینڈ کریں گے۔''

''شکریہ......!'' کرنل لیون کی خاموش ہونے پر میلان نے لب کشائی کی۔ اس نے کرنل کی تعریف کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ویسے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کرنل لیون اسرائیلی چھاپہ مار دستوں میں بہترین فائیٹر سمجھا جاتا ہے۔ اسے نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ اپنے آدمیوں پر بھی مکمل

اعتماد تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں ہمیشہ کامیاب رہا تھا۔

جنرل آئیٹن نے گھڑی کی طرف دیکھا، دو بج کر تین منٹ ہو چکے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو روانہ ہو جانا چاہئے۔" اس نے کرنل لیون کو اشارہ کیا۔

کرنل لیون نے ترپال کا پردہ ہٹا کر تالی بجاتے ہوئے اپنے آدمیوں کو تیار ہونے کا اشا کیا۔ تمام فوجی فوراً ہی تیار ہو گئے۔ سرخ بالوں والے ایک دیو قامت فوجی نے بھاری مشین گ اپنی پشت پر لاد لی، دو ڈاکٹر بھی فولڈنگ سٹریچر سنبھالے تیار ہو چکے تھے اور پھر دو منٹ کے اندر ا گودام نما وہ شیڈ خالی ہو گیا۔

"کیا تم واپس جاؤ گے میلان......؟" جنرل آئیٹن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طر دیکھا۔

"نہیں......! میں یہیں رُک کر ان کی واپسی کا انتظار کروں گا۔" میلان نے جواب دیا۔

اس کی نظریں اب بھی نقشے پر جمی ہوئی تھیں۔

میلان کے لئے وہیں فولڈنگ بیڈ ڈال دیا گیا۔ وہ بیڈ پر لیٹا یہی سوچتا رہا کہ طرنے سلا کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے کیا منصوبہ بنایا ہوگا۔ لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سویا ہوگا۔ پھر جنرل گراس کے جھنجھوڑنے پر اس کی آنکھ کھل گئی۔

"میلان......! اُٹھو......! وہ لوگ واپس آ رہے ہیں۔"

میلان جلدی سے اُٹھ کر اوورکوٹ پہننے لگا اور پھر وائرلیس سیٹ کے سامنے بیٹھے ہو نوجوان آپریٹر کی طرف دیکھتے ہوئے جنرل گراس کے ساتھ دروازے سے باہر نکل آیا۔ اس ن دیکھا کہ ہیفو اور مارتھا پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ بارش سے بچنے کے لئے وہ عمارت کے آگے ک نکلے ہوئے ٹین کے سائبان کے نیچے کھڑے تھے۔ بارش ہلکی ہو چکی تھی اور اُفق پر سرمئی سا اُجا نمودار ہو رہا تھا۔

کمپاؤنڈ کے وسط میں دو فوجی ہیلی کاپٹروں کو سگنل دینے کے لئے فلیئر روشن کر رہے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ہی تاریک پہاڑیوں کے عقب سے ایک ہیلی کاپٹر نمودار ہوا جو کچھ دیر بعد کمپاؤنڈ میں لینڈ کر گیا۔ سب سے پہلے کرنل لیون ہیلی کاپٹر سے اُترا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی پیکٹ تھا جے

سے بڑی عجلت میں کاغذ میں لپیٹا گیا تھا۔ اس نے ہیلی کاپٹر کے دروازے کی طرف منہ کر کے اپنی میوں سے کچھ کہا اور پھر تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے میلان اور جنرل گراس کی طرف بڑھنے لگا۔ کے چہرے پر اب بھی برہمی کے تاثرات موجود تھے اور وہ ناگوار سی نگاہوں سے میلان کی رف دیکھ رہا تھا۔

"یہ لو......!" وہ پیکٹ میلان کی طرف بڑھاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"سیدہ کے غیر ملکی رضا کار چوبیس گھنٹے پہلے ہی کیمپ خالی کر کے کہیں اور جا چکے تھے۔ ان غذوں کے سوا ہمیں وہاں سے کچھ نہیں ملا۔"

"لیکن الجہاد کے چھاپہ ماروں کی بٹالین ہمارے استقبال کو وہاں موجود تھی۔"

کرنل لیون کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔ اس نے مڑ کر ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا۔ فوجی ٹریچر نیچے اُتار رہے تھے۔ دونوں سٹریچر کمبلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"تمہارے ردی کاغذوں کے اس پلندے کے لئے ہمیں دو آدمیوں کی قربانی دینی پڑی ہے۔ اگر ہیلی کاپٹر وقت پر وہاں نہ پہنچ جاتے تو شاید ہم میں سے کوئی بھی تمہیں اپنی داستان سنانے لئے یہاں نہ آ سکتا۔ لعنت ہے ایسی منصوبہ بندی پر۔"

کرنل لیون ایک پتھر کو ٹھوکر مارتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف چل دیا۔

گورڈن، میرین کو بستر پر سوتا چھوڑ کر فلیٹ سے نکل گیا تھا۔ ابھی صبح کا اُجالا پوری نہیں پھیلا تھا۔ پیرس کی فضا دُھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ گورڈن ہمیشہ ایسے موسم میں شہر کی س سڑکوں پر سیر سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا لیکن آج وہ سیر کے لئے نہیں نکلا تھا۔ اپنی رینالٹ بیٹھتے ہوئے وہ میرین کے بارے میں سوچتا رہا۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ میرین کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا ک پہلے جب میرین سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی تو پہلی ہی نظر میں وہ اس کے حسن کا گ ہو گیا تھا۔ یہ انکشاف تقریباً دو ہفتے بعد ہوا تھا کہ میرین، پیٹرک کی سوتیلی بہن تھی۔ بے ت لباس، آنکھوں پر موٹے عدسوں کا چشمہ اور بے ترتیب داڑھی، یہ تھا پیٹرک کا حلیہ جس سے گ کی ملاقات، میرین کی ملاقات سے تقریباً دو ہفتے پہلے ہوئی تھی۔ پیٹرک آئی آر اے کا سرگر تھا لیکن بلفاسٹ میں برطانوی فوج سے ایک خونریز جھڑپ کے بعد اسے آئرلینڈ سے فرا پیرس آنا پڑا تھا اور یہاں بھی اس نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی تھیں۔ گورڈن بھی ان کے گر شامل ہونا چاہتا تھا لیکن پیٹرک اس معاملے میں اسے شروع ہی سے نظر انداز کرتا آ رہا تھا گزشتہ رات الفریڈ کی فون کال نے اس کا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا تھا۔ سنسان سڑکوں پ دوڑاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ الفریڈ یقیناً اس سے کوئی اہم کام لینے والا ہے۔

گارڈی لیون کے زیرِ زمین ریلوے سٹیشن کے گیٹ پر بے پناہ ہجوم تھا۔ شہر انگڑائی بیدار ہو رہا تھا۔ نواحی علاقوں کی لوکل ٹرینوں کے علاوہ مارسیل اور ریویرا کی ایکسپریس ٹرین آ چکی تھیں اور تمام مسافر بیک وقت گیٹ سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بعض مسافر سٹ آنے سے پہلے ایک کپ کافی پینے کے لئے سٹیشن کے کیفے کا رُخ کر رہے تھے۔

گورڈن شیشے کا دروازہ کھول کر جیسے ہی کیفے میں داخل ہوا، اس کی نظریں دروازے کے ریب ہی میز پر بیٹھی ہوئی ایک تنہا لڑکی کی طرف اُٹھ گئیں۔ میز کے قریب ہی ایک پرانا سا سوٹ یس بھی پڑا ہوا تھا جسے بند رکھنے کے لئے چمڑے کا بیلٹ لپٹا ہوا تھا۔ لڑکی کے چہرے پر پریشانی ر گھبراہٹ کے تاثرات نمایاں تھے اور وہ اُنگلیوں سے میز پر رکھے ہوئے کافی کے خالی کپ سے ھیل رہی تھی۔ اس عمل میں غالباً اس کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ خاصی حسین تھی لیکن اس ے جسم پر نہایت سستا اور پرانے فیشن کا لباس تھا۔ گورڈن کو اندازہ لگانے میں دُشواری پیش ہیں آئی کہ وہ کوئی دیہاتی لڑکی تھی جو غالباً گھر سے بھاگ کر آئی تھی لیکن شہر میں قدم رکھنے سے ہلے وہ یہاں کی صورتِ حال دیکھ کر بدحواس ہو گئی اور شاید یہ سوچ رہی تھی کہ یہاں اس جیسی سیدھی ادھی اور گنوار لڑکی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ لمبے قد اور گہری رنگت کا ایک آدمی جو دُور ھڑا گہری نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا، نپے تُلے قدم اُٹھاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ س آدمی کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے ایک بار پھر ٹٹولتی ہوئی سی نظروں سے کی کی طرف دیکھا اور اس میز پر بیٹھنے کی اجازت طلب کی۔ لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دمی نے مسکرا کر لڑکی کی طرف دیکھا پھر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر لڑکی کی طرف بڑھا یا۔ لڑکی نے ایک سگریٹ کھینچ کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ آدمی نے فوراً ہی لائٹر جلا کر آگے بڑھا دیا۔

گورڈن اس قسم کے آدمیوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اس سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس ے ہمدردی جتاتے ہوئے اسے رہائش کے لئے جگہ کی پیش کش کے ساتھ ملازمت دلانے کا وعدہ کرے گا۔ لڑکی اسے اپنا ہمدرد سمجھ کر اس کے ساتھ چل دے گی۔ وہ شخص اسے نشے کا عادی بنائے گا اور ایک دو ہفتوں بعد جب لڑکی پوری طرح سے اس کے چنگل میں پھنس جائے گی تو وہ اسے بیگال کے پیچھے ان تاریک گلیوں کی زینت بنا دے گا جہاں لاتعداد طوائفیں گاہکوں کی تلاش میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ گورڈن کو اس لڑکی پر ترس آنے لگا مگر وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پیرس کے ریلوے سٹیشن پر ہر روز اس طرح کا کوئی نہ کوئی کھیل کھیلا جاتا تھا۔

الفریڈطر دیوار کے قریب کونے والی میز پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ کیفے کا ریلوے پلیٹ فارم اور بلے وارڈ ڈیڈروٹ کی طرف کھلنے والے دروازے اس کی نگاہوں میں تھے۔ اس کے تقریباً پانچ گز بائیں طرف کچن کا دروازہ تھا۔ متعدد ویٹر گاہکوں کے آرڈر پورے کرنے کے لئے

بڑی عجلت میں اس دروازے سے آ جا رہے تھے۔ گورڈن ہجوم میں راستہ بناتا ہوا اس کی ط بڑھنے لگا۔ گورڈن کو اچھی طرح یاد تھا کہ ایک مرتبہ پیٹرک نے اسے جاسوسی کی ٹیکنیک سمجھا کوشش کی تھی۔

"ملاقات ہمیشہ پُرہجوم جگہوں پر ہونی چاہئے۔ کیفے، ریلوے سٹیشن اور ریستورا مقصد کے لئے بہترین جگہیں ثابت ہوتی ہیں۔ بیٹھنے کے لئے ہمیشہ دیوار کے ساتھ والی منتخب کرنی چاہئے تاکہ نہ صرف پشت کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہ رہے بلکہ آمدورفت کے ر بھی نظروں میں رہیں۔ فرار کے راستوں کا انتخاب پہلے ہی سے کرنا چاہئے۔ ٹائلٹ، ر انٹرنس اور کچن وغیرہ اس مقصد کے لئے بہترین ثابت ہو سکتے ہیں۔"

گورڈن کے ہونٹوں پر خفیف سے مسکراہٹ آ گئی۔ الفریڈ نے غالباً ان سب باتوں کا رکھا تھا۔

الفریڈ کے سامنے کافی کا کپ رکھا ہوا تھا جسے غالباً ابھی تک چھوا نہیں گیا تھا۔ اس دونوں ہاتھ میز پر تھے اور آنکھیں عینک کے تاریک شیشوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔ اس پر حسب معمول سیاہ لباس تھا۔ گورڈن کو یقین تھا کہ الفریڈ کے لباس میں کہیں نہ کہیں کوئی ری پستول ضرور پوشیدہ ہوگا کیونکہ کیفے کے ہال میں گرمی کے باوجود اس نے کوٹ پہن رکھا تھا۔

"ہیلو الفریڈ......!"

گورڈن اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ جواب میں الفریڈ نے محض سر ہلا دیا تھا۔ ہاتھ م کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ گورڈن نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے قریب سے گزرنے و ویٹر کو روک کر اپنے لئے کافی کا آرڈر دے دیا۔

"آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔" الفریڈ نے ہلکی آواز میں کہا لیکن اس کے لہجے میں کاٹ تھی کہ گورڈن اپنے آپ میں سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"اب یہ ویٹر تمہارا چہرہ یاد رکھے گا۔ تمہاری طرف سے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں ہونی چ کہ دوسرے تمہاری طرف متوجہ ہو سکیں۔"

گورڈن سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ پہلی مرتبہ اکیلے میں الفریڈ سے ملا تھا اور الفریڈ کا تنبیہی اسے پسند نہیں آیا تھا۔ اسے پہلے مرتبہ اندازہ ہوا تھا کہ الفریڈ، پیٹرک سے بالکل مختلف تھا۔ د

ر چہ بے رحم اور سنگدل تھا لیکن اس میں بہرحال کسی حد تک انسانیت تھی۔ جبکہ الفریڈ بھیڑیے کی طرت کا مالک تھا۔ سرد مزاج اور اپنے ہی خول میں رہنے والا...... اس کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھا......؟ کہاں سے آیا تھا......؟ اور ماضی میں اس کی سرگرمیاں کیا تھیں......؟ وہ کئی کئی ہفتوں کے لئے غائب ہو جاتا اور پھر اچانک ہی گروہ کی کسی میٹنگ میں سامنے آ جاتا لیکن گورڈن یہ بھی جانتا تھا کہ اس گروہ میں احکامات اسی کے چلتے تھے اور پیٹرک بھی س کا احترام کرتا تھا۔ پیٹرک بھی اس کی ذہانت کا معترف تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ منصوبہ بندی میں لفریڈ کا کوئی ثانی نہیں۔ گورڈن کے خیال میں کسی انقلاب کے لئے ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت وتی ہے۔

"تم ہماری پارٹی میں شامل ہونا چاہتے ہو گورڈن......!" الفریڈ نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"میں نے تمہارے لئے ایک کام نکالا ہے لیکن اس مشن میں تم اکیلے نہیں ہو گے...... کچھ ور آدمی بھی تمہیں سپورٹ کریں گے۔ لیکن تمہاری ملاقات ان میں چند ایک ہی سے ہوگی، باقی س پردہ رہیں گے۔ اس مشن کے لئے تمہیں فرانس سے باہر جانا ہوگا۔ روانگی سے پہلے ہماری یک اور ملاقات ہوگی جس میں تمہیں بریفنگ کر دی جائے گی لیکن منصوبے کی بعض اہم باتیں میں تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں۔"

الفریڈ نے خاموش ہو کر جھکا ہوا سر اُوپر اُٹھایا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ آپریشن جس کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے، یروشلم میں پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔"

"کیا......؟" گورڈن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

"کیا تم مجھے میرے ہی لوگوں کے خلاف......؟"

"آہستہ بولو......!" الفریڈ کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس نے اپنا ہاتھ گورڈن کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"میں نے ابھی بات پوری نہیں کی۔"

اس نے گورڈن کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"میں تمہیں تمہارے لوگوں کے خلاف استعمال نہیں کر رہا۔ ایک بات ذہن نشین رکھو کہ ہمارا یہ آپریشن بالکل پُرامن ہوگا۔ کوئی گولی نہیں چلے گی...... کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا...... میری بات

سمجھ رہے ہوناں......؟"

گورڈن نے اپنا ہاتھ پیچھے لیا اور الفریڈ کے چہرے کو گھورنے لگا۔

"میں جانتا ہوں تم یہودی ہو...... میں تمہارے عقیدے اور اپنے لوگوں سے تمہارے کا احترام کرتا ہوں۔ میں تمہیں اسرائیل یا یہودیوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کبھی کروں گا۔ اس معاملہ میں تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا ہوگا۔"

گورڈن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ الفریڈ نے بات جاری رکھی۔

"لیکن تم میری اس رائے سے اتفاق کرو گے کہ اسرائیل ان دنوں سامراجی پالیسی گامزن ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اسرائیل نے یروشلم پر طاقت کے بل بوتے پر قبضہ کر ہے اور وہ فلسطین کو آزادی دینے کے حق میں نہیں ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ لاکھوں اعتدال یہودی اسرائیل کی اس پالیسی کے خلاف ہیں۔"

"ہاں......! لیکن پی ایل او......"

"پی ایل او جنونیوں اور قاتلوں کا ٹولہ ہے جبکہ ہم فریڈم فائٹر ہیں اور تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے۔"

جواب میں گورڈن نے بہرحال یہ اعتراف کرلیا کہ پی ایل او اور فریڈم فائٹرز میں بنیادی فرق موجود تھا۔

"تم یہ تو مانتے ہو کہ تمام فلسطینی جنونی نہیں ہیں اور تم اس بات سے بھی انکار نہیں کرو گے انہیں بھی رہنے کے لئے ایک ایسی سرزمین چاہئے جسے وہ اپنا وطن کہہ سکیں۔"

"ہاں......!" گورڈن نے اعتراف کیا۔

"یہودی کسی کی اس ضرورت سے انکار نہیں کرسکتے جس سے وہ خود صدیوں تک محروم ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا۔" الفریڈ کے ہونٹوں پر خفیف سے مسکراہٹ آ گئی۔

"یہودیوں اور فلسطینیوں نے اپنے اپنے کاز کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں...... بڑا بہا ہے ان کا...... اس لئے میں مشرق وسطیٰ میں مزید خون ریزی کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کے لئے جنوبی امریکہ اور آئرلینڈ جیسے ممالک کا تو انتخاب کیا جاسکتا ہے لیکن اسرائیل کا نہیں......

ہم تو پہلے ہی ادھ موئی ہو رہی ہے۔"

گورڈن کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ اس گفتگو سے الفریڈ کے بارے میں اس کے تاثرات ایک دم بدل گئے تھے۔ اب وہ پہلے کی طرح بے رحم اور درندہ فطرت کا مالک نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے رکھا ہوا کافی کا کپ اٹھا لیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ ہم خون ریزی کے بغیر بھی اپنا مقصد پا سکتے ہیں اور یہ دنیا کے لئے ایک مثال ہوگی۔"

الفریڈ نے کہتے ہوئے عینک اتاری، اسے ٹشو پیپر سے صاف کیا اور دوبارہ ناک پر جمالی۔ گورڈن اس کی آنکھوں کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا جن میں اسے ہلکی سی زردی نظر آئی تھی۔

"ہم ایک لاکھ فلسطینیوں کے ساتھ یروشلم میں ایک پُرامن مارچ کے مظاہرے کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں۔" الفریڈ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے جملہ مکمل کردیا۔

گورڈن دیر تک کچھ نہیں بولا اور جب الفریڈ کی بات کا مفہوم اس کی سمجھ میں آیا تو وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

"ایک لاکھ فلسطینی...... اس ہجوم میں اگر کسی نے کوئی شرارت کردی یا پولیس سے تصادم ہوگیا تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

"اگر مظاہرے کے انتظامات پر کڑی گرفت رکھی جائے تو ایسا نہیں ہوگا۔" الفریڈ کا لہجہ پرسکون تھا۔

"اور اگر اس مارچ کی قیادت عورتیں اور کمسن بچے کر رہے ہوں تو مجھے یقین ہے کہ نہ تو مظاہرین میں سے کوئی شخص گڑبڑ کی کوشش کرے گا اور نہ ہی پولیس کوئی حماقت کرے گی۔ ہم اس بات کا بھی خیال رکھیں گے کہ مظاہرین میں سے کسی کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہ ہو۔"

گورڈن کن اکھیوں سے دروازے کے قریب والی میز پر بیٹھی ہوئی اس دیہاتی لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا جو کرسی چھوڑ کر اپنا لباس درست کر رہی تھی اور اسے سبز باغ دکھانے والے شخص نے اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا تھا۔ چند سیکنڈ بعد وہ دونوں کیفے سے جا چکے تھے۔ اب کیفے میں لوگوں کی تعداد ویسے بھی کم ہوگئی تھی۔ کچھ دیر پہلے جہاں مچھلی مارکیٹ کا سماں تھا وہاں اب قدرے سکون تھا۔ الفریڈ نے ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ دھواں اگلتے ہی ایک ناگوار سی بو گورڈن کے

تھنوں سے ٹکرائی۔

''یہ کیا ہے......؟ میرا مطلب ہے کیسا سگریٹ ہے یہ......؟'' گورڈن نے سوالیہ نگاہ
سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ دراصل شاہ بلوط کا پتا ہے۔'' الفریڈ نے ایک اور کش لیتے ہوئے کہا۔

''بہر حال......! تم نے کیا فیصلہ کیا ہے گورڈن......؟''

''میرا خیال ہے یہ بہت ہی زبردست منصوبہ ہوگا۔'' گورڈن بولا۔

اس سے دُنیا کو یہ تاثر ملے گا کہ فلسطینی واقعی آزادی چاہتے ہیں اور دہشت گروں سے ا
کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ۔'' الفریڈ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''فلسطینیوں کا یہ مظاہرہ دراصل پی ایل او، بلیک ستمبر...... خصوصاً زرقاوی کے لئے ا
کاری ضرب ثابت ہوگا۔ اس سے یہ تاثر ملے گا کہ فلسطینی خون ریزی نہیں، آزادی اور بھائی
چاہتے ہیں۔ اس طرح زرقاوی اور پی ایل او کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''بات تو کچھ سمجھ میں آتی ہے۔'' گورڈن نے سر ہلایا۔

''تو پھر تم تیار ہو......؟'' الفریڈ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''ہاں بالکل......! مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔'' گورڈن نے آمادگی ظاہر کر دی۔

''گڈ......! ایسی صورت میں تمہیں اس پروجیکٹ کے بارے میں مزید تفصیلات بتا
چاہتا ہوں۔'' الفریڈ قدرے آگے جھک کر کہنے لگا۔

''جیسا کہ تم نے خود کہا ہے کہ یہ بہت زبردست منصوبہ ہوگا، اس کے لئے ہمیں نہایت
طور پر یروشلم میں ایک آرگنائزیشن بنانی ہوگی۔ یروشلم میں ہمارے کچھ آدمی پہلے ہی سے م
ہیں اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان میں کچھ اسرائیلی بھی شامل ہیں۔''

''لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک لاکھ آدمیوں میں سیکریسی کیسے رہ سکتی ہے......؟'' گورڈن
کہا۔

''مظاہرین میں سے کسی کو پہلے علم نہیں ہوگا کہ ہمارا منصوبہ کیا ہے......؟'' الفریڈ نے کہ
''ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ویسٹ بینک پر لوگ جمعہ کی نماز پڑھ کر جب مساجد سے نکلیں

ہمارے چند نوجوان پرجوش تقریروں کے ذریعے انہیں جلوس میں شامل ہونے پر آمادہ کر لیں گے۔
اس طرح یہ جلوس یروشلم کی طرف مارچ کرے گا۔''

''لیکن مجھے کیا کرنا ہوگا......؟'' گورڈن نے پوچھا۔

''تمہیں پہلی فرصت میں یروشلم روانہ ہو جانا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو اگلے ہی ہفتے چلے جاؤ۔''

''میرا کوڈ کیا ہوگا......؟'' گورڈن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یہ سوچ کر
ہی اپنے آپ میں سنسنی کی لہر محسوس کرنے لگا تھا کہ دُنیا کے نامور جاسوسوں کی طرح وہ بھی جعلی
کاغذات کے سہارے ہر شخص کی آنکھوں میں دُھول جھونکتا ہوا کسی دوسرے ملک میں داخل ہوگا۔

''کوئی کوڈ نہیں ہوگا۔'' الفریڈ نے جواب دیا۔

''تمہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ تم ایک امریکی یہودی گورڈن ہی کی حیثیت سے
اسرائیل میں داخل ہو گے۔ تم ظاہر کرو گے کہ چند ہفتوں کے لئے وہاں آئے ہو لیکن ممکن ہے
ہمیشہ ہی کے لئے وہاں رہ جاؤ۔ تمہیں وہاں دو کام کرنا ہوں گے۔ پہلا تو یہ کہ ایک انتہا پسند قوم
پرست یہودی کی حیثیت سے رابی کاہان کی تنظیم میں شامل ہونے کی کوشش کرو گے۔''

''کیوں......؟'' گورڈن نے سوال کیا۔ وہ جانتا تھا کہ کاہان دائیں بازو سے تعلق رکھنے والا
ایک انتہا پسند یہودی تھا۔ وہ دراصل نیویارک کا رہنے والا تھا جس نے یہودی تنظیم بنائی تھی لیکن
امریکی پولیس سے متعدد خون ریز جھڑپوں کے بعد امریکہ سے فرار ہو کر اسرائیل آ گیا تھا۔ یہاں
بھی اس نے وہی سرگرمیاں شروع کر دیں اور انتہا پسند یہودیوں کی ایک چھوٹی سی تنظیم بنانے میں
کامیاب ہو گیا۔

''سوال کرنے کی بجائے میری باتیں غور سے سنتے رہو...... میں تمہیں یہی سب کچھ بتانے
جا رہا ہوں۔'' الفریڈ کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''کاہان کی یہ تنظیم نیویارک کی یہودی ڈیفنس لیگ سے بہت مختلف ہے۔ یہ لوگ تخریب اور
دہشت گردی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ فلسطینیوں
کے پُرامن جلوس میں گڑبڑ پھیلا کر اسے خونی تصادم میں بدلنے کی کوشش کریں۔ اس لئے ہمارا
ایک آدمی اس تنظیم میں موجود ہونا چاہئے جو ہمیں ان کے ارادوں سے بروقت آگاہ کر سکے۔''

''اور دوسرا کام......؟'' گورڈن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں پرانے شہر کے عرب آبادی والے علاقے میں ایک کمرہ کرایے پر لینا ہے۔ دراصل ہمیں یروشلم کے مختلف علاقوں میں آبزرویشن اور کنٹرول پوسٹیں قائم کرنے کے لئے کمروں کی ضرورت ہوگی اور......''

''ایک منٹ......!'' گورڈن نے اسے ٹوک دیا۔

''میں اس علاقے میں کمرے کیسے حاصل کرسکوں گا۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی عرب کسی یہودی کو اپنا مکان کرایے پر دینے کو تیار نہ ہوگا۔''

''اس معاملے میں تمہیں کوئی دُشواری پیش نہیں آئے گی۔'' الفریڈ نے آستین چڑھا کر گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''مشرقی یروشلم کا رہنے والا ہمارا ایک عرب دوست تم سے رابطہ قائم کرکے تمہارا یہ مسئلہ حل کردے گا۔''

''ٹھیک ہے......! ایسی صورت میں مجھے واقعی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' گورڈن بولا۔

''اب تم جاؤ......! کافی کا بل میں ادا کردوں گا......اور اب اپنے طور پر مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرنا......ضرورت ہوئی تو میں خود ہی تمہیں فون کرلوں گا۔'' الفریڈ نے کہا۔

''بائی داوے......!'' گورڈن کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

''پیٹرک اور میرین سے اگر اس پروگرام کا ذکر کروں تو کوئی حرج تو نہ ہوگا......؟''

''بالکل نہیں......!'' الفریڈ کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

''اس سلسلے میں تم کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہو گے......سمجھے......!''

''لیکن پیٹرک اور میرین کوئی الگ تو نہیں ہیں۔'' گورڈن کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''وہ تو تمہارے قریبی دوست ہیں۔''

''میں نے کہا ہے کہ کسی کے سامنے تمہارے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلے گا۔ تم اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھو گے۔'' الفریڈ نے غصے میں سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''کسی کو بھی ہماری گفتگو کا علم نہیں ہونا چاہئے۔''

''میرا خیال تھا کہ تم ہمیشہ پیٹرک کے ساتھ مل کر کام کرتے ہو۔'' گورڈن اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

''یہ معاملہ تم اس سے پوشیدہ کیوں رکھنا چاہتے ہو......؟''

''پیٹرک اس آپریشن میں شامل نہیں ہوگا۔'' الفریڈ کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ گورڈن نے اس سے پہلے الفریڈ کو کبھی اس طرح غیض وغضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

''نہ پیٹرک کو معلوم ہونا چاہئے نہ میرین کو اور نہ......''

الفریڈ نے آخری نام مکمل نہیں کیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ میز پر ٹکا دیئے اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

''مجھے افسوس ہے......!'' اس مرتبہ اس کا لہجہ پرسکون تھا۔

''تمہیں جیسا کہا گیا ہے وہی کرو......اب تم جاسکتے ہو۔''

▪ ▪ ▪

کیوالئی اپنے مختصر سے دفتر میں ہیٹر کے سامنے بیٹھا سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اگرچہ نیچے اُوپر کئی گرم کپڑے پہن رکھے تھے اور ہیٹر بھی جل رہا تھا مگر اس کے باوجود سردی اس کی ہڈیوں کے گودے تک میں اُتری جارہی تھی۔ پھر دفعتہً اسے کھانسی کا دورہ اُٹھا اور وہ بڑی مشکل سے اپنے سانس پر قابو پاسکا۔ اس کے خیال میں یا تو سردی میں ہر سال اضافہ ہورہا تھا یا وہ واقعی بوڑھا ہوگیا تھا۔

کیوالئی سوچ رہا تھا کہ اسے ساٹھویں سالگرہ پر ہی عملی زندگی سے ریٹائر ہو جانا چاہئے تھا لیکن کباڑ خانے کا کاروبار خاصا منافع بخش ثابت ہورہا تھا۔ اس نے ایک ورکشاپ بھی بنا رکھا تھا جہاں کباڑ میں خریدی ہوئی مختلف گاڑیوں کے کل پرزے جوڑ کر قابل استعمال گاڑیاں تیار کی جاتی تھیں جو اچھے داموں فروخت بھی ہو جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کا نائٹ بزنس بھی ترقی پر تھا۔ اس وجہ سے اس کا ریٹائر ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مزید براں، اس کا اکلوتا بیٹا ایملی ہیروئن کی سمگلنگ کے جرم میں سزا بھگت رہا تھا۔ اسے بیٹے کی رہائی کا انتظار تھا۔ اس نے اس کو کئی مرتبہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ایسے کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے جن میں خطرات زیادہ ہوں لیکن ایملی نے کبھی اس کی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس کا اپنا کاروبار منشیات کے کاروبار کی طرح زیادہ منافع بخش نہیں تھا لیکن اس میں خطرہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ علاوہ بریں وہ کبھی کبھار پولیس کے لئے مخبری کرتا رہتا تھا اور

پولیس والے بھی اس کے کاروبار سے چشم پوشی کر جاتے تھے۔ کیوالئی کو اچھی طرح یاد تھا کہ کچھ سال پہلے جب پہلی مرتبہ اس نے ایک جرمن گینگسٹر کے ہاتھ پہلا پستول بیچا تھا تو اس کی شہ جنگل کی آگ کی طرح زیرِ زمین دُنیا میں پھیل گئی تھی اور اس کا اسلحہ کا کاروبار خوب چل نکلا تھا۔

ورکشاپ بند ہونے کے بعد رات کا اندھیرا پھیلتے ہی اس کا اسلحہ کا کاروبار شروع ہو جا اس کے گاہک پارکنگ لاٹ سے ذرا آگے شیڈ میں پہنچ جاتے اور پندرہ منٹ کے اندر اندر ا پسند کا پستول یا ریوالور خرید کر رُخصت ہو جاتے اور اگر مال زیادہ خریدنا ہوتا تو اس کے گاہک آ رات کے بعد آتے۔ اس کے تھوک کے خریداروں میں زیادہ تعداد آئرش جنونیوں کی تھی جو زیا ایم سولہ آٹو میٹک رائفلیں ہی خریدتے تھے۔ یہ لوگ آدھی رات کے بعد آتے اور ٹرک پر مال ا کر کے چند منٹ میں رُخصت ہو جاتے۔ بالکل اسی طرح اسے مال کی سپلائی بھی ملتی تھی۔ ریم سٹ کے امریکی اڈے کا اسلحہ ٹرکوں کے حساب سے اس کے پاس فروخت ہوتا تھا۔

پولیس کو اگرچہ یہ علم نہیں تھا کہ وہ ایم سولہ آٹو میٹک رائفلوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے، تاہم وہ اس کے چھوٹے اسلحہ کے بزنس کے بارے میں پوری طرح آگاہ تھے۔ کیوا کتے کو ہڈی ڈالنے کے مصداق پولیس کو کبھی کبھار ایسے جرائم پیشہ لوگوں کے بارے میں اطلا فراہم کر دیا کرتا تھا جو اس سے کوئی غیر معمولی چیز خریدنا چاہتے تھے۔ پولیس کی مخبری کی ایک وجہ بھی تھی کہ پولیس انسپکٹر پرینی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے بیٹے کو وقت سے پہلے جا سے رہائی دلا دے گا۔ اسے سب سے بڑی فکر اپنے کاروبار کی تھی حالانکہ اس کے دو داماد بھی مو تھے لیکن وہ ان پر کسی قسم کا اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھا۔

باہر شیڈ میں بندھے ہوئے کتے کی غراہٹ کی آواز سن کر کیوالئی چونک گیا۔ وہ چند لمحے ا جگہ خاموش بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر اس نے کھڑکی کے شیشے سے آنکھ لگا دی لیکن باہر تاریکی میں اسے ک بھی نظر نہیں آ سکا تھا۔ اسے باہر کسی کی موجودگی کا یقین تھا۔ کتا بلاوجہ نہیں بھونک سکتا تھا۔ اس۔ گردن پر مفلر لپیٹا اور دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ سردی کی ایک لہر اس کی ہڈیوں کے گود۔ میں اُتر گئی تھی۔ وہ بے اختیار کپکپا اُٹھا۔ کتا اب بھی بھونک رہا تھا۔ اس نے کتے کو خاموش کرا۔ کے لئے اس کا نام لے کر پکارا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دفع ایک ہیولہ شیڈ سے نکل کر اس کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سرگوشیانہ آواز

ں کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

”کیوالئی......!“

”یس......! تم کون ہو......؟“ کیوالئی کی آواز بھی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

”میں کلارے کا دوست ہوں۔“ اسی سرگوشیانہ لہجے میں جواب ملا۔ کلارے، کیوالئی کا وہ گاہک تھا جس نے کچھ عرصہ پہلے اس سے تھوک کے حساب سے آٹو میٹک رائفلیں خریدی تھیں۔

”کلارے......لیکن میں اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔“

”تم یقیناً جانتے ہو۔“ وہی سرگوشی اُبھری۔

”کیا تم اکیلے ہو......؟“

وہ شخص اگرچہ روانی سے فرانسیسی زُبان میں بات کر رہا تھا لیکن اس کے لہجے میں ہلکا سا غیر مقامی عنصر شامل تھا۔

”ہاں......! میں اکیلا ہوں۔“ کیوالئی نے جواب دیا۔ اس کے خیال میں یہ بھی کوئی آئرش ہی تھا۔

”اندر آ جاؤ......! باہر تو سخت سردی ہے۔“

اجنبی شیڈ سے نکل کر کیچڑ میں چلتا ہوا سامنے آ گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے باہر تک پہنچنے والی مدھم روشنی میں اس کا ہیولہ کچھ واضح ہو گیا تھا۔ ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ ہی کیوالئی کے نتھنوں میں شاہ بلوط کے پتے کے سگریٹ کی ناگواری بو بھی ٹکرائی تھی۔ وہ شخص ڈھانچے کی طرح دُبلا پتلا سا تھا۔ اس نے سیاہ سویٹر پر سیاہ رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر اپاچی کیپ اور آنکھیں تاریک شیشوں والے چشمے کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔ ٹوپی سے جھانکتے ہوئے بالوں میں ہلکا سا سنہری پن نظر آ رہا تھا۔ وہ نپے تلے قدم اُٹھاتے ہوئے دفتر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں میں شاہ بلوط کے پتے کا سگریٹ دبا ہوا تھا جس کی بو بڑی ناگوار سی محسوس ہو رہی تھی۔

”اب بتاؤ تم کون ہو......؟“ کیوالئی نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں کلارے کا دوست ہوں۔ اگلے ہفتے وہ یہاں آنے والا ہے۔ اسے کم از کم ایک کریٹ ایم سولہ رائفلوں اور آر چالیس ہینڈ گرنیڈز کی ضرورت ہو گی۔ تم نے اس

سے ایم ساٹھ مشین گنوں کا جو وعدہ کیا تھا، مجھے یقین ہے کہ تم نے ان کا انتظام کر لیا ہوگا۔"

کیوالئی اُلجھن میں مبتلا ہو گیا۔ ایم ساٹھ مشین گنوں کا سودا بڑا راز داری سے ہوا تھا اور کا علم اس کے اور کلارے کے علاوہ کسی کو نہیں تھا۔ اگر یہ اجنبی اس سودے کے بارے میں ہے تو یہ یقیناً آئرش دہشت گرد کلارے کا قریبی دوست ہوگا۔ دوسری طرف یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہے کلارے پکڑا گیا ہو اور تشدد کے سامنے زبان کھول دی ہو۔

"میں نہیں سمجھ سکا تم کیا کہہ رہے ہو......؟" وہ اجنبی کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑایا۔

"کلارے نے کہا تھا کہ اگر اسے گلاسگو میں رُکنے کا موقع ملا تو تمہارے لئے گلین وٹ بوتل لے کر آئے گا جو تمہاری ریمی مارٹینی سے کہیں بہتر ہوگی۔" اجنبی نے پرسکون لہجے میں جوا دیا۔

کیوالئی کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ کلارے سے جب اس نے کاروبار شروع کیا تھا پہلے ہی روز یہ طے کر لیا تھا کہ جو بھی شخص اس کے حوالے سے گفتگو میں گلین وٹ اور ریمی مار کے الفاظ استعمال کرے گا۔ اسے کلارے کا آدمی سمجھا جائے گا۔

"تو تم کلارے کے دوست ہو......؟" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیا چاہئے......؟ اگر تم ایم ساٹھ کے لئے آئے ہو تو سوموار سے پہلے انتظام نہیں سکے گا۔"

"میں کسی اور چیز کے لئے آیا ہوں۔" اجنبی نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے ایسی رائفل کی ضرورت ہے جس پر نہ صرف دُور بین فٹ ہو بلکہ سائز میں بھی چھو ہو تا کہ اسے آسانی سے لے جایا جا سکے۔"

"کیا ادائیگی نقد ہوگی......؟" کیوالئی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں......!"

"تب پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں تمہیں ونچسٹر سپیشل دے سکتا ہوں اور اتفاق سے ایک رائفل اس وقت میرے پاس موجود بھی ہے۔ میں نے آج تک ایسا عمدہ ہتھیار نہیں دیکھا۔ بے حد ایکوریٹ نشانہ اور ٹریگر کو تو بس اُنگلی کا اشارہ چاہئے اور اگر تمہیں اس سے چھوٹی رائفل چاہئے تو روگر منی 140، کاربائن کا انتظام ہو سکتا ہے۔ یہ سیمی آٹو میٹک ہے اور اس میں بھی ایم سولہ کی طرح

پانچ اعشاریہ چھپن کے کارتوس استعمال ہوتے ہیں۔ سائز میں یہ ایک میٹر سے بھی کم ہے، اسے نہایت آسانی سے بینجو کے کیس میں لے جایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں......!" اجنبی نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے کچھ اور چاہئے۔"

"کیا تم اس کی وضاحت کرو گے......؟" کیوالئی کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی۔

اجنبی نے جواب دینے کے بجائے جیب سے کیبنٹ سائز کی ایک تصویر نکال کر کیوالئی کی طرف بڑھا دی۔ کیوالئی نے میز پر رکھی ہوئی موٹے عدسوں والی عینک اُٹھا کر ناک پر لگائی اور اس تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر اُلجھن کے تاثرات اُبھر آئے۔ اس نے زندگی میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی۔ تصویر میں جو ہتھیار دکھایا گیا تھا وہ رائفل اور پستول کے درمیان کوئی چیز تھی۔ یہ ہتھیار بظاہر اس لیزر پسٹل سے ملتا جلتا تھا جو آج کل ٹی وی پر دکھائی جانے والی فلموں میں عام طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ اس کا دستہ اور ٹرائیگر پستول ہی کی طرح تھا لیکن مختصر سا بیرل شاٹ گن کے بیرل سے ملتا جلتا تھا۔ اس پر ایڈجسٹ ایبل گن سائٹ بھی لگی ہوئی تھی لیکن بٹ کے قریب ہی ایک اور چیز دیکھ کر کیوالئی چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

"یہ تو بولٹ ہے۔" وہ اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بولٹ والا پستول میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔"

"یہ ریمنگٹن ایکس پی ہنڈرڈ بولٹ ایکشن پستول ہے جس میں ایک وقت میں صرف ایک گولی استعمال ہوتی ہے۔" سیاہ لبس والے اجنبی نے بتایا۔

"اور اس میں گولی کون سی استعمال ہوتی ہے......؟"

"فائر بال پوائنٹ ٹو ٹو ون۔"

"میں نے یہ نام بھی پہلی مرتبہ سنا ہے۔" کیوالئی کے لہجے میں حیرت بدستور تھی۔

"اس میں پچاس گرین کی گولی استعمال ہوتی ہے۔" اجنبی پُرسکون لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مزل کی قوتِ رفتار دو ہزار چھ سو پچاس فٹ فی سیکنڈ ہے جو کسی بھی پستول کے کارتوس کی رفتار سے زیادہ ہے۔"

"اور اس کی لمبائی کتنی ہے......؟"

''صرف سترہ انچ......اگر اس پر دُور بین فٹ بھی رکھی جائے تو نہایت آسانی سے بریف کیس میں لے جایا جاسکتا ہے۔'' اجنبی نے بتایا۔

''اور اس کی رینج کیا ہے......؟'' کیوالئی نے عینک اُتارتے ہوئے دریافت کیا۔

''اگر اسے ٹیلی سکوپک سائٹ کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس کی رینج دو سو گز تک ہو سکتی ہے۔''

کیوالئی نے گردن ہلاتے ہوئے تصویر واپس کر دی۔ وہ خاصا متاثر نظر آرہا تھا۔

حیرت انگیز موسیو......!'' وہ اجنبی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ پستول تمہارے لئے کہاں سے حاصل کیا جاسکتا ہے......؟''

''تم اپنے کاروبار کے لئے نوے فیصد ہتھیار ریم اسٹین کے امریکی اڈے سے حاصل کرتے ہو۔'' اجنبی نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''اس امریکی اڈے پر دو فوجی سارجنٹ تمہارے نمک خوار ہیں۔ گزشتہ دس مہینوں سے اس اڈے کے اسلحہ کے ٹیسٹنگ سینٹر میں اس ہتھیار کا تجرباتی استعمال ہو رہا ہے۔ ریم اسٹین کے اسلحہ خانے میں ایسے متعدد پستول موجود ہیں اور وہ اسی سٹور میں رکھے ہوئے ہیں جہاں سے تمہیں اے ساٹھ مشین گنیں فراہم کی جاتی ہیں۔''

اجنبی نے خاموش ہو کر ٹیلی فون کی طرف اشارہ کیا۔

''ابھی اپنے آدمی کو ٹیلی فون کرو اور منہ مانگی قیمت پر سودا طے کر کے ایک ایکس پی ہنڈریڈ پستول، کارتوسوں کا ڈبہ اور لیڈ ور ایف ایف ٹیلی سکوپک سائٹ کا انتظام کرنے کی ہدایت کر دو۔ یہ چیزیں مجھے زیادہ سے زیادہ منگل تک مل جانی چاہئیں۔''

کیوالئی کی کھوپڑی میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ شخص تو اس کے بزنس کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔

''اگر تم یہ جانتے ہو کہ یہ ہتھیار کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے تو خود جا کر کیوں حاصل نہیں کر لیتے......؟'' وہ قدرے تلخ لہجے میں بولا۔

''اس کا انتظام تم کرو گے۔'' اجنبی کے لہجے میں خنجر کی سی کاٹ تھی۔

''کلارے تمہیں ایم سکسٹی کی جو قیمت ادا کرتا ہے میں اس پستول کے لئے اس سے دُگنی

ت ادا کروں گا۔''

اس نے جیب سے فرانسیسی نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر کیوالئی کے ہاتھ میں تھما دی۔

''یہ آدھی رقم ہے......آدھی تمہیں بعد میں ملے گی لیکن ایک بات ذہن نشین رہے کہ یہ بات ف ہم دونوں میں رہنی چاہئے۔''

کیوالئی کا دل کانپ اُٹھا۔ اجنبی کے لہجے میں ایسی دھمکی تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''کلارے کو بھی ہمارے اس سودے کا علم نہیں ہونا چاہئے...... سمجھے......؟'' اجنبی نے رایا۔

''مطمئن رہو......! یہ راز میرے سینے تک ہی محدود رہے گا۔'' کیوالئی نے نوٹوں کی گڈی ب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم منگل کو آجانا...... مجھے اُمید ہے کہ اس وقت تک میں تمہاری چیز حاصل کرنے میں میاب ہو جاؤں گا۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ تم بولٹ والا پستول کیوں لینا تے ہو......؟ اس میں تو بڑا رسک ہوتا ہے۔ اسے ری لوڈ کرنے میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا ہے۔ اگر پہلی گولی نشانے پر نہ بیٹھے تو......؟''

''اس معاملے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلی گولی ضائع نہیں جائے ا۔'' اجنبی کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔'' کیوالئی آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''الفریڈ......!'' اجنبی نے رُک کر کہا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

■ ■ ■

اپارٹمنٹ ہاؤس کی پہلی منزل پر واقع پانچ کمروں پر مشتمل ریسٹورنٹ کی مالکہ او
بچپن کی دوست تھی۔ چالیس سال پہلے وہ اکٹھے ہی اپنے والدین کے ہمراہ اس ملک میں
ہوئے تھے لیکن آج تک اولگا کو یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ کبھی کبھی اس کے ہاں آنے والا اس
کا دوست دراصل اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کا سربراہ ہے۔ وہ آج تک اسے بزنس مین
رہی تھی۔ آج بھی میلان کو ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔
جملوں کے تبادلے کے بعد میلان نے اسے بتایا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو یہاں کھ
مدعو کر رکھا ہے جو کچھ دیر میں آنے ہی والا ہوگا۔ اولگا نے اسے اس چھوٹے کمرے میں پہن
پرائیویٹ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اولگا کے جانے کے بعد میلان اپنے خیالات
گیا۔ اسے آج صبح سویرے ہی وزیراعظم کا فون ملا تھا جس سے اس کا موڈ بگڑ گیا تھا۔ م
اُمید لگائے بیٹھا تھا کہ اس کے استعفٰی کے جواب میں اسے وزیراعظم کا طویل خط ملے گا ج
اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس وقت ملک و قوم کے لئے اس کی ضرورت ک
ثابت کرتے ہوئے اسے اپنا استعفٰی واپس لینے پر مجبور کیا جائے گا لیکن اس کا یہ خواب اس و
گیا جب صبح سویرے ٹیلی فون پر وزیراعظم نے بتایا کہ اس کی خواہش کا احترام کرتے ہو
استعفٰی منظور کر لیا گیا ہے۔ پرائم منسٹر نے تو اس سے یہ مشورہ لینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا
کے بعد موساد کی سربراہی کا تاج کس کے سر پر سجایا جائے۔ ویسے میلان کو یقین تھا کہ یہ عہ
رہی کو سونپا جائے گا۔ اسے آج دن میں اپنے ذرائع سے اطلاع مل چکی تھی کہ یوم آزادی
اس کی ریٹائرمنٹ کے ساتھ ہی موساد کے نئے سربراہ کے نام کا بھی اعلان کر دیا جائے گا۔
''ہیلو میلان......!'' آواز سن کر وہ چونک گیا۔ اس کے سامنے اس کا وہ مہمان کھڑا

اس نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔

''ہیلو رابرٹ......!'' میلان نے کہتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا۔ رابرٹ کے دونوں ہاتھوں کے ناخن جڑوں سے اُکھڑے ہوئے تھے۔ وہ جیسے ہی رسمی جملوں کے تبادلے سے فارغ ہوئے رابرٹ نے فوراً مطلب کی بات شروع کر دی۔

''میرین کا پارسل موصول ہو گیا ہے۔''

''ہوں......اوں......!'' میلان نے لمبی سانس لی۔

رابرٹ ''موساد'' کی کاؤنٹر انٹیلی جنس کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا اور میلان کا ذاتی دوست بھی۔ دونوں نے ڈیڑھ دو سال کے وقفے سے ''موساد'' کی ملازمت اختیار کی تھی لیکن دونوں یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اُن کی ذاتی دوستی اور ملازمت بالکل الگ الگ چیزوں کے نام ہیں۔

''ایک بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔'' رابرٹ نے اچانک ہی پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟'' میلان نے اُس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''گورڈن جو بیان دے رہا ہے جس منصوبے کے تحت اُسے الفریڈ ملر نے یہاں بھیجا ہے وہ یا تو پاگل پن ہے یا پھر ہمیں اُلو بنانے کی سازش ہے۔'' رابرٹ نے کہا۔

''کیا بتایا اُس نے......؟'' بے چینی سے پہلو بدل کر میلان نے دریافت کیا۔

اور اس سوال کے جواب میں جو کہانی اُسے رابرٹ نے سنائی اُسے سنتے ہی میلان کا سر چکرانے لگا۔

''ہمارے ساتھ دھوکہ ہو گیا۔'' اُس کے منہ سے فوراً نکلا۔

''کیا......؟'' اس مرتبہ حیرت زدہ ہونے کی رابرٹ کی باری تھی۔

''میرین ان لوگوں کے نزدیک مشکوک ہونے لگی تھی۔ مجھے یقین ہے الفریڈ ملر ہی دراصل 'زرقاوی' تھا۔ اُس نے گورڈن کو بطور چارہ استعمال کیا اور میرین کی اصلیت جان گیا۔ ایک جعلی منصوبے کے ساتھ گورڈن کو اسرائیل بھیجنا اور اس کے لئے میرین کی مدد حاصل کرنا، اس پر ہمارا زبردست احمقانہ پن کہ ہم نے تل ابیب میں لینڈ کرتے ہی گورڈن کو گرفتار کر لیا ہے۔ زرقاوی کو اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ میرین ہمارے لئے کام کر رہی ہے اور یہی وہ جاننا چاہتا تھا۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو اب تک وہ اپنے محبوب کیون کے پاس پہنچ چکی ہے۔'' میلان نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اُس نے اپنے موبائل سے پیرس میں میرین کے فلیٹ کا نمبر ملایا۔

میرین کیلئے اس وقت الفریڈ کی آمد عزرائیل کی آمد ثابت ہوئی تھی۔ رات کے دو بجے نے اچانک میرین کے فلیٹ پر اپنی آمد کی اطلاع دی تھی اگر میرین کو معمولی سا شک بھی گز شاید وہ فلیٹ کا دروازہ ہی نہ کھولتی لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ اس مرتبہ اس کے ''باس'' نے کتنی صبری کا مظاہرہ کیا ہے ان لوگوں نے میرین کی اطلاع پر گورڈن کو ائیر فرانس کی فلائیٹ تل ا پر لینڈ کرتے ہی جہاز میں گرفتار کر لیا تھا کیونکہ چند روز سے تل ابیب کے نواحی علاقوں میں ہ والے دو دھماکوں نے ہلا کر رکھ دیا تھا اور اب ''شن باتھ'' (اسرائیل کی کاؤنٹر انٹیلی جنس ایجن کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ رابرٹ کی مجبوری تھی کہ وہ ائر پورٹ کی حدود میں آپریشن ''شن باتھ'' کو اعتماد میں لئے بغیر نہیں کر سکتا تھا اس نے ''شن باتھ'' کے سربراہ جن سے درخواست بھی کی تھی اس آپریشن کو صحیح معنوں میں Clandestine (خفیہ) رکھنا ہے جرمیاح کو آج صبح ہی وزیر اعظم کی طرف سے وارننگ مل چکی تھی کہ اب تل ابیب میں ا حکومت دھماکے کی متحمل نہیں ہو سکتی اور ہوا تو ''شن باتھ'' کی ساری قیادت تبدیل کر دی گی۔ اس نے ائیر فرانس کی اس فلائٹ کو اپنے کنٹرول میں لیا تھا اور ''شن باتھ'' کے علاوہ کس انٹیلی جنس ایجنسی کو اس کے نزدیک بھی پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ ''شن باتھ'' کے ایجنٹ گورڈ جہاز سے نکال کر لاؤنج کی طرف لے جانے کے بجائے دوسرے راستے سے باہر لے تھے۔ اس کا سامان بھی جہاز سے ''لوڈر'' پر منتقل ہوتے ہی قبضے میں لے لیا گیا تھا اور اگلے منٹ بعد گورڈن ''شن باتھ'' کے تفتیشی مرکز پر موجود تھا اس کے لئے دس منٹ کا تشدد بھی نا برداشت تھا۔

آدھے گھنٹے میں اس نے طوطے کی طرح ساری کہانی انہیں سنا دی کہ کس طرح الف نے اسے اسرائیل بھیجا ہے جو منصوبہ اس نے بتایا تھا اس سے ''شن باتھ'' بھی اچھی طرح سمجھ کہ الفریڈ نے دراصل گورڈن کا چارہ لگا کر کوئی اور مچھلی شکار کی ہے۔

یہ ان کی مہربانی تھی کہ انہوں نے رابرٹ کو تفتیش مکمل ہونے کے فوراً بعد ساری صورت سے آگاہ کر دیا تھا۔ رابرٹ کو افسوس اس بات کا تھا کہ میلان کی طرح اس کا خیال اس ساز

طرف کیوں نہ گیا جس کے وہ شکار ہوئے تھے اور کتنی آسانی سے زرقاوی نے ان پر جال پھینک کر انہیں بے وقوف بنا لیا تھا۔

گورڈن یہودی اور امریکی نژاد ہونے کے سبب ابھی تک محفوظ تو تھا لیکن ''شن باتھ'' نے اس کی اچھی طرح درگت بنا ڈالی تھی اور اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ گورڈن کی گرفتاری کے بمشکل پندرہ منٹ بعد ہی اس فلائیٹ سے آنے والے الفریڈ ملر کے دست راست ''پیٹرک'' نے تل ابیب ائیرپورٹ ہی سے پیرس فون کر کے اپنے دوست ''مائیکل جوزف'' کو اپنی خیریت سے مطلع کر دیا تھا اور اس فون نے الفریڈ کے سامنے میرین کی حقیقت بھی واضح کر دی تھی۔

یہی وہ چاہتا تھا۔

''تم نے بہت برا کیا میرین......!''

اس نے میرین کے سامنے والی کھڑکی کے نزدیک ہو کر اس سے کہا۔ میرین کو گو کہ اس نامکمل سے فقرے نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا وہ گزشتہ سات سال سے ''موساد'' کے لئے کام کر رہی تھی اب تک آئر لینڈ، لندن، میونخ اور سپین میں خدمات انجام دے چکی تھی لیکن وہ سنبھل کر اس سے مخاطب ہوئی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' میرین نے بظاہر بڑے نارمل انداز میں دریافت کیا۔

''میرا مطلب تم جان چکی ہو میرین۔ میرے نزدیک تم چھ ماہ سے ہی مشکوک ہو گئی تھی جب تم نے ''ابوسلامہ'' کی خفیہ رہائش گاہ سے موساد کو آگاہ کیا تھا لیکن افسوس تب میرا یقین متزلزل رہا کیونکہ پیٹرک نے ہمیں کلیر کر دیا تھا تم نے میرے بھائی، میرے دوست ابوسلامہ کو شہید کروا دیا تھا۔ وہ دہشت گرد تو نہیں تھا۔ یہی گناہ تھا ناں اس کا کہ وہ ہمیں جانتا تھا ہم سے دعا سلام رکھتا تھا۔''

جیسے جیسے وہ بول رہا تھا میرین کے چہرے کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا اب اسے کچھ کر گزرنا تھا اور وہ بھی جلدی۔ ورنہ بہت دیر ہو جاتی۔

''تم کیا باتیں کر رہے ہو ملر......؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

میرین نے اپنے لہجے کی کرختگی برقرار رکھی۔

"اور وہاں تم اور تمہارے گرگے کتنے چالاک ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگا لو کہ جر زرقاوی کو تم "سیدہ" کیمپوں میں تلاش کر رہے تھے وہ تمہارے سامنے کھڑا ہے۔"

اُس نے بڑے ڈرامائی لہجے میں کہا۔

"ہاں میرین......! میں ہوں ابوزرقاوی۔"

اس کی زبان سے نکلے الفاظ پگھلے سیسے کی طرح میرین کے کانوں میں پڑے تھے جر زرقاوی کو ڈھونڈنے کے لئے وہ "انقلابیوں" کے اس گروہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لے کر داخل ہوا تھی وہ الفریڈ ملر کی شکل میں اس کے سامنے موجود تھا۔

"لیکن افسوس تم مرنے سے پہلے یہ اطلاع شاید "موساد" کو نہ دے سکو اور ہاں یہ بار تمہارے گور وگھنتال کے لئے کسی سانحے سے کم نہیں ہوگی کہ میں نے تمہیں پھنسانے کے لئے چارہ لگایا تھا وہ بھی ایک یہودی ہے۔ گورڈن ایک امریکی یہودی، میں نے تمہارا جوتا تمہارے سر پر مارا ہے میرین۔"

اس کی آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔

ایک لمحے کے لئے اس کی توجہ میرین سے ہٹی تھی جب میرین نے اپنی دانست میں زندگی آخری جوا کھیلا۔ اس نے پلنگ پر چھلانگ لگائی اور اپنے سرہانے رکھے پستول تک رسائی بھی حاصل کر لی لیکن اس سے پہلے اس کے ہاتھ کی اُنگلی پستول کا ٹریگر دبائے الفریڈ ملر کے سائلنسر لگے پستول سے نکلنے والی تین گولیاں یکے بعد دیگرے اس کے دماغ میں جا لگیں۔

میرین کو ڈھنگ سے سانس لینے کی مہلت بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

"ابوسلامہ......! اللہ تیرے درجات بلند کرے......الحمدللہ......! میں نے تیرے قتل کا بد لے لیا۔"

اس نے پستول سے سائلنسر الگ کرتے ہوئے کہا اور جس طرح خاموشی سے آیا تھا ا طرح دروازہ بند کر کے واپس لوٹ گیا۔ اسے اب جلد از جلد اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

یہ بات اس سے زیادہ بہتر کون جانتا تھا کہ میرین کی موت کی اطلاع "موساد" کے لئے اہمیت رکھتی ہے اور اس اطلاع کے بعد وہ کیسے باؤلے کتے کی طرح اس کے شکار کے لئے نکل پڑیں گے۔

اب وہ اسے خاص رائفل بغداد پہنچانی تھی جس کا حصول چند روز پہلے تک بظاہر ناممکن ائی دے رہا تھا اپنے فلیٹ پر قیام کے بجائے اس نے اپنے ایک دوست کے کیفے کا رخ کیا تھا اں اس کے لئے ایک کمرہ ہمیشہ مخصوص رہتا تھا۔

اپنے فلیٹ سے اس نے صرف ایک بریف کیس اٹھایا تھا اس کے علاوہ اس کا یہاں کچھ تھا نہیں کسی بھی جگہ تھوڑا زیادہ قیام کرتے ہوئے وہ اس بات کو بطور خاص خیال رکھتا تھا کہ اس ہاتھوں کے پرنٹ بھی اس کی روانگی کے بعد یہاں سے حاصل نہ کئے جا سکیں۔ اب تک وساد" کے شکاری کتوں سے اس کے لئے محفوظ رہنے کی دو اہم وجوہات تھیں ایک تو اس کی لی احتیاطی تدابیر اور دوسری اہم وجہ اس کا اکثر اکیلے کام کرنا۔

وہ اپنے گرد ہجوم اکٹھا کرنے کی بجائے اکیلے کام کرنا پسند کرتا تھا عام حالات میں وہ ستوں" سے مدد حاصل کرنے کا بھی قائل نہیں تھا لیکن اس وقت جو خصوصی حالات اسے درپیش ان کے بعد اس کے لئے یہ مدد ناگزیر ہوئی تھی۔

ایک پرائیوٹ فون بوتھ سے اس نے کسی افریقی ملک کا نمبر ملایا اور وہاں موجود ایک انتہائی شخصیت کو اپنا مسئلہ بیان کرنے کے بعد مدد کی درخواست کی تھی۔

"پندرہ بیس منٹ تک میں Call Back کر رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے دوستانہ اور مشفقانہ لہجے میں جواب ملا اور وہ اب اس عطر فروش کی دوکان طرف جا رہا تھا جو یہاں سے بمشکل پانچ منٹ کے فاصلے پر موجود تھی وہاں اسے واپس کال آنی افریقی نژاد عطر فروش اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی کھل اٹھا آج تقریباً دو ماہ بعد دونوں کی قات ہو رہی تھی۔

"اہلاً وسہلاً مرحبا......!" اس نے زرقاوی سے بغل گیر ہو کر کہا۔

دونوں عطریات کے حوالے سے باتیں کرتے رہے۔ تقریباً بیس منٹ بعد فون کی گھنٹی نے ں چونکایا دوسری طرف لائن پر وہی افریقی شخصیت موجود تھی جسے زرقاوی نے فون کیا تھا۔ جوابی ن پر اسے ایک سفارت خانے میں کسی کرنل عمار سے ملنے کے لئے کہا گیا تھا۔

■ ■ ■

بادامی رنگت والا دبلا پتلا عمار سفارت خانے کی عمارت میں اپنے دفتر کی کرسی پر بیٹھا سامنے

والی دیوار کو گھور رہا تھا اس کا منہ اس طرح پھولا ہوا تھا جیسے کسی بات پر ناراض ہو۔ یورپین لباس وہ اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ نیلا کوٹ اس کے استخوانی جسم پر خاصا تھا۔ کلف لگے ہوئے کالر اور ٹائی کی گرہ سے اسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

عمار کو کئی وجوہات کی بنا پر پیرس سے نفرت تھی۔ سخت سردی، شہر کے ہر علاقے میں لوگوں بھیڑ بھاڑ، سڑکوں پر دندناتی ہوئی کاریں، کاروں سے زیادہ طوائفیں جو ہر راہ گیر کو گھیرنے کی کو میں مصروف نظر آتی تھیں اور بگڑا ہوا معاشرہ۔ عمار ابھی تک اس عیاش قوم کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ اگر کے بس میں ہوتا تو بہت عرصہ پہلے یہاں سے بھاگ کر اپنے وطن پہنچ چکا ہوتا جہاں وسیع و عر ریت کے سمندر میں کاروانوں کے اونٹوں کی گردنوں پر بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں بڑا سحر تاثر پیش کرتی تھیں وہ ایک چرواہے کا بیٹا تھا اس کی ماں کا تعلق بھی ودزا کے پہاڑی علاقے آباد ایک قبیلے سے تھا۔ اس کے تین بھائی اور بھی تھے۔ سترہ سال کی عمر میں اس نے اپنے والد کا گھر چھوڑ دیا تھا یہ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اس کا کم از کم ایک بیٹا فوجی آفیسر بنے اور یہ عمار کے نام نکلا تھا۔

وہ بزدل نہیں تھا ایک مرتبہ فوجی وردی پہن لینے کے بعد اس نے کبھی بھی فوج سے بھا کوشش نہیں کی تھی لیکن فوج کی سخت پابندیاں اسے پسند نہیں تھیں۔ اس کے باوجود اس نے فوجی قوانین کی خلاف ورزی بھی نہیں کی تھی۔ ایک روز دارنا بیچ کے قریب فوجی مشقوں کے دو اس کے کیپٹن نے اچانک ہی اسے اپنے خیمے میں طلب کر لیا جہاں گہری رنگت کا ایک میجر بھی ہوا تھا جس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میجر نے اس فوجی اور مذہبی رجحانات کے بارے میں متعدد سوالات کئے تھے اس واقعے کے تین مہینے بعد میجر، جو کہ اب کرنل بن چکا تھا، لیبیا کا حکمران بن گیا اس نے ایک پُرامن انقلاب کے ذریعے ادریس سنوسی کی حکومت کا تختہ الٹ کر عنانِ حکومت خود سنبھال لی تھی۔ عمار کو لیفٹیننٹ کے عہ پر ترقی دے کر اسلامی ری پبلک آف لیبیا کے پہلے صدر کرنل معمر قذافی کی پرسنل سیکیورٹی کا انچا مقرر کر دیا گیا تھا۔

کرنل عمار جلد ہی اس گروپ میں شامل ہو گیا جو لیبیا کی سرحدوں سے باہر قذافی کے منصوبوں کی تکمیل کا ذمہ دار تھا۔ کئی حریت پسندانہ تحریکوں میں حصہ لینے کے علاوہ عمار فلسطینی حر

دوں کی تنظیم پی ایل او اور لیبیا کی حکومت کے درمیان افسر رابطہ کے فرائض بھی انجام دے رہا ۔ وہ کئی یورپی ممالک کا سفر بھی کر چکا تھا جہاں لیبیا کے سفارت خانوں میں اس نے ایسے شعبے م کر رکھے تھے جہاں سے فلسطینی حریت پسندوں اور ان کے حمایتیوں کو اسلحہ، شناختی کاغذات اور ز مہیا کئے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ قبل اسے پیرس میں لیبین سفارت خانے میں سیکیورٹی انچارج بنا بھیج دیا گیا تھا۔ اس علاقے میں پی ایل او سے تعلق رکھنے والے حریت پسند اور ان کے حمایتی اس سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ گزشتہ ہفتے اسے اوپر سے اطلاع ملی تھی کہ ایک یورپین نوجوان ے رابطہ قائم کرنے والا ہے۔ احتیاط کے پیش نظر اس متوقع ملاقاتی کا اصل نام نہیں بتایا گیا تھا لن ہائی کمان کی طرف سے ملنے والے خفیہ پیغام میں اسے الصادق کا فرضی نام دیا گیا تھا۔ عمار کو ایت کی گئی تھی کہ اس یورپی نوجوان کی ہر ممکن مدد کی جائے اس کے لئے اگر کوئی موجود مشن ملتوی ی کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا جائے۔

آج صبح ہی اس یورپی نوجوان نے اس کو فون کر کے خفیہ الفاظ کے ذریعے اپنی شناخت کروا ی تھی۔ عمار نے اسے سمجھا دیا تھا کہ ایونیو مارسیو پر واقع سفارت خانے میں کسی کی نظروں میں ئے بغیر عقبی دروازے سے کس طرح اندر داخل ہوا جا سکتا تھا اور اب وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ی کا منتظر تھا۔ اس کو وہ پُراسرار ملاقاتی کسی بھی لحہ آ سکتا تھا۔

دفعتہً میز پر رکھے ہوئے سیاہ رنگ کے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی عمار اپنے خیالات سے ونک گیا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

”تمہارا مہمان پہنچ گیا ہے۔“ ریسیور پر عربی میں کہا گیا۔ لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

”اسے اندر بھیج دو۔“ کہتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ائی کی گرہ ڈھیلی کرنے لگا۔

لابی کے آخری سرے پر ایک دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور چند سیکنڈ بعد ایک طویل قامت صحت مند نوجوان اندر داخل ہوا اس کے جسم پر سیاہ لباس تھا اور اس نے ایک ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بریف کیس لٹکا رکھا تھا۔

■ ■ ■

عمار نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ دی تھی۔ اپنے ملاقاتی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب

سے تاثرات اُبھر آئے تھے وہ ملر تھا لیکن اس نے عمار سے ہاتھ ملانے کی ضرورت بھی محسوس نہ تھی۔ وہ ایئر پورٹ سے سیدھا یہاں آیا تھا۔ جہاز سے اترنے کے بعد وہ صرف چند منٹ کو سے اپنا بریف کیس نکالنے کے لئے بیگج روم میں رکا تھا۔ اسے سفارت خانے میں آنا اور ایک ڈپلومیٹ سے مدد لینا پسند نہیں تھا کیونکہ اس کے خیال میں یہ طریقہ اس کی فطرت کے خلاف تھا کرنا اس کے منصوبے کے حق میں بھی مفید نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ منصوبہ اس نے بنایا تھا انتقام وہ چاہتا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا بھی اس کے انتقام میں شریک ہو لیکن میرین کی موت نے ''موساد'' کو چوکس کر دیا تھا اور وہ مدد لینے پر مجبور تھا۔

''میں الصادق ہوں۔'' اس نے سامنے کھڑے ہوئے عمار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اس اٹیچی کیس میں ایک ہتھیار موجود ہے میں اسے ایک ہفتے کے اندر اندر بغداد کے ایک پتے پر پہنچانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے میں اس کی سائٹ ایڈجسٹ کرنے کے لئے ٹیسٹ فائر کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرے ساتھ آؤ......!'' عمار سر ہلاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ لابی عبور کر کے بائیں طرف ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ عمار نے جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر ایک چابی منتخب کر کے دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے دوسری طرف بھی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ وہ دروازہ مقفل تھا، عمار نے تالا کھول دیا اس دروازے کے دوسری طرف ایک گول زینہ تھا جو نیچے تہہ خانے میں چلا گیا تھا۔ نیچے بھی ایک کمرہ تھا لیکن اس کمرے کے سامنے والی دیوار فرش سے چھت تک پلاسٹک کے موٹے پیڈنگ میٹریل سے ڈھکی ہوئی تھی۔ دروازے کے قریب ہی اندر کی طرف ایک بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا اس کی ہلاکو ٹائپ باریک مونچھیں ٹھوڑی سے بھی نیچے لٹک رہی تھیں۔ وہ کوئی پرانا میگزین پڑھ رہا تھا جسے اس نے فوراً ہی میز کے پیچھے پھینک دیا میز کے نیچے میگزین ملر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ وہ فرانسیسی میگزین تھا جس کے سرورق پر ایک عورت کی تصویر تھی۔ وہ شخص مشتبہ نگاہوں سے ملر کی طرف دیکھنے لگا اس کا ہاتھ بیلٹ میں اڑسے ہوئے بھاری ریوالور کے دستے پر پہنچ گیا تھا۔ عمار نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ آگے بڑھ کر پیڈنگ میٹریل والی دیوار کا دروازہ کھول دیا۔ سب سے پہلے وہ خود کمرے میں داخل

ہوا تھا اندر داخل ہوتے ہی اس نے دائیں طرف کی دیوار پر لگا ہوا ایک سوئچ آن کر دیا بیک وقت کئی ٹیوب لائیٹیں جل اُٹھیں اور وہاں دن کی طرح روشنی سی پھیل گئی۔

یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا جو دراصل شوٹنگ رینج کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس ساؤنڈ پروف تہہ خانے میں ہونے والی فائرنگ کی آوازیں باہر نہیں سنی جاسکتی تھیں۔

ساٹھ فٹ لمبے اس ہال میں شوٹنگ کے لئے پانچ ٹریک بنے ہوئے تھے جن پر آٹومیٹک ٹارگٹ پلیٹس بھی لگی ہوئی تھیں۔ دیواروں کے ساتھ اسٹیل کی بھاری الماریاں ایستادہ تھیں۔ ملر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کی ان الماریوں میں مختلف قسم کا اسلحہ بھرا ہوا تھا ایلومینیم کی ٹاپ والی ایک لمبی سی میز پر مختلف اقسام کے اوزار بڑے سلیقے سے سجے ہوئے تھے۔

یہ تہہ خانہ بھی عمار نے تیار کرایا تھا یہاں حریت پسند نہ صرف نئے اسلحے کی فوری تربیت حاصل کرتے تھے بلکہ انہیں مختلف مہمات کے لئے ضروری اسلحہ بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ ملر نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پسندیدہ انداز میں سر ہلایا۔ پھر وہ ان دونوں کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

''بہتر ہوگا کہ تم دونوں مجھے اس کمرے میں کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دو۔ میں کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں سرد مہری نمایاں تھی۔

''میں تمہیں یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔'' حماد نے بھی سرد لہجے میں جواب دیا۔

''تمہیں اس سلسلے میں واضح احکامات مل چکے ہیں۔'' ملر نے اسے گھورا۔

''اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو مجھے تنہا چھوڑ دو یا ہائی کمان کے دوسرے کیبل کا انتظار کرو۔''

عمار کے ہونٹ بھینچ گئے اس کی آنکھوں میں اچانک ہی سرخی سی ابھر آئی تھی۔ وہ بار بار مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن شکست خوردہ سے انداز میں اس کا چہرہ لٹک گیا۔

''چلو......!'' اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے ساتھی کو بھی اشارہ کر دیا۔

''ایک منٹ......!'' ملر نے ہاتھ اس کی طرف پھیلاتے ہوئے کہا۔

''اس دروازے کی چابی۔''

ہلاکو ٹائپ مونچھوں والے نے سینوسی کی طرف دیکھا۔ اپنے آفیسر کے ساتھ ملر کے اس طرزِ

عمل پر اس کے چہرے پر بھی غصے کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ عمار نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دوسرے شخص نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے چابی ملر کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ ان دونوں کے باہر نکلتے ہی ملر نے دھڑ سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ اس نے اپنے لئے بائیں طرف کا آخری شوٹنگ ٹریک منتخب کیا اور بریف کیس سامنے رکھ کر احتیاط سے کھولنے لگا۔ ریمنگٹن مختلف حصوں کی صورت میں بریف کیس میں پڑی ہوئی تھی۔ اس نے تمام حصے جوڑ کر چیمبر میں گولی بھری اور ریمنگٹن کو ٹریک پر رکھ کر ٹارگٹ کا سوئچ دبا دیا۔ ٹریک کے آخری سرے پر موٹر چلنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور کارڈ بورڈ کا ٹارگٹ ٹریک پر آہستہ آہستہ اس کی طرف آنے لگا۔ ملر نے کارڈ بورڈ پر لگا ہوا پرنٹڈ ٹارگٹ اتار کر فرش پر پھینک دیا اور فل کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کاغذ نکال لیا جس کی کئی تہیں لگی ہوئی تھیں۔ تہیں کھول کر اس نے کاغذ ٹارگٹ بورڈ پر لگا دیا اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔

اس چکنے کاغذ پر ایک آدمی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ تصویر جسم کے اُوپر والے حصے کی تھی۔ یہ وہ معزز اور معروف ترین شخصیت تھی جو ملر کے ہاتھوں قتل ہونے والی تھی۔

ملر نے تصویر کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ ٹارگٹ کا سوئچ دبا دیا۔ ٹارگٹ آہستہ آہستہ پیچھے سرکنے لگا اور بالآخر ٹریک کے آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا۔ اس نے ریمنگٹن پستول اٹھایا اور بڑے ماہرانہ انداز میں اس پر لگی ہوئی دوربین کا فاصلہ ایڈجسٹ کرنے والی ناب کو حرکت دینے لگا۔ لینس پر پہلے تو دھندلی رہی لیکن جیسے جیسے وہ ناب کو حرکت دے رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے ٹارگٹ پر لگی ہوئی تصویر واضح ہوتی جا رہی تھی۔ بالآخر اس نے تصویر میں دل کے مقام کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ اس کے ہاتھوں کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور ہال فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ اس نے استعمال شدہ کارتوس نکال کر چیمبر میں دوسری گولی بھری اور پستول کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر شست باندھنے لگا۔ پہلی گولی نے تصویر میں دل کے بائیں جانب ذرا نیچے سوراخ بنا دیا تھا۔ اس نے ایلومینیم ٹاپ والی میز سے ایک چھوٹا سا اسکریو ڈرائیور اٹھایا اور پستول کی سائیڈ اسکریو کو ری ایڈجسٹ کرنے لگا۔ چند سیکنڈ کے بعد اس نے دوسرا فائر کیا اس مرتبہ گولی دل سے کچھ اوپر لگی تھی اس نے سائیڈ اسکریو کو تھوڑا سا ڈھیلا کر کے پھر فائر کیا اس مرتبہ بھی گولی دل سے کچھ اوپر لگی تھی اس نے ایک بار پھر اسکریو ڈرائیور اٹھا لیا چوتھی گولی ٹھیک نشانے پر لگی تھی اس نے سائیڈ اسکریو

ہی جگہ پر رہنے دیا اور تین فائر کیے۔ تینوں گولیاں تصویر میں دل کے مقام پر ایک ہی جگہ لگی تھیں۔ اس کے چہرے پر طمانیت سی آگئی اور اس نے ٹارگٹ کا سوئچ دبا دیا۔ ٹارگٹ ٹریک پر سرکتا ہوا قریب آگیا اس نے تصویر اتار کر اپنے سامنے رکھ لی اور گہری نظروں سے اپنے نشانوں کا جائزہ لینے لگا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے اس نے ایک مخصوص قسم کا سیمنٹ پستول کے سائیڈ اسکریو پر لگا دیا تا کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکے۔

میز کی بائیں طرف سرخ رنگ کا ایک چھوٹا ڈبہ رکھا ہوا تھا اس نے برش اٹھا کر رنگ میں تر کیا اور تصویر میں ٹھیک دل کے مقام پر بنے ہوئے تین سوراخوں پر دائرے کھینچ دیئے۔ اس نے جیسے ہی تصویر اٹھائی تصویر پر لگا ہو رنگ نیچے کی طرف بہنے لگا یہ دیکھ کر ملر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

ملر نے ریمنگٹن کے تمام حصے الگ الگ کر کے انہیں صاف کیا اور دوبارہ بریف کیس میں پیک کر دیا۔ بریف کیس لاک کرنے کے بعد اس نے چابی اور تصویر والا پوسٹر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

جب وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو عمار اور اس کا ساتھی ملحقہ کمرے میں بیٹھے سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے لیکن اسے دیکھ کر وہ یکا یک خاموش ہو گئے۔

”چلو......! میرا کام ختم ہو چکا ہے۔“ اس نے عمار سے کہا۔

جب وہ دوسرے آدمی کی نگاہوں سے اوجھل زینے کی لینڈنگ پر پہنچے تو ملر نے بریف کیس اور کاغذ کی سلپ عمار کے ہاتھ میں تھما دی۔

”یہ بریف کیس ایک ہفتے کے اندر اندر بغداد پہنچ جانا چاہئے۔ جو شخص بھی یہ بریف کیس لے کر جائے اس سلپ پر لکھے ہوئے نمبر پر اپنی آمد کی اطلاع کر دے۔ میرے آدمی وہاں اس کے منتظر ہوں گے۔“

عمار کا منہ پھولا ہوا تھا۔ وہ اجنبیوں کا رعب یا سرد رویہ برداشت کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن یہاں معاملہ ہائی کمان کا تھا۔ اس لئے وہ ملر کو کچھ کہہ تو نہیں سکتا تھا لیکن اس کے دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ جلد سے جلد اس سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے۔

”کچھ اور......؟“ منہ پھولا ہوا ہونے کے باوجود اس نے اخلاقی طور پر پوچھا۔

"ہاں......! ممکن ہے یہاں تک آتے ہوئے میرا تعاقب کیا گیا ہو لیکن اب میں اس امر کو یقینی بنانا چاہتا ہوں کہ جب میں یہاں سے جاؤں تو میرا کوئی تعاقب نہ کرے۔" ملر نے کہا۔

"ٹھیک ہے......! ہم اس مسئلے سے بھی نمٹ لیں گے۔" عمار نے جواب دیا۔

اس مسئلے سے نمٹنا واقعی مشکل نہیں تھا۔ ماسکو میں چھ مہینے کے کریش کورس کے دوران اس نے اس جیسے ایمرجنسی معاملات سے نمٹنے کے لئے کے جی بی سے خصوصی تربیت لی تھی۔ ملر کے بریف کیس لینے کے دس منٹ بعد وہ ملر کی روانگی کے سلسلے میں تمام تیاری مکمل کر چکا تھا۔ سفارت خانے کے اندرونی احاطے میں پانچ کاریں روانگی کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ ان کے انجن اسٹارٹ تھے دو کاریں ایسی تھیں جن میں چار چار افراد بیٹھے ہوئے تھے باقی بظاہر خالی تھیں۔ ڈرائیوروں کے علاوہ ان میں اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن ان میں سے ایک کار ایسی بھی تھی جس میں ایک مسافر موجود تھا اور وہ مسافر ملر تھا جو پچھلی سیٹ کے قریب فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

کرنل عمار نے جیسے ہی اشارہ کیا سفارت خانے کا گیٹ کھل گیا اور تمام کاریں حرکت میں آ کر تیز رفتاری سے گیٹ سے نکل گئیں۔ گیٹ سے نکلتے ہی تمام کاروں نے مختلف راستے اختیار کئے تھے۔ ملر تیسری کار میں تھا۔

دو اسرائیلی ایجنٹ جنہوں نے کیفے سے ملر کا تعاقب شروع کیا تھا انہوں نے اپنی مدد کے لئے کچھ اور آدمی بھی بلوا لئے تھے جب سفارت خانے سے ڈپلومیٹک کاروں کا جلوس برآمد ہوا تو اسرائیلی ایجنٹ بوکھلا گئے تھے۔ اسرائیلی ایجنٹوں کی کار نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سفارت خانے سے برآمد ہونے والی پانچ میں سے ایک لیموزائن کا تعاقب شروع کر دیا لیکن کچھ دیر بعد جب وہ لیموزائن نارتھ افریقی ریسٹورنٹ کے سامنے رکی اور چار لیبین سفارت کار نیچے اترے تو اسرائیلی منہ دیکھتے رہ گئے۔ ملر انہیں غچہ دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سفارت خانے سے رخصت ہونے سے پہلے ملر نے عمار سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ خوش اخلاقی کے اس مظاہرے میں اس نے کوئی حرج نہیں سمجھا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ عمار سے اس کی آخری ملاقات تھی۔ عمار کے دن گنے جا چکے تھے اور وہ عنقریب موت کے گھاٹ اُتار دیا جانے والا تھا۔ بدقسمتی سے وہ "موساد" کی نظروں میں آ چکا تھا۔ دوسرے روز صبح

بیروت ایئرپورٹ پر ائیر فورس کے بوئنگ طیارے سے اُترنے والا پہلا شخص عمار تھا۔ امیگریشن کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے اپنے ڈپلومیٹک شناختی کاغذات دکھائے اور اسے فوراً ہی جانے کی اجازت دے دی گئی۔ لاؤنج سے باہر نکلتے ہی اسے بیروت میں لیبین سفارت خانے کا تھرڈ سیکرٹری مل گیا۔

"میں نے جس کار کے لئے کہا تھا وہ لائے ہو یا نہیں......؟" عمار نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......! تمہاری ہدایات کے مطابق ہم نے ایسی کار کرائے پر حاصل کر رکھی ہے یہ رڈیئر مونٹ کار ہے۔ تم جہاں جانا چاہو گے میں ڈرائیور کے فرائض......"

"نہیں......!" عمار نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ڈرائیو میں خود کروں گا۔ تم مجھے کار کی چابیاں دے دو اور یہ بتا دو کہ کار کہاں کھڑی ہے......؟ اس کے بعد تم اپنے دفتر جا سکتے ہو۔"

پانچ منٹ بعد کرنل عمار جنوبی روٹ نمبر ون پر تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا اس کا رخ طائر کی طرف تھا۔ یہ پہاڑی سڑک تھی موڑ پر بھی وہ کار کی رفتار کم نہیں کر رہا تھا۔ کئی مرتبہ کار الٹتے الٹتے بچی تھی۔ کل جب ملر نے اسے بریف کیس بھجوانے کی ہدایت کی تھی تو اس نے یہ ذمہ داری کسی اور کے کاندھوں پر ڈالنے کی بجائے خود جانے کا فیصلہ کیا تھا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت بیروت میں نظر آ رہا تھا۔ چند مہینے پہلے اس نے پیرس سے ڈپلومیٹک میل ٹائٹل کے تحت بیروت میں اپنے سفارت خانے کے نام چند پیٹیاں بھیجی تھیں جن میں اسلحہ بھرا ہوا تھا۔ بیروت میں یہ پیٹیاں اس کے سفارت خانے کے ایک آفیسر نے وصول کی تھیں لیکن گذشتہ نومبر میں "پیرس میچ" نامی میگزین میں فرانسیسی انٹیلی جنس کے ایک آفیسر کرنل لیروئے فن وائل کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا تھا کہ اس محکمہ کے ایک شعبے "سروس سیون" نے بیروت میں لیبین سفارت خانے کے نام پیرس سے بھیجے جانے والے ڈپلومیٹک ڈاک کے تھیلے کھول کر چیک کئے گئے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پیرس سے باہر اپنے سفارت خانے والوں کو جو بھی اسلحہ اور رپورٹیں ڈپلومیٹک کارگو کے ذریعے بھیج رہا تھا وہ سب کچھ فرانسیسی انٹیلی جنس کی نظروں میں آ چکا تھا۔ اگرچہ اسلحہ وغیرہ بھیجنے کا کوئی نیا طریقہ ابھی دریافت نہیں کیا گیا تھا لیکن الصادق کا دیا ہوا بریف کیس بغداد پہنچانا بہت ضروری تھا اس لئے اس نے خود جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ خوش قسمتی سے

ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ ڈپلومیٹس کے سامان کی بھی تلاشی لی جاتی۔ پیرس کے چارلس ڈ ایئرپورٹ پر بھی اس کے سامان کی تلاشی لئے بغیر جہاز میں سوار ہونے کی اجازت دے د تھی۔

بیروت ایئرپورٹ سے روانہ ہونے کے تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ لبنان میں اقوام کی امن فوج کی نائجیرین بٹالین کے ہیڈ کوارٹر پہنچ چکا تھا۔

''میجر بالیو......!'' عمار نے ایک سیاہ فام سنتری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اسے اطلاع کرو کہ اس کا دوست پہنچ چکا ہے۔''

سنتری نے گارڈ بوتھ میں داخل ہو کر فون کا ریسیور اٹھالیا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ بم دو منٹ گزرے ہوں گے کہ کیمپ کے اندرونی حصے سے تیز رفتاری سے آنے والی ایک جیپ ع کے قریب آکر رکی۔ اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا ایک بھاری بھرکم آفیسر چھلانگ لگا کر نیچے اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کی کار میں داخل ہو گیا۔ دونوں نے گرمجوشی سے ایک دوسرے ہاتھ ملایا اس کے ساتھ ہی عمار نے وہ بریف کیس آفیسر کے حوالے کر دیا۔ اس بریف کیس ساتھ ایک کاغذ پر لکھا ہوا فون نمبر اور ایک لفافے میں بھاری رقم موجود تھی۔ انہیں ایک دوس سے بارگیننگ کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میجر بالیو اس کا پرانا دوست تھا اور وہ اس سے پہلے اس قسم کے کئی کام اس سے لے چکا تھا۔

دوپہر کے بعد عمار دوبارہ بیروت پہنچ چکا تھا جہاں ہوٹل میریڈین میں اس کا کمرہ پہلے سے مخصوص تھا۔ یہاں اسے صرف ایک رات قیام کرنا تھا کیونکہ اگلی صبح کی فلائیٹ پر پیرس کے اس کی سیٹ بک تھی۔ ہوٹل پہنچ کر اس نے اپنے کمرے کے باہر ڈونٹ ڈسٹرب (n't Disturb) کا سائن لٹکا دیا اور کمرے میں موجود ٹی وی کا سوئچ آن کر کے کافی لانے کا آ دیا۔ پندرہ منٹ کے بعد دروازے پر مخصوص آہٹ کے بعد دروازے کی جھری سے ایک ویٹر کو لئے منتظر پایا تو دروازہ کھول دیا۔

ویٹر نے اسے مکمل تعظیم دیتے ہوئے مخصوص میز پر کافی کے برتن رکھے اور واپس جانے لئے دروازے کا رخ کیا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ اچانک پلٹا اور اس کے ہاتھ میں سائلنسر پستول موجود تھا شاید ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا جب اس نے پہلا فائر کرنل عمار کے ماتھے پر اور دا

دل پر اور تیسرا پھر ماتھے پر کیا۔

کرنل عمار کو بمشکل کلمہ پڑھنے کی مہلت نصیب ہوئی تھی۔ ویٹر نے اس کی موت کی اطمینان سے تصدیق کی اپنی جیب میں موجود موبائل نمبر ملایا اور دوسری طرف لائن پر میلان موجود تھا۔

"He is no more sir." (اب وہ نہیں رہا جناب) اس نے شستہ انگریزی میں کہا اور دوسری طرف سے ویل ڈن سننے کے بعد فون بند کر کے ویٹر والا بڑا سفید کوٹ اتار کر وہیں پھینک دیا۔ اب وہ قیمتی سوٹ میں ملبوس کوئی یورپین دکھائی دے رہا تھا۔

کرنل عمار کے کمرے کو لاک کر کے وہ اطمینان سے ہوٹل کی سیڑھیاں اتر کر بیروت کے ہنگاموں میں کھو گیا۔

■ ■ ■

الزرقاوی کو تیسرے دن دو اہم خبریں ملی تھیں۔ پہلی خوشخبری تو یہ تھی کہ اس کا ''پارسل'' بغداد کے مطلوبہ ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا اور دوسری افسوسناک خبر یہ تھی کہ کرنل عمار کی بیروت کے ہوٹل میں شہادت تھی۔ گو کہ زرقاوی کے لئے یہ خبریں اب معمول بن چکی تھیں لیکن اسے کرنل عمار کی شہادت کا دکھ ہوا تھا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' اس نے زیر لب دہرایا اور ایمسٹرڈیم کے ہوٹل کا وہ کمرہ چھوڑ دیا جہاں وہ گزشتہ دو دنوں سے اس خبر کے انتظار میں ڈیوڈ جیکب نامی کسی آئرلینڈ کے باشندے کی حیثیت سے قیام پذیر تھا اور اب اس کی اگلی منزل بغداد تھی۔

عراق کی شام سے ملحقہ سرحد سے چند کلومیٹر کی دوری پر واقع اس گاؤں پر یوں تو ابھی تک امریکیوں نے کوئی توجہ نہ دی تھی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ ادھر سے غافل ہیں۔ ابو حسام جانتا تھا یہاں امریکیوں نے آسمان پر سیٹلائیٹ کا ایسا جال بچھا رکھا ہے کہ معمولی سی نقل و حرکت بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی وہ جانتے تھے کہ شام میں عراقی حریت پسندوں کے ہزاروں مددگار موجود ہیں جو بدترین حالات میں بھی ان کی مدد کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر سکتے ہیں۔

ابوحسام اور اس کے دو ساتھی اس سرحدی علاقے میں کسانوں کی حیثیت سے پناہ گزین تھے آج انہیں یہاں آئے دوسرا دن تھا۔ جب سہ پہر کے وقت ایک کھٹارہ سا ٹرک گاؤں میں پہنچا

جس میں کچھ عراقی شام سے اپنے وطن واپس لوٹے تھے تو ان میں زرقاوی بھی ایک تھا اس کی حالت باقی عراقیوں سے قطعی مختلف نہ تھی اور کوئی بھی یہ دیکھ کر شک نہیں کر سکتا تھا کہ یہ الفرید زرقاوی ہے۔

ابوحسام نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ زرقاوی کی عراق میں آمد سے تحریک مزاحمت میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا تھا اس کا ابوحسام کو بخوبی علم تھا کہ عراق کے کونے کونے میں موجود عراقی مجاہدین تک اس کی آمد اور عراق میں موجودگی کی اطلاع کسی بڑی خوشخبری سے کم نہیں ہے۔

اگلے روز علی الصبح ابوحسام، زرقاوی اور ان کا تیسرا ساتھی ایک کار کے ذریعے "الانبار" کی طرف عازم سفر تھے۔

■ ■ ■

کرنل مائیک گہری نیند سو رہا تھا، عام حالات میں بھی اس کے ماتحت اس کے نزدیک نہیں پھٹکتے تھے نیند میں تو اسے جگانے کا خطرہ کوئی مول لے نہیں سکتا تھا۔ کرنل مائیک کے سونے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا وہ کئی کئی ہفتے راتوں کو جاگتا اور دن میں کسی وقت بھی دو چار گھنٹے سو کر بظاہر اپنی نیند پوری کر لیتا تھا۔ آج بھی کچھ ایسی ہی بات تھی اور وہ علی الصبح اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود بیڈروم میں سونے کے لئے گیا تھا اس کا ماتحت کیپٹن سگو بڑی مستعدی سے اپنی ڈیوٹی پر جما ہوا تھا۔ اس کمرے میں دو سیٹلائیٹ فون، ایک طاقتور ٹرانسمیٹر، وائرلیس اور دو تین ایسے جدید کمیونیکیشن سسٹم نصب تھے جو شاید امریکی فوج کے استعمال میں بھی نہیں آتے تھے۔

اچانک ہی سیٹلائیٹ فون پر اسے ایکس ون کی کال آ گئی۔ "ایکس ون" کی آواز اس کے کانوں میں آتے ہی کیپٹن سگو کے جسم کی ساری رگیں تن گئیں۔ "ایکس ون" کرنل مائیک کا سب سے زیادہ چہیتا سورس تھا جو کبھی عراق، کبھی اردن اور کبھی شام میں آپریٹ (Operate) کرتا تھا یہ کال شام سے کی جا رہی تھی۔

"یس......!" کیپٹن سگو نے بڑی مستعدی سے جواب دیا۔

"مجھے ڈیڈی سے بات کرواؤ......؟"

دوسری طرف سے ایکس ون نے کرنل مائیک کے لئے کوڈ استعمال کیا یہ کوڈ صرف ایکس

ون ہی استعمال کر سکتا تھا۔

"اگر میسج بہت ضروری نہیں ہے تو آپ کچھ دیر بعد فون کر لیں...... وہ ابھی سوئے ہیں۔"

اس نے اپنی دانست میں احتیاط برتی تھی لیکن دوسری طرف سے اسے بری طرح ڈانٹا گیا۔

"ڈیم اٹ جلدی کرو۔"

مخاطب نے اتنی زور سے چیخ کر یہ فقرہ کہا کہ کیپٹن سگو کو اپنے کان کا پردہ پھٹنے کا خوف دامن گیر ہوا۔

"او۔ کے......! او۔ کے......!"

اس نے گھبراہٹ میں کہا اور فون ہولڈ کر کے وہ دروازے کی طرف گھوما جس سے ملحقہ دروازہ کرنل مائیک کے بیڈروم میں کھلتا تھا۔

کیپٹن سگو کمرے میں داخل ہوا تو کرنل مائیک واقعی گہری نیند سو رہا تھا اس نے کپکپاتے ہوئے اس کا پاؤں ہلایا۔

کرنل مائیک یوں چونک کر اٹھا جیسے اس نے سوتے میں بجلی کی ننگی تاروں کو چھو لیا ہو۔

"Yes" اس نے غصے اور نیند سے بوجھل آواز میں کہا۔

"سر......! ایکس ون۔" بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرے کرنل مائیک یوں بستر سے نکلا جیسے بستر میں لگے سپرنگوں نے اسے ہوا میں اچھال دیا ہو۔ اس نے صرف نیکر اور بنیان پہن رکھی تھی اور اس حالت میں اپنے کنٹرول روم میں پہنچ گیا جہاں سیٹلائیٹ فون پر ابھی تک ایکس ون موجود تھا۔

"دس اس ڈیڈی This is Dady"

اس نے فون اٹھاتے ہی کہا اور دوسری طرف سے ایکس ون کی بات سننے لگا جوں جوں ایکس ون بات کر رہا تھا کرنل مائیک کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کانوں میں سیسہ انڈیلا جا رہا ہو۔

"تمہیں یقین ہے ناں......؟"

اس نے صرف ایک سوال کیا اور دوسری طرف کا جواب سن کر فون بند کر دیا۔

"او مائی گاڈ......!"

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا یہ خبر اس کے اعصاب پر ٹائم بم کی طرح پھٹی تھی کہ الزرقا
شام کی سرحد عبور کر کے عراق پہنچ گیا ہے۔ ایکس ون تھا تو عربی نژاد عیسائی لیکن اس کی اطلاع آ
تک غلط ثابت نہیں ہوئی تھی۔ وہ شام کی فوج کے سپیشل انٹیلی جنس یونٹ میں بطور کرنل اپنے فرائ
انجام دے رہا تھا لیکن گزشتہ آٹھ سال سے سی آئی اے کے لئے کام کر رہا تھا۔ اس کے کام
نوعیت کے پیش نظر اسے "وی آئی پی" کی حیثیت حاصل تھی اور سی آئی اے اس کی فراہم کر
اطلاعات پر آنکھیں بند کر کے یقین کیا کرتی تھی۔

"ایکس ون" نے کرنل مائیک کو بتایا تھا کہ پیرس سے انہیں الزرقاوی کی موجودگی اور لبن
کے راستے سے شام میں داخل ہونے کی اطلاع ملی تھی اس نے پورے یقین سے کہا تھا کہ اس
"سورس" کبھی غلط نہیں ہو سکتا اس سے پہلے کہ وہ الزرقاوی تک خود رسائی حاصل کرتا وہ ا
ٹھکانے سے غائب ہو گیا اور آخری اطلاع کے مطابق وہ سرحد عبور کر کے عراق میں داخل ہو
ہے۔

* * *

کرنل مائیک کے لئے ابوزرقاوی کی آمد کسی دھماکے سے کم نہیں تھی یہ دھماکہ اس ٹائم بم کی طرح تھا جو کرنل مائیک کے اعصاب پر بالکل ایسے ہی پھٹا تھا جیسے کل اچانک بغداد کی شاہراہوں پر مختلف نوعیت کے بم پھٹنے شروع ہو گئے تھے۔ کرنل مائیک اس وقت بے چینی سے اپنے کمرے کے چکر لگا رہا تھا اور کیپٹن سگو کونے میں رکھی میز پر بیٹھا حیرت سے اپنے باس کو دیکھ رہا تھا۔ کیپٹن سگو کے لئے کرنل مائیک کا اس طرح پریشان ہونا کسی عجوبہ سے کم نہیں تھا۔ وہ گزشتہ تین سال سے سی آئی اے کے ایس ایف یعنی سپیشل فائٹنگ یونٹ کی طرف سے بطور خاص کرنل مائیک کے ساتھ نتھی ہوا تھا اور اس نے بغداد آنے سے پہلے کرنل مائیک کے ساتھ عراق کے ہمسایہ ممالک میں بھی خفیہ مشن میں خاصہ وقت گزارا تھا۔

چلتے چلتے اچانک رک کر کرنل مائیک نے سگو کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور ٹرے میں دھرا اپنا سگار سلگانے لگا۔ سگار سلگانے کے بعد اس نے ایک لمبا سانس اندر کھینچا اور دھواں ہوا میں بکھیرتے ہوئے چلتا ہوا کمرے کے کونے میں دھری اس الماری کی طرف گیا جس میں کچھ مخصوص قسم کی فائلیں رکھی جاتی تھیں۔ الماری کا کوڈ نمبر ملانے کے بعد اس نے الماری کھولی اور اس میں سے ایک کونے میں دھری سرخ رنگ کی وہ فائل نکالی جس کے اوپر بڑے بڑے لفظوں میں Top Secret لکھا ہوا تھا۔ فائل اٹھا کر وہ اطمینان سے چلتا ہوا کیپٹن سگو کے سامنے دھری اپنی میز تک پہنچا اور سگار کے کش لیتا ہوا فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے وہ بار بار اس میں لگی ہوئی تصاویر کو دیکھ رہا تھا جو اب تک اطلاعات کے مطابق الزرقاوی کی تصاویر تھیں۔ یہ تصاویر سی آئی اے کے یورپ، بیروت اور مڈل ایسٹ میں موجود مختلف ایجنٹوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہیڈ کوارٹر کو ارسال کی گئی تھیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئی ایک تصویر

دوسری تصویر سے نہیں ملتی تھی ہر تصویر میں الزرقاوی الگ الگ روپ میں دکھائی دے رہا تھا۔کہیں وہ فرنچ انداز میں ایک جنٹلمین نظر آرہا تھا اور کہیں بالکل امریکیوں کی طرح ایک لفنگے کے روپ میں نظر آرہا تھا۔کہیں اس نے عربی لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور کہیں کوئی اور روپ اختیار کیا ہوا تھا۔

زرقاوی کے اتنے سارے روپ کمپیوٹر کی سکرینوں سے گزر کر کئی اور روپ اختیار کر کے بعد اس فائل میں منتقل ہوتے چلے گئے تھے اور ان تمام روپ میں اگر کوئی ایک چیز مشترک تھی وہ آنکھیں تھیں جنہیں کبھی بڑا اور کبھی چھوٹا کر کے اور کبھی دائیں اینگل سے اور کبھی بائیں اینگل سے سی آئی اے والے چیک کرتے رہتے تھے۔کرنل مائیک نے گہری نظروں سے ان درجنوں تصاویر کا بار بار جائزہ لیا اور انہیں فائل میں بند کرنے کے بعد سگار کا ایک لمبا کش لے کر سگو کی طرف دیکھا جو ابھی تک اس بات کا منتظر تھا کہ کب اس کا باس اسے اشارہ کرے اور وہ اس کے نزدیک آئے۔کیپٹن سگو سمجھ گیا تھا کہ کرنل مائیک کو اس کی ضرورت پیش آگئی ہے اور وہ اطمینان سے چلتا ہوا اپنے باس کے سامنے پہنچا اور میز کے سامنے دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔سوال کئے بغیر اس نے آنکھیں اٹھا کر کرنل مائیک کی طرف دیکھا جو دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے اپنے ہاتھوں میں اپنے چہرے کا پیالہ رکھے ہوئے عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں شاید اس بات کا یقین نہ آئے جو میں کہنے جا رہا ہوں......؟" کرنل مائیک نے کہا۔

"آپ کے منہ سے نکلنے والی کوئی بات کبھی عجیب نہیں رہی۔" کیپٹن سگو نے جواب دیا۔

"ممکن ہے اس مرتبہ تمہارے لئے بھی یہ نئی اور چونکا دینے والی بات ہو۔" کرنل مائیک نے کہا۔

"آل رائیٹ باس......!" کرنل نے ایک مرتبہ پھر چند ثانیے کے لئے خاموشی اختیار کی اور اپنی جگہ بے چینی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔سگو حیرانگی سے اپنے باس کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک کرنل اس کی طرف گھوما۔

"کیا تم اس بات کا یقین کر سکتے ہو کہ زرقاوی عراق میں داخل ہو گیا ہے......؟"

اس کے منہ سے یہ فقرہ کیا نکلا گویا کیپٹن سگو کو کسی نے پاؤں سے پکڑ کر فضا میں اُچھال دیا ہو۔اسے یوں لگا جیسے کہ اس کے قدموں تلے لگے سپرنگوں نے اسے اچانک اُٹھا کے کھڑا کر دیا

ہو۔

"کیا......؟ سر آپ......!" اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں......! میں نے تو تمہیں پہلے ہی یہ بات کہی تھی کہ شاید میری اس بات کا یقین نہیں آئے گا۔" کرنل مائیک نے اطمینان سے کہا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

اس نے دوبارہ فائل کھولی اور اس میں جو تصویریں جو بہت احتیاط سے الگ الگ کاغذوں پر چسپاں کی گئی تھیں سگو کے سامنے رکھنا شروع کر دیں۔انہیں غور سے دیکھو۔

"تمہیں ان میں کوئی چیز مشترک نظر آرہی ہے......؟" کیپٹن سگو بہت غور سے ایک ایک تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

"نو سر......!" اس نے سر اُٹھا کر کہا۔

"ہاں ہاں......! میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔" کرنل مائیک نے کہا۔

"سر مجھے تو تمام تصاویر میں سوائے اس کی آنکھوں کے اور کوئی چیز بھی ایک دوسرے سے ملتی جلتی دکھائی نہیں دیتی۔" کیپٹن سگو نے جواب دیا۔

کرنل مائیک نے سگو کو زرقاوی کے متعلق بتانا شروع کر دیا۔سگو کے لئے حیرانی کی بات یہ تھی کہ کرنل مائیک نے زرقاوی کی ہسٹری بہت ہی مختصر بیان کی تھی اور وہ یہ بات بھی جانتا تھا کہ کرنل مائیک بہت ذہین انٹیلی جنس ایجنٹ ہے وہ اپنے شکار کی تفصیلات اور جذبات کو جس طرح تفصیل سے بیان کرنے کا عادی ہے آج وہ تفصیل اسے یہاں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔

"یس سر......!" کیپٹن نے سر اُٹھا کر دیکھا۔

"ہاں......! یہی کچھ اس کے متعلق اس کی فائلوں میں موجود ہے۔" کرنل مائیک نے جواب دیا۔

"بڑا خطرناک آدمی لگتا ہے۔" کیپٹن سگو نے کہا۔

"ہوں......!" کرنل مائیک نے گہرا سانس لیا۔

"خطرناک تو ہے لیکن اس کا واسطہ شاید آج سے پہلے کرنل مائیک سے نہیں پڑا۔ دیکھو سگو......! یہ میرے لئے بہت بڑا چیلنج ہے جو اچانک آن پڑا ہے۔مجھے اب اپنے اس ٹارگٹ کو ہٹ کرنا ہے بہر صورت اس کی جو بھی قیمت ادا کرنی پڑے......تم میری بات سمجھ گئے ہونا۔"

اس نے کیپٹن سگو سے اس طرح یہ بات کہی جیسے کیپٹن سگو اس کی بات نہ سمجھا ہو۔

"یس سر......! یس سر......! کیوں نہیں......؟ میں بالکل سمجھ گیا ہوں اور سر......! آپ مجھے اس معاملے میں کبھی پیچھے نہیں پائیں گے۔"

دونوں کچھ دیر تک زرقاوی کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ کیپٹن سگو کے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ جس انداز میں کرنل مائیک زرقاوی کا ذکر کر رہا تھا یہ انداز اس کے لئے بالکل نیا تھا آج سے پہلے اس نے کبھی اپنے کرنل کو اس طرح پریشان نہیں دیکھا تھا جس طرح اسے آج دکھائی دے رہا تھا۔ جس سے وہ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ شخص جس کا نام زرقاوی ہے واقعی کوئی بہت بڑی مصیبت ہے جو اب ان پر نازل ہونے والی ہے یا نازل ہو چکی ہے۔

"فائل اور ہماری اب تک ہونے والی گفتگو اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔" کرنل مائیک نے گفتگو کے آخر میں ہمیشہ کی طرح مخصوص انداز میں کہا۔

"سر......!" کیپٹن سگو نے جواب دیا اور اپنی میز پر جا کے بیٹھ گیا۔

کرنل مائیک اب اس سسٹم کی طرف جا رہا تھا جس کے ذریعے وہ دنیا کے کسی بھی مقام اپنے کسی بھی ایجنٹ سے براہ راست رابطہ قائم کر سکتا تھا اس نے اطمینان سے شام، بیروت اور یورپ کے کچھ ممالک میں پھیلے ہوئے اپنے ایجنٹوں سے باری باری رابطے کئے اور انہیں مخصوص ہدایات دینے کے بعد سسٹم کو لاک کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

شیرازی اس روز عرصے کے بعد یہاں آیا تھا مسجد کے صحن میں اس کی توقع سے زیادہ لوگ موجود تھے۔ پہلے تو وہ بہت خوفزدہ ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جو کچھ انہیں کہنے جا رہا ہے اسے سنتے ہی لوگ جوتے اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دیں لیکن شیرازی جو بات انہیں کہنے جا رہا تھا وہ اب اسے سننے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکے تھے کیونکہ دشمن جو ایک عرصے سے ان کے اذہان میں مختلف نوعیت کے پروپیگنڈے کا زہر انجیکٹ کر رہا تھا وہ زہر اب ان کے اذہان میں سرایت کرنے لگا تھا۔ بغداد میں ہونے والی لوٹ مار اور اس کے حوالے سے پھیلنے والی خبریں اور چہ میگوئیاں اب ان کے لئے نئی باتیں نہیں رہی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ شہر جس کی پوری تاریخ شیعہ سنی فساد کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی وہاں پر دونوں مکتبہ فکر کے لوگوں میں یہ افواہ بڑی شدت سے پھیلائی

جا رہی تھی کہ لوٹ مار ان کا مخالف فریق کر رہا ہے۔ شیعہ سے کہا جا رہا تھا کہ لوٹ مار سنی کر رہا ہے اور سنیوں کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ لوٹ مار شیعہ کر رہے ہیں جبکہ یہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ یہ کام کرنے والا کوئی اور ہے اور یہ بات بھی بڑی حیران کن تھی کہ ابھی تک لوٹ مار کرنے والوں میں سے کوئی بھی مقامی شہری نہیں تھا۔ یہ لوگ باہر سے آئے تھے، کہاں سے آئے تھے اس کا علم ان لوگوں کو نہیں تھا کیونکہ بغداد کی مقامی آبادی اور گلی محلوں کے لوگ خصوصاً پرانے بغداد کے لوگ ایک دوسرے سے شناسا تھے اور انہیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ ایک دوسرے کے گھر کبھی نہیں لوٹ سکتے۔

شیرازی اس مسجد میں چھپتا چھپاتا پہنچا تھا اس کی وجہ اس علاقے کے عوام سے زیادہ شیرازی کے اندر خوف تھا اور وہ یہ بات جانتا تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے اگر ان کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ راستے میں اس کی تکہ بوٹی کر دیں گے۔ خود شیرازی بھی بہت ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا لیکن کرنل مائیک کے احکامات کی تکمیل کے سوا اس کے پاس کوئی راستہ باقی نہ تھا۔ سی آئی اے نے اسے آج کے دن کے لئے ہی پالا پوسا تھا اور مغربی ممالک میں عیاشی کی زندگی فراہم کی تھی۔ شیرازی مسجد میں پہنچا تو وہاں پندرہ بیس لوگ اس کے منتظر تھے یہ پندرہ بیس لوگ وہ تھے جو اردگرد کے علاقوں میں بظاہر اپنی برادری کی نمائندگی کرتے تھے اور اس بات کی بہت خاص احتیاط کی گئی تھی کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہ ہو جس سے شیرازی اپنے لئے خطرہ محسوس کرے۔ مسجد میں پہنچنے کے بعد وہ اس مخصوص کمرے کی طرف مڑ گیا جسے لائبریری کا روپ دیا گیا تھا اور جہاں عموماً اس علاقے کے لوگ میٹنگز کیا کرتے تھے۔ شیرازی کو اپنے درمیان موجود پا کر سب نے پہلے تو حیرانگی کا اظہار کیا کیونکہ وہ شیرازی کو جانتے ضرور تھے لیکن انہیں یہ امید نہ تھی کہ وہ آج ان سے ملنے کے لئے چلا آئے گا۔ طویل عرصے سے وہ اپنے ملک سے غائب ہو کر کسی مغربی ملک میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے مخاطب ہو کر کہا جو کہ شاید شیرازی کا واحد رازدار تھا اور جس نے اطمینان دلا دیا تھا کہ کم از کم مسجد میں کوئی اس پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ شیرازی نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں وہ جانتا تھا کہ جس مقصد کے لئے وہ جا رہا ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اسے پہلے طویل اور تکلیف دہ پلاننگ سے گزرنا ہو گا۔

"آپ پر اللہ کی رحمت ہو......! آپ واپس آ ہی گئے۔" مجمع سے ایک آواز سنائی دی۔

''ہاں......! اللہ نے کرم کیا اور ہمیں صدام کی حکومت سے نجات مل گئی۔ میں نے
زندگی کا ایک ایک پل آپ کے بغیر بہت اذیت سے گزارہ ہے۔''

شیرازی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا۔

''بے چینی محسوس کر رہا ہے۔'' کسی نے مجمعے میں سے سرگوشی کی۔

''ہاں......!'' ایک دوسری آواز سنائی دی۔

''دیکھو......! میں یہاں لیڈر بننے کے لئے نہیں آیا سب لوگ میرے ماضی سے آگاہ ہیں میں نے آپ کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں۔ صدام حسین کے دور میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوا مجھے یہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شیرازی نے یہ کہہ کر وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں......! ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ کو ایک سال تک جس اذیت سے گزرنا پڑا اور آپ نے صدام کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا جو بے رحمانہ تشدد برداشت کیا وہ سب ہمارے علم میں ہے۔'' اس کے ساتھیوں نے سرگوشی کی۔

''میں آپ کو اپنے احسانات یاد دلانے کے لئے یہاں نہیں آیا۔'' شیرازی نے سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا۔

''میں تو گزشتہ سات آٹھ روز سے حالات کا جائزہ لے رہا ہوں۔ یہ بات میرے لئے بڑی ہی تکلیف دہ ہے کہ بغداد کا پورا شہر ہنگاموں کی لپیٹ میں آ چکا ہے کیونکہ ہم شہر میں اقلیت میں ہیں اور دوسرے فرقے کے لوگ اکثریت میں ہیں۔ شاید وہ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ ہمارے گھر لوٹے جا رہے ہیں ہماری عورتوں کو رسوا کیا جا رہا ہے۔ ہمارے بچے سوالیہ نشان بنے ہمارے سامنے کھڑے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ کون ہیں؟ یہ سب تکریت سے آئے ہوئے غنڈے ہیں جنہیں اس مقصد کے لئے پہلے سے تیار کیا گیا ہے یہ لوگ امریکیوں کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ یہ ظلم نہیں کیا......؟ تم لوگ خاموشی سے ان کے ظلم برداشت کرتے رہو گے......؟ ایک کے بعد دوسرا گھر لٹتا رہے گا۔ آج میری اور کل کسی اور کی باری ہے کیا ہم سب تماشہ دیکھتے رہیں گے......؟ ہمیشہ کی طرح آج تک بغداد میں جو کچھ ہوا خاص طور پر ہمارے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی وجہ صدام اور اس کے بیٹے تھے۔ اب تو وہ نہیں رہے

ہوں کی طرح بلوں میں گھس کے غائب ہو چکے ہیں اس کی نام نہاد آرمی بھاگ چکی ہے۔ پھر پ لوگ خوفزدہ کیوں ہیں......؟ کیوں ڈرتے ہو تم......؟'' شیرازی نے بڑے پرجوش لہجے میں نا شروع کیا۔

''ٹھہرو ٹھہرو......!'' ایک ادھیڑ عمر کا بزرگ اٹھ کر کھڑا ہو گیا دیکھو شیرازی......! شاید تم ورتِ حال کا غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ لوٹ مار کرنے والے کون ہیں ابھی اس کی تصدیق نہیں ہو ی۔ یہاں ہمیں یہ شکایت ہے کہ یہ دوسرے فرقے کے لوگ ہیں ان فرقے والوں کو شکایت ہے لہ یہ ہمارے لوگ ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے پر الزام تراشی کی بجائے حقائق جاننے کی جستجو کرنی ہئے اور آپس میں اتحاد پیدا کر کے ان لٹیروں کا مقابلہ کرنا چاہئے یہی ہے وہ صورت حال کا اج اور یہی وہ جواب ہے جو ہماری طرف سے انہیں ملنا چاہئے۔''

''کیا چاہتے ہو تم......؟'' شیرازی کا حامی اُونچی آواز میں بولا۔

''تمہیں کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ کیا کرتے ہو تم......؟ سارا دن گھر میں پڑے رہے دفتر میں کری کی اور گھر واپس آ گئے۔ ہمیں پوچھو میرا اپنا گھر لٹ چکا ہے۔ میری بچیوں کو سڑک پر رسوا کیا گیا اور میں سب کو پہچانتا ہوں میں جانتا ہوں۔ میں نے پولیس میں بہت عرصہ نوکری کی ہے مجھے لم ہے ان لوگوں کا کیا طریقہ واردات ہوتا ہے۔ یہ لوگ کس طرح کام کرتے ہیں۔ میں سب جانتا ہوں میں تمہیں حلفاً یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ وہ سب تکریت سے آئے ہوئے وہ غنڈے ہیں جنہیں صدام کے بیٹوں نے اس مقصد کے لئے عرصے سے پالا پوسا ہوا تھا اور جنہوں نے امریکی وج کے یہاں آتے ہی بجائے امریکی فوج کا مقابلہ کرنے کے اپنے ہی لوگوں کے خلاف گھناؤنی رکتیں شروع کر دیں۔''

''دیکھو......! اگر تم آپس میں الجھنے لگو گے تو معاملات اور خراب ہو جائیں گے کم از کم ہمیں آپس میں تو کسی بات پر متفق ہو جانا چاہئے......اور ہاں بزرگوار......!''

شیرازی نے تھوڑی دیر پہلے ٹوکنے والے بزرگ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میری کسی اطلاع کو آپ غلط نہ سمجھیں میں عراق سے دور فرانس میں جلاوطنی کی زندگی ضرور کاٹ رہا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہاں سرگرم عمل مجاہدین سے میرا رابطہ نہیں رہا۔ میں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ ہم لوگ طویل عرصے سے صدام حسین سے نجات

حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششوں میں لگے ہوئے تھے یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا موقع نہ مل سکا اور وہ وسائل میسر نہ آسکے جن کی بناء پر ہم اسے چیلنج کرتے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ گزشتہ بارہ سال میں ہمارے جن سینکڑوں ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا اس کا جرم کیا تھا......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے بزرگ کی طرف دیکھا جو اب قدرے شرمندہ سا محسوس کرنے لگا تھا محض اس بات پر کہ اس نے سچ بولنے کی کوشش کی تھی۔

''ان کا جرم یہی تھا کہ وہ حقوق کے لئے لڑ رہے تھے مر رہے تھے اور مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے اس وقت ہم سب تماشا دیکھ رہے تھے، کیا ہم سب کی نظروں کے سامنے انہیں رات کی تاریکی میں اور دن کے اجالے میں صدام کے پالتو غنڈے انہیں گھروں سے اٹھا کر نہیں لے گئے......؟ کیا ان کے جسموں کے مختلف ٹکڑے کر کے انہیں نہیں واپس لوٹایا گیا......؟ کتنے خوش قسمت ایسے تھے جن کی لاشیں مکمل وصول ہوئیں......؟ بہر حال میں ماضی کی تاریخ دہرانا نہیں چاہتا مجھے اس بات کی قطعاً خوشی نہیں ہے کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے یہ بات اس علاقے میں مذہبی رہنما کی حیثیت سے میرے لئے تکلیف دہ ہے کہ جو کام ہمیں کرنا چاہئے وہ کام امریکہ کے فوجیوں نے کیا۔ اس کی وجہ بھی ہماری بزدلی ہے۔ یاد رکھیے......! اگر آپ اسی طرح بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ دوبارہ صدام حسین کے وہی پروردہ لوگ ہم پر قابض ہو جائیں گے۔ وہ ہمیں اپنے مذہبی شعائر بھی اپنی مرضی سے ادا نہیں کرنے دیں گے۔''

شیرازی گرگ جہاندیدہ تھا اپنی بات ادھوری کہہ کر اس نے ایک لمحے کے لئے رک کر وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں پر بار بار نظر دوڑائی اور ان کے چہروں سے ان کے دل کا حال جاننے کی کوشش کی۔ ایک جھلک سے وہ سوالیہ نشان دیکھ لئے تھے جو شاید کسی عام انسان کی نظروں میں نہیں آسکتے تھے۔ شیرازی سمجھ گیا کہ ان لوگوں کو ذہنی طور پر کرنل مائیک کے کام کے لئے تیار کرنے میں اسے بہت محنت کرنی پڑے گی اور دوسری طرف کرنل مائیک اس کے اعصاب پر ایک عذاب کی طرح سوار تھا جس کام کے لئے گزشتہ دس سال سے سی آئی اے اسے پال رہی تھی اسے وہ بہر حال کام پورا کرنا تھا اور اس سے کوئی فرار کی راہ ممکن نہ تھی۔ حالات اب اس کی مرضی کے تابع نہیں رہے تھے۔ اب سب کچھ کسی اور کی مرضی پر منحصر تھا اور وہ تھا کرنل مائیک۔

''مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ براہِ کرم اپنی مذہبی عبادت گاہوں کا دھیان کیجئے۔ ہماری اما

بارگاہیں غیر محفوظ ہیں۔ ان پر امریکی حملہ نہیں کر رہے بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ امریکیوں نے ہمیں کچھ نہیں کہا بلکہ یہ تکریتی حملہ کر رہے ہیں اور ہمیں انہیں حملہ آوروں سے بچانا ہے۔'' اس نے مجمع کا موڈ پہچانتے ہوئے اپنی اگلی بات کہہ کر اپنی دانست میں آج کی محفل برخاست کر دی تھی۔

''اب میں چلتا ہوں مجھے اور بھی کام نمٹانے ہیں۔ فی امان اللہ......!'' اس نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا اور جس طرح تیزی سے اندر آیا تھا اسی طرح دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

''دماغ تو خراب نہیں ہو گیا......؟''

''کیسی بات کر رہا ہے......؟''

''آج تک تو ایسا نہیں ہوا اب یہ اچانک خطرہ کیسے کھڑا ہو گیا......؟''

''بات تو اس کی دل کو لگتی ہے۔''

''ہاں......! کافی حد تک اس نے صحیح باتیں کی ہیں۔''

شیرازی کے جانے کے بعد لوگ اپنے مخصوص انداز میں اس کی مختصر سی تقریر پر تبصرہ کر رہے تھے جس سے یہ بات تو ظاہر تھی کہ بہر حال وہ رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا ہے۔ شیرازی محفوظ کمرے میں موجود تھا جب اس نے مجمعے میں موجود لوگوں کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو اپنے ہینڈ بیگ میں رکھے سیٹلائیٹ فون کو اس نے باہر نکالا اطمینان سے کرنل مائیک کا نمبر ملایا اور سلسلہ ملنے پر صرف ایک مختصر سا جملہ کہہ کر فون آف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی تیزی سے اس کمرے کے بغلی دروازے سے نکل کر مسجد کے اس چھوٹے سے دروازے کی طرف گیا جو عموماً یہاں کے خطیب کی آمد و رفت کے لئے بنا ہوا تھا جو قبرستان کی طرف کھلتا تھا۔ دروازہ کھول کر اطمینان سے شیرازی قبرستان میں گھس گیا اور وہاں سے چلتا ہوا اس کار تک پہنچا جو کہ قبرستان کے دوسرے کونے پر اس کی منتظر تھی۔

شیرازی کے ساتھ میٹنگ کے لئے آنے والے تمام لوگ ایک گروپ کی شکل میں مسجد سے باہر نکل رہے تھے ابھی یہ لوگ مسجد سے بمشکل پانچ دس گز کے فاصلے پر پہنچے تھے جب ایک انتہائی تیز رفتار کالے شیشوں والی کار بی ایم ڈبلیو ان کے پاس آکر رکی جس میں موجود دو نقاب پوشوں نے اپنی بندوقیں ان کی طرف سیدھی کیں اور بے رحمی سے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ یہ فائرنگ

اتنی جان لیوا ثابت ہوئی کہ پلک جھپکنے میں چھ بندے ڈھیر ہو گئے۔ باقی زمین پر پڑے زخموں سے کراہ رہے تھے۔ مارنے والوں کو جو ٹارگٹ دیا گیا تھا انہوں نے اپنا وہ ٹارگٹ شاید حاصل کر لیا کیونکہ قریباً دو منٹ تک موت کا بازار گرم کرنے کے بعد جس برق رفتاری سے وہ آئے تھے اسی برق رفتاری سے وہ وہاں سے نکل گئے حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک آرمڈ کار میں موجود امریکی فوجی یہ سارا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے انہوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی اور جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ حملہ پلاننگ کے تحت کیا گیا ہے اور اس پلاننگ کی پشت پر کرنل مائیک کا شیطانی ذہن کارفرما تھا۔

کرنل مائیک یہ بات جانتا تھا کہ شیرازی لاکھ چرب زبانی کا مظاہرہ کرے لیکن وہ ان لوگوں کو اتنی جلدی اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتا، اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ڈرامائی صورت حال پیدا کرنا بہت ضروری تھا۔ ڈرامائی صورت حال تبھی پیدا ہو سکتی تھی کہ جب کہ ان لوگوں کو کسی ایسے جانکاہ حادثے سے دوچار کیا جائے جو ان کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دے۔

کرنل مائیک اپنے اسے گھناؤنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ زمین پر گرے ہوئے زخمیوں کو اٹھانے کے لئے قریباً پانچ سات منٹ کے بعد دو ایمبولینس پہنچ گئیں جنہوں نے زخمیوں کو اُٹھایا اور ہسپتال پہنچایا۔ سارے راستے یہ لوگ عربی زبان میں حملہ آوروں کو کوستے رہے اور ہسپتال پہنچنے تک ان کی زبان پر ایک ہی بات گردش کر رہی تھی۔ حملہ ان کے مخالف نکتہ نظر کے لوگوں نے کیا ہے اور یہی بات شیرازی ان کے منہ سے کہلوانا چاہتا تھا۔ چند منٹوں کے اندر بغداد کے گلی کوچوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ امام بارگاہ پر حملے میں شیعہ مکتبہ فکر کے لوگوں کے پانچ اہم اور سرکردہ لوگ جاں بحق ہو گئے جبکہ باقی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اس خبر نے جلتی پر تیل کا کام کیا کہ خبر پھیلانے والوں نے اس کے ساتھ یہ بات بھی پھیلا دی کہ حملہ آور امریکی نہیں بلکہ اپنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے وہاں مذہبی نعرے لگا کر اپنی شناخت بھی کرا دی ہے اور یہ لوگ اس بات کا اعلان بھی کر گئے ہیں کہ اب عراق میں اگر کوئی حکومت بنے گی تو وہ سنیوں کی ہوگی۔

کرنل مائیک اپنے آپریشن روم میں اس خبر کا بڑی بے چینی سے منتظر تھا شام تک یہ بات مختلف ذرائع سے اس کے پاس پہنچ چکی تھی کہ ان لوگوں کا حملہ کافی حد تک کامیاب رہا ہے اور مطلوبہ نتائج بھی بہت جلد حاصل کر لیں گے۔ یہ بات کافی حد تک صحیح تھی کہ بغداد میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی لیکن کرنل مائیک جس طرح کی توقعات وابستہ کئے بیٹھا تھا وہ ابھی پوری ہوتی

دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔اس کی وجہ صدیوں سے مختلف مکاتب فکر کے مسلمانوں کا آپس میں سلوک تھا اور یہاں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔البتہ اگلے دن کرنل مائیک نے اپنے دوسرے مہرے کو آگے بڑھانا تھا اور اس کے لئے اس نے الگ ہی منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔شام کو جب وہ اور کیپٹن سگو بیٹھے آپس میں پورے دن کی کارروائی کا جائزہ لے رہے تھے مائیک کے دائیں ہاتھ پر رکھے انٹر کام نے اس کے دوسرے شکار کی آمد کی اطلاع دی۔

اس نے صرف دو الفاظ کہہ کر فون کریڈل پر رکھ دیا اور کیپٹن سگو سے مخاطب ہوا۔

''جاؤ......! اس کے لئے بہت اچھی چائے کا بندوبست کرنا اور اس بات کا خیال رکھنا یہ لوگ کھانے پینے کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور ان کے صرف شوق ہی پورے کرتے رہیں تو بھی ہم کافی حد تک اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرسکیں گے۔''

''کیوں نہیں سر......! کیوں نہیں سر......!''

کیپٹن سگو نے اپنے باس کی ہاں میں ہاں ملائی اور خاموشی سے بغلی دروازے سے دوسرے کمرے میں داخل ہوگیا اگلے ہی لمحے ابوسرمد دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا

''ہیلو...... ہیلو......!''اس نے اچانک کھڑے ہوکر بڑی گرمجوشی سے ابوسرمد کا استقبال کیا اور اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا اس سے گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے ابوسرمد کو اپنے سامنے والی کرسی پر بٹھالیا۔

''سناؤ......! کیسے ہو......؟''کرنل نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''جناب والا......! آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔''ابوسرمد نے معمول کا جواب دیا۔

''دیکھو ابوسرمد......! یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ممکن ہے کسی بات سے متاثر بھی جاؤں لیکن جن لوگوں کو میں جواب دہ ہوں وہ باتوں کی بجائے عمل سے متاثر ہوتے ہیں اور جب تک تم کوئی عملی کارروائی نہیں کرو گے تب تک میں انہیں کیسے مطمئن کروں گا۔دیکھو نا آخر ہمارے پرانے دوست ہو ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برا بہت سا وقت گزارا ہے اور اس وقت کی اچھی اور بری یادیں بھی ہم دونوں کے پاس محفوظ ہیں۔''کرنل مائیک نے قدرے سنجیدہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوکر کہا۔

''لیکن میں نے تو خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔''ابوسرمد نے کہا۔

کرنل مائیک نے اس کو بظاہر مطمئن کرنے کے لئے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

''میں تو تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب ہمیں باتیں نہیں ایکشن چاہئے ایکشن۔تم نے مثال تو سنی ہوگی نا کہ عمل باتوں سے کہیں زیادہ زوردار شور آور ہوتا ہے۔دیکھو ابوسرمد!تمہارے لئے بہت سے انعامات رکھے گئے ہیں بہت سے بڑے بڑے انعامات تمہارے منتظر ہیں۔اگر تم ہمت کرو تو کچھ عجب نہیں کہ عراق کی بننے والی اگلی حکومت میں تم کسی اہم عہدے پر فائز ہوجاؤ۔اب میرا مقصد یہی ہے تم تو یہ بات جانتے ہو۔میں تمہارا دوست ہوں اور دوست کے حوالے سے تمہاری ترقی چاہتا ہوں۔تمہیں کسی بڑے منصب پر بیٹھا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں آخر دوستی کے بھی تو کچھ تقاضے ہیں نا......!''

کرنل مائیک نے آخری بات اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح کی تھی کہ ابوسرمد کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک تیز سرسراہٹ کا احساس ہوا اور وہ سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟'' اس نے بظاہر اپنے حواس پر قابو پانے کے لئے دو الفاظ کی تکرار کی۔

بغلی دروازہ کھلا۔کیپٹن سگو خود ٹرالی میں چائے اور لوازمات رکھے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے بالکل عربوں کے سے انداز میں جھک کر بڑی گرمجوشی کے ساتھ ابوسرمد سے مصافحہ کیا اور دونوں کے سامنے چائے اور لوازمات سجانے لگا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی......؟''ابوسرمد نے بظاہر یہ فقرہ ماحول پر چھائی سنجیدگی کو بدلنے کے لئے کہا تھا۔

''کچھ بھی نہیں میرے دوست یہ تو کچھ بھی نہیں ہمارے درمیان موجود محبت کا ایک دوسرے کو احساس دلانے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے اور وہ دور بہت جلد آنے والا ہے جب تمہارے بڑے سے دسترخوان پر بیٹھ کر ہم ناؤنوش کی محفلیں سجایا کریں گے۔''

کرنل مائیک نے بظاہر مسکراتے ہوئے ابوسرمد سے کہا۔

''اوہو......! مجھے تو اب یاد آیا کہ آپ نے دو روز پہلے اس حوالے سے کچھ وعدہ بھی مجھ سے کیا تھا۔''ابوسرمد کی ناؤنوش کے نام پر رال ٹپکنے لگی تھی۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ بھئی......! سگو جاؤ اور وہ وائین اور وسکی کی دونوں

بوتلیں نکال کر لاؤ جو ہم نے اپنے دوست کے لئے کل ہی خصوصی فلائیٹ سے امریکہ سے منگو
ہیں۔

"جی سر......! لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر کیپٹن سگو اُٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہ کیپٹن سگو کے لئے ایک اشارہ بھی تھا کہ اب یہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی اور کر مائیک کوئی خصوصی بات کرنا چاہتا ہے اور اسے کچھ وقت بھی دیا گیا تھا جس میں اس نے ابو کے لئے دو بوتلوں کا بندوبست بھی کرنا تھا۔

"ہم نے تمہارا آدھا کام کر دیا ہے ابوسرمد......!" کرنل مائیک نے چائے کا ایک کپ کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اگر یہ بات کرنل مائیک نہ بھی کہتا تو بھی ابوسرمد کو اس بات کی اچھی طرح سمجھ آ جاتی کہ اس نے اپنی آنکھیں اور کان کبھی بند نہیں کئے تھے اور وہ بغداد کی گلی کوچوں سے گزر کر یہاں پہنچا تھا ان گلی کوچوں میں یہ افواہیں بڑی تیزی کے ساتھ گردش کر رہی تھیں اور لوگوں نے لاشوں کی پچاس لاشیں بنا دی تھیں اور یہ بات برملا کہی جا رہی تھی کہ کوئی ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے ایک خاص مکتبہ فکر کے لوگوں کو چن چن کر اپنا نشانہ بنا رہا ہے اور کرنل مائیک کے منہ سے جب بات نکلی تو ابوسرمد فوراً سمجھ گیا کہ اس کا دوست کس طرف اشارہ کر رہا ہے۔

"ہاں ہاں......! ویل ڈن......! ویل ڈن کرنل......! میں نے بغداد کی گلی کوچوں م آوازیں اور شور سن لیا ہے جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو۔" اس نے مائیک کی ہاں میں ہاں ملاتے ہو کہا۔

"بس......! اب تمہیں کس بات کا انتظار ہے دیکھو! تمہیں پیسے اور اسلحے کی کوئی کمی آئے گی اور ہماری مکمل پشت پناہی تمہیں حاصل ہے۔ عراق کی سڑکوں پر تم اپنا ہر عمل آسانی کرنے کے لئے آزاد ہو۔ اگر اب بھی تمہاری طرف سے اچھی خبر نہ ملے تو ہماری دوستی شاید حالت میں قائم نہ رہ سکے۔"

کرنل مائیک کے فقرے کا آخری حصہ ابوسرمد کے لئے چونکا دینے والا تھا اس نے گزشتہ طویل رفاقت میں جو اس کے اور کرنل مائیک کے درمیان موجود تھی کرنل مائیک کے اندازہ کرنے کا ایک خاص پیمانہ مقرر کر رکھا تھا اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ کرنل ما

ب کیا چاہتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کہاں تک جا سکتا ہے۔

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ اب تم دیکھو گے...... میں تمہاری توقعات پر کیسے پورا تا ہوں۔" ابوسرمد نے کہا۔

کرنل مائیک اپنی جگہ سے اُٹھ کر گھوما اور گھوم کر ابوسرمد کی طرف آ گیا۔

ابوسرمد اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا صرف اس نے گردن مائیک کی طرف گھمائی ہوئی تھی مائیک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

"دیکھو ابوسرمد......! میں اب تمہیں کچھ ٹارگٹس دینے والا ہوں۔ ایک ایک کر کے تمہیں یہ رگٹس ہٹ کرنے ہیں۔ اسے اپنی ڈیوٹی سمجھنا، مجھے ہائی کمان سے اس کا حکم ملا ہے اور اس کی تعمیل ے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ مجھے تم سے یہی امید ہے کہ اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی کے مرتکب نہیں ہو گے۔"

اچانک اس نے اپنا ہاتھ سرمد کے کندھوں سے اٹھا لیا اور اب کچھ فاصلے دیوار پر آویزاں داد کے نقشے کی طرف چلا گیا۔

"ادھر آؤ......! میرے قریب......!" اس نے ابوسرمد سے کہا جو چلتا ہوا کرنل مائیک کے دیک آ گیا تھا۔

کرنل مائیک نے میز پر دھری چھوٹی سی چھڑی اٹھائی اور نقشہ پر پہلے سے نشان زدہ ایک نام پر چھڑی کی نوک رکھتے ہوئے اپنا چہرہ ابوسرمد کی طرف گھمایا اور کہا۔

"ابوسرمد......! یہ ہے تمہارا پہلا ٹارگٹ۔" کرنل مائیک نے ابوسرمد کے چہرے پر نظریں اڑتے ہوئے کہا۔

ابوسرمد نے قریب ہو کر جب اس جگہ کا نام پڑھا تو ایک لمحے کے لئے ٹھرا کر رہ گیا ایک ہائی متبرک اور مبارک مسجد کو نشانہ بنانے کی کرنل مائیک اسے تلقین کر رہا تھا اور اس تلقین کے پس ت وہ دھمکی ابوسرمد کو احساس دلانے کے لئے کافی تھی کہ اس کی اوقات کیا ہے۔

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟" ابوسرمد نے کہا۔

"بس......! تم یہ سمجھو کام ہو گیا۔"

"ٹھیک ہے......! جس چیز کی ضرورت ہو بلا تکلف مجھے کہہ دینا۔"

کرنل مائیک نے چھڑی میز پر رکھ دی اور اب دونوں کھڑے ہو کر باتیں کر رہے تھے کرنل

مائیک کچھ دیر تک بغداد سے متعلق اپنی پوزیشنیں اور دوسری اونچ نیچ سے آگاہ کرتا رہا اور اس
ابوسرمد کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ آئندہ طویل عرصے تک امریکن فوجیں یہاں قابض رہیں
اور اب بغداد میں جو بھی حکومت بنے گی امریکیوں کی مرضی سے ہی بنے گی اور اس میں وہی لو
شامل ہوں گے جو امریکیوں کے پسندیدہ یا پروردہ ہوں گے اور ابوسرمد بھی ان میں سے ایک تھا

"ٹھیک ہے......! اب تم جاؤ......! کیپٹن سگو نے تمہاری پسندیدہ بوتلیں تمہاری گا
کی ڈگی میں رکھوادی ہیں اور مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ جب ضرورت ہوگی میں تم
خود رابطہ قائم کرلوں گا اور ہاں تم میری بات کو سمجھ گئے ہونا۔"

کرنل مائیک نے آخری تین الفاظ کچھ اس انداز میں کہے تھے جیسے ابوسرمد سے کہہ رہا ہ
اگر میرے احکامات پر عمل نہ ہوا تو ابوسرمد کو بدترین نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

کرنل مائیک سے ہاتھ ملا کے وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا جہاں
فاصلے پر کیپٹن سگو اس کا منتظر تھا۔

"ہیلو سر......!"

اس نے ابوسرمد کو دیکھتے ہی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی اور اس کی طرف مصافحے
لئے ہاتھ بڑھایا اور ایک دفعہ پھر دونوں گرمجوشی سے مصافحہ کر رہے تھے۔

"آئیے......! میں آپ کو آپ کی گاڑی تک لے چلوں۔"

کیپٹن سگو اسے پارکنگ میں اس محفوظ جگہ پر لایا جہاں صرف امریکیوں کی گاڑیاں
پارک ہوسکتی تھیں لیکن ابوسرمد کو خصوصی اجازت کے ساتھ یہاں تک اپنی گاڑی لانے کی اج
تھی۔

"سر......! آپ کے حکم کی تکمیل ہوگئی ہے۔" کیپٹن سگو نے اس کی گاڑی کے اندر جھا
کر کہا۔

"ہاں......! مجھے کرنل مائیک نے بتادیا تھا۔" ابوسرمد نے اس انداز میں جواب دیا
بھی کیپٹن سگو کو کرنل مائیک کی طرح جونیئر سمجھ رہا تھا۔

"ایک خوبصورت اور شاندار دن کی خواہش کے ساتھ۔" کیپٹن سگو نے اسے رخصت

ابوسرمد اپنی گاڑی میں بیٹھا اور جس طرح گاڑی چلاتا ہوا یہاں تک آیا تھا اسی طرح پراسرار
ازمیں یہاں سے واپس چلا گیا۔ اب اسے اگلے دوروز میں کرنل مائیک کے حکم کی تعمیل کرنا تھی۔
س کے لئے اس نے پہلے ہی سے کچھ سماج دشمن عناصر کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں یہ وہ لوگ
تھے جو جرائم پیشہ تھے اور جنہیں اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا کہ ان سے کام لینے والا کون ہے اور
ن سے کیا کام لیا جارہا ہے اور اس کام کا انجام کیا ہوگا۔ انہیں صرف اپنے مطلب سے غرض تھی
ہیں پیسہ چاہئے تھا اور شراب چاہئے تھی جو ابوسرمد کی طرف سے انہیں بروقت مہیا کر دی جاتی
ی۔ معاشرے میں ان کو تحفظ حاصل تھا ان کی غنڈہ گردی اور لوٹ مار پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

اور یہی وہ چاہتے تھے۔

ابوسرمد اپنے ٹھکانے پر پہنچا اس کی آمد سے پہلے ہی اس کے دو ساتھی ابوسرمد کے منتظر تھے۔
نوں کی رال ابوسرمد کی گاڑی پر نظر پڑتے ہی ٹپکنے لگی تھی۔ ابوسرمد نے انہیں بطور خاص آج
صوصی دعوت پر بلایا تھا جس کا آغاز شام کے بعد ہونے والا تھا۔

شام اب بغداد پر اُترنے لگی تھی۔

شامِ غریباں بغداد کا مقدر بننے جارہی تھی اور یہ مقدر کاتب تقدیر کی طرف سے نہیں بلکہ
غداد کے کچھ ناخلف بیٹوں کی طرف سے لکھا اور بنایا جارہا تھا جو گمراہ ہو چکے تھے۔ جو اپنی چند سفلی
خواہشات کے عوض اپنے دینی تشخص سے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے اور جنہیں اس بات کا اندازہ
نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کرنے جارہے ہیں اس کی کیا قیمت ان کی آنے والی نسلوں کو چکانی پڑے گی۔

شام ڈھلتے ہی بغداد شہر کرفیو کی گرفت میں آ جاتا تھا۔ مغرب کی اذان کے بعد بغداد کی
سڑکوں پر نظر آنے والوں کو امریکیوں کی طرف سے گولی مار دینے کے احکامات جاری ہو چکے تھے۔
ان احکامات کے پس منظر بغداد کو لٹیروں سے نجات دلانا نہیں بلکہ کافی حد تک لٹیروں کو کور مہیا کرنا
تھا تاکہ وہ اطمینان سے اپنا کام کرتے رہیں اور اس کی ان حرکات پر جو چیختے اور چلاتے تھے شام
کے بعد ان کا چیخنا چلانا بھی گھروں کی دیواروں سے باہر آ کر امریکی فوجیوں کو ڈسٹرب نہ کرے۔
مغرب کی اذان کے خاتمے کے ساتھ ہی ابوسرمد کی اس قلعہ نما رہائش گاہ کے ایک محفوظ کمرے میں
وہ شیطانی کھیل شروع ہوگیا جو قدیم بغداد کے قہوہ خانوں کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ بغداد کے نواحی
علاقے سے آئی ہوئی ایک مغنیہ نے رباب کو چھیڑا، دوسری نے اپنی آواز کا جادو جگانا شروع کیا اور

تیسری نے آواز کے زیر و بم کے ساتھ ساتھ اپنے جسم کا لوچ نمایاں کرنا شروع کیا اس کی جسما
حرکات انتہائی اشتعال انگیز تھیں اور ابوسرمد کے ساتھیوں کا یہ اشتعال اس ہوس میں تبدیل ہو
لگا اس ہوس کو انکی آتش شوق کو کرنل مائیک کی طرف سے دی گئی دو بوتلوں میں موجود سیال ماد
نے اور بھڑکا دیا اور تھوڑی دیر گزرنے کے بعد ہی ان پر شیطانیت مکمل غالب آ چکی تھی۔

"ٹھیک ہے......! تم لوگ رات کے چار بجے تک آرام کرو چار بجے کے بعد تمہارا کا
شروع ہو جائے گا۔"

ابوسرمد نے اپنے دونوں ساتھیوں کو سرگوشی کے انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا اور لڑکھڑا
ہوئے ایک مغنیہ کی طرف بڑھا اور اس کا بازو پکڑ کر اپنے کمرے کی راہ لی جبکہ اس کے دو
ساتھیوں نے بھی الگ الگ سے یہی عمل دہرایا تھا۔

صبح کاذب کی روشنیاں نمودار ہو رہی تھیں جب ابوسرمد کے ایک خادم خاص نے دونوں
بیہوش نوجوانوں کو بستروں سے باہر کھینچا اور انہیں غسل خانوں میں دھکیل دیا یہاں سے اگلے پ
بیس منٹ میں وہ تیار ہو کر باہر آ گئے۔ دونوں باہر آئے تو ابوسرمد ان کا منتظر تھا۔ تیز قہوہ پینے کے
وہ اپنے آپ کو خاصا تازہ دم محسوس کرنے لگے تھے۔ ابوسرمد نے ایک مرتبہ پھر انہیں بریفنگ
اور دونوں کو دو چھوٹے چھوٹے پیکٹ تھما دیئے جس کے بعد دونوں انہیں سنبھالتے ہوئے اس
میں آ کر بیٹھ گئے جو پہلے سے ہی اس قلعہ نما گھر کے پورچ میں ان کی منتظر تھی۔ کار ڈرائیور نے
کے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہی کار کا انجن سٹارٹ کیا۔ گھر کا بڑا دروازہ کھلا اور رات کے دم توڑ
اندھیروں میں کار بغداد کی سڑکوں پر دوڑتی چلی گئی۔ بغداد کی مساجد سے اللہ کی کبریائی کا اعلان
رہا تھا۔ اذان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں جو اس بات کا ثبوت تھا کہ یہاں اللہ ہی کی حاکمیت ہ
قائم رہنے والی ہے اور دُنیا میں جو بھی انسان خدا بننے کی کوشش کرے گا اس کے لئے بالآخر فنا
ہمیشہ قائم رہنے والی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے۔

بغداد کی سڑکوں پر اب اکا دکا ٹیکسیاں اور کاریں بھاگتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ سڑک
جہاں کبھی ان اوقات میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی سنسان اور کسی اجاڑ قبرستان کا منظر
کر رہی تھیں۔ سڑکوں کے دونوں رویہ موجود شاید ہی کوئی ایسی بلڈنگ تھی جو امریکی بمباری

لامت رہ گئی ہو یا بعد میں امریکن گولہ باری سے سلامت رہی ہو۔ سڑکوں پر صرف وہی لوگ
ائی دے رہے تھے جن کے لئے سڑک پر آنا ناگزیر تھا۔ پھر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود
ریکن بکتر بند گاڑیوں میں بیٹھے امریکن فوجی اور کہیں کہیں کسی کونے میں کھڑا ہوا کوئی امریکن
نک۔

ان ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور ان اکا دکا کاروں کے درمیان سے تیز رفتاری سے راستہ بناتی
ئی ان کی کار اس محفوظ مقام تک پہنچ گئی جو آج ان کی بدبختی کا نشانہ بننے والا تھا۔ یہ بغداد کی وہ
ظیم الشان مسجد تھی جسے مسجد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بغداد کے قلب
ں موجود اس مسجد میں سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان نماز کی ادائیگی کے لئے ان حالات میں بھی
یا کرتے تھے گو کہ پچھلے کچھ دنوں سے یہ تعداد بہت کم ہو کر رہ گئی تھی جس کی وجہ صبح دیر گئے تک
رفیو کا نفاذ تھا لیکن جیسے ہی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوتی اردگرد کے مسلمان جان ہتھیلی پر رکھ کر
جد میں نماز ادا کرنے کے لئے پہنچ جایا کرتے تھے۔ دونوں مسجد کے نزدیک پہنچے تو اذان ہو چکی
ی۔ اب انہیں مناسب وقت کا انتظار تھا جیسے ہی انہیں اس بات کا یقین ہوا کہ جماعت کھڑی ہو
ئی ہے انہوں نے ڈرائیور کو کار آگے بڑھانے کا اشارہ کیا جس نے انہیں مسجد کے دروازہ کے
امنے اتارا اور کار کو گھما کر سڑک کی دوسری طرف لے آیا اب وہ ایک درخت کے نیچے کار کھڑی کر
کے ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

دونوں نے اپنے پاس موجود چھوٹے چھوٹے پیکٹ جن میں ٹائم بم فکس تھے ان کو ٹائم دے
یا تھا اور اب بیس منٹ کے بعد ایک قیامت صغریٰ برپا ہونے والی تھی۔ دونوں نے اپنی اپنی جگہ
یکٹ نصب کئے اور نماز پڑھنے کے بہانے اندر چلے گئے اور جیسے ہی امام صاحب نے سلام پھیرا
ب سے پہلے باہر آنے والوں میں یہ دونوں شیطان شامل تھے۔ دونوں اطمینان سے چلتے ہوئے
جد کے باہر سڑک پر آ گئے اور سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر کار کے نزدیک کھڑے ہو گئے
نہائی شیطانیت کے ردعمل کا انتظار کرنے لگے۔ نمازیوں نے حسب معمول اطمینان سے نماز ادا
لی اور اب وہ امام صاحب کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے اور اپنی
نسو بھری آنکھوں اور انتہائی گھمبیر آواز کے ساتھ امام صاحب جن پر دعا مانگتے ہوئے رقت طاری
وگئی تھی رو رو کر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی واپسی کے لئے دعا گو تھے۔ جیسے ہی انہوں نے آمین کہہ

کر منہ پر ہاتھ پھیرا لوگوں نے اٹھتے ہی ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر مسجد کے دروازے کی طرف بڑھنا شروع کیا کہ اچانک یکے بعد دیگرے دو زوردار دھماکے ہوئے۔ دھماکے اتنے زوردار تھے کہ انہوں نے مسجد کی دیوار میں ایک اچھا خاصا شگاف پیدا کر دیا تھا۔ چاروں طرف ہاہاکار مچ گئی۔ اردگرد کے لوگ بھاگتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ مسجد کے اندر زخموں سے چور نمازی کراہ رہے تھے۔ کچھ اپنی جان جان آفرین کو سونپ چکے تھے۔ کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے ان شہریوں نے اور بچ جانے والے نمازیوں نے اپنے زخمی ہونے والے ساتھیوں کو باہر نکالا اور وہاں موجود ان کاروں میں جو مقامی شہری انہیں ہسپتال تک پہنچانے کے لئے لائے تھے، ہسپتالوں کا رُخ کیا۔

اگلے تین چار منٹ کے بعد وہاں امریکن بکتر بند گاڑیاں پہنچ گئیں اور انہوں نے چاروں طرف سے مسجد کو گھیرے میں لے لیا لیکن بکتر بند گاڑیوں کے پہلو میں موجود BMW جیپوں میں سے انٹرنیشنل چینل والوں نے اپنے کیمرے فٹ کر دیئے اور براہ راست دنیا بھر کے ٹی وی سٹیشنوں پر تباہی و بربادی کا منظر دکھا رہے تھے جبکہ صحافی حضرات مسجد کے اندر گھس کر تصاویر اتار رہے تھے۔ زخمی نمازیوں سے اپنے ترجمانوں کی مدد سے واقعات اور حالات جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ سب مناظر جو براہ راست دنیا بھر کے ٹی وی سکرینوں پر دکھائے جا رہے تھے ان مناظر کے ساتھ موقع پر موجود ان ٹی وی چینلوں کے نمائندے پہلے سے تیار شدہ کہانی بھی دنیا کو سنا رہے تھے۔

کہانی کے مطابق بغداد میں شیعہ سنی فسادات کا آغاز ہو چکا تھا اور وہ گزشتہ تین چار روز کے واقعات سنا کر یہ بتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ موجودہ واقعہ بھی پچھلے واقعات کا شدید ردِعمل ہے۔ اور اب یہ سلسلہ رُکتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ انہیں یہ معلومات کہاں سے ملی تھیں......؟ کس نے دی تھیں......؟ ان معلومات کا پسِ منظر کیا تھا......؟ ان میں سچائی کس حد تک تھی......؟ اور سازش کس حد تک......؟ ان سوالات کے جواب حاصل کرنے کا وقت تھا اور نہ ہی وہ ان سوالات کا جواب تلاش کرنے یہاں آئے تھے۔ وہ اپنے اپنے چینلوں کے ملازم تھے اور انہیں خاص مشن کے ساتھ ایک خاص ذہن کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا اور وہ اس مشن پر اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ عمل پیرا تھے۔

ابوحسام، زرقاوی، ابومحمد احمد، شرجیل اور ان کے کچھ دوسرے ساتھی بغداد کے اس قدیم محلے کے ایک مکان کے بڑے کمرے میں موجود تھے جس کے صحیح محلِ وقوع کا علم یہاں موجود دو تین لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی نہیں تھا کیونکہ وہ سب دوسرے شہروں سے یہاں آئے تھے۔

"ناممکن......!" ابوحسام نے وہاں موجود اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

زرقاوی نے نظریں اُٹھا کر ابوحسام کی طرف سے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"میں آپ کی بات سمجھا نہیں......؟" اس نے مختصر سا سوال کیا۔

"دیکھو زرقاوی......! میں گزشتہ پچاس برسوں سے اس شہر میں آباد ہوں۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ بغداد میں کبھی شیعہ سنی مناقشت پیدا ہو یا اس حوالے سے لوگ ایک دوسرے پر تشدد کریں اور ایک دوسرے کی عبادت گاہوں پر بموں اور گولیوں سے حملے کریں۔ یہ ناممکن ہے۔" ابوحسام نے کہا۔

"تو پھر یہ سب کیا ہے......؟ آپ بتایئے نا......! کیا ہے یہ سب کچھ......؟"

شرجیل نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں سب کچھ...... یہ سب اس خطرناک پلاننگ کا حصہ ہے جو بہت عرصہ پہلے سی آئی اے اور موساد کی فائلوں میں تیار ہو گئی تھی اور اب اس پر عمل کیا جا رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں طویل عرصے سے یورپی ممالک میں پالا پوسا جا رہا تھا۔ آج کے دن کے لئے امریکن اور یہودی ان پر اتنا سرمایہ لگا رہے تھے، ان پر سرمایہ کاری کر رہے تھے آج وہ اس سرمایہ کاری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ میرے بچو......! میرے دوستو......! میں یہ تو نہیں کہتا کہ گزشتہ دو تین دن کے واقعات میں براہِ راست امریکن ملوث ہیں لیکن میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ

بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر یہ واقعات اسی پلاننگ کا حصہ ہیں جس کی طرف میں نے اشارہ کیا
اور پلاننگ موساد اور سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹروں میں تیار کی گئی ہے اس پر یہاں پر عمل کیا جا
ہے یہ لوگ چاہتے ہیں کہ کسی طرح شیعہ سنی مسلمانوں کو آپس میں ٹکرا دیا جائے جس کے بعد
اپنے گھناؤنے مقاصد حاصل کر لیں لیکن ان بے وقوفوں کو کون یہ بات سمجھائے' ایسا انشاء اللہ کبھ
ممکن نہیں ہوگا۔" ابوحسام نے کہا۔

"ہاں......! میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ واقعی یہ خواب کبھی حقیقت کا رو
نہیں دھارے گا کم از ہماری زندگیوں میں۔" ابومحمد نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"دیکھو......! اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے دو دن پہلے مسجد سے نک
والے نمازیوں پہ گولیوں کی بارش کی تھی وہ بھی عراقی باشندے تھے اور ممکن ہے مسجد ابوحنیفہ م
دھماکہ کرنے والے بھی عراقی باشندے ہوں لیکن ایسے وطن فروش غدار دنیا کی کس قوم میں اور کہ
سرزمین پر موجود نہیں ہوتے' ان لوگوں کا اپنے ملک سے صرف یہی تعلق ہوتا ہے کہ انہوں نے ا
سرزمین پر جنم لیا۔ ان میں ضمیر اور ایمان نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں
بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو اور میں بھی سمجھتا ہوں' اب وہ شیطانی ہاتھ جنہوں نے ان مہروں
آگے بڑھایا ہے یہ چاہیں گے کہ ہم آپس میں ٹکرا جائیں لیکن میں آپ سب سے یہی درخواست
کروں گا کہ آپ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس بات کا سختی سے اہتمام کریں اور فوری طور پر ا
پروپیگنڈے کا توڑ کریں کہ یہ واقعات شیعہ یا سنی مسالک کی طرف سے کئے جا رہے ہیں جو ا
حقیقت ہے۔

ابوحسام نے ان سے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں...... انشاء اللہ......! ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آپ چاہیں گے۔" ایک
باریش نوجوان نے جس کا تعلق شیعہ مکتبہ فکر سے تھا، کہا۔

"شاباش......! مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔" ابوحسام نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب قہوے کی پیالیاں اپنے سامنے رکھے نئی منصوبہ بندی کر رہے تھے
حکمتِ عملی اپنائی جا رہی تھی اس منصوبہ بندی میں بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل تھی کہ کسی طر
ایسی صورتِ حال ہرگز پیدا نہ ہو جو دونوں مکاتبِ فکر کے لوگوں کو تشویش میں مبتلا کرے اب ان

ان آستین کے سانپوں کو زمین کی تہہ سے باہر نکالنا تھا جو اپنے بھڑوں میں چھپ کر اچانک باہر آتے اور انتشار اور فتراق پھیلا کر دوبارہ ان محفوظ پناہ گاہوں میں چھپ جاتے تھے۔

"انہیں ڈھونڈو......! جیسے ہی ممکن ہو انہیں زمین کی تہہ سے نکالو ایک ایک کر کے انہیں بدانجام تک پہنچانا جوان کا مقدر ہے۔" ابوحسام نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت دی۔

"ایسا ہی ہوگا شیخ......! ایسا ہی ہوگا۔ ہمیں ایک لمبی لڑائی لڑنی ہے ہمیں بیک وقت دو محاذوں پر کام کرنا ہے بیرونی حملہ آوروں کے خلاف تو ہم لڑ ہی رہے ہیں لیکن آستین کے سانپوں کا سر کچلنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے ورنہ ہماری قربانیاں کبھی ثمر آور نہیں ہوں گی۔" زرقاری نے اپنی رائے پیش کی۔

قریباً آدھا گھنٹہ گفتگو کرنے کے بعد وہ سب ایک ایک کر کے وہاں سے نکل گئے اور سب اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔

■ ■ ■

موصل کے اس گاؤں میں جسے صرف اس لئے گاؤں کا نام دیا جا سکتا ہے کہ وہ شہر سے کچھ فاصلے پر موجود تھا لیکن اب یہ گاؤں بھی ایک قصبے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ابونافع موصل کے اس گاؤں میں ایک ممتاز شخصیت کا حامل سردار سمجھا جاتا تھا ام سلمٰی اور اس کی والدہ ابونافع کے ساتھ اس کمرے میں موجود تھیں جب شعبان کمرے میں داخل ہوا خوشی سے اس کے چہرے کی رنگت بدلی ہوئی تھی اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اس کے جذبات کی عکاسی کرنے سے قاصر تھے لیکن جس جوش و خروش سے اس نے ان سب کو حماد کے المعصور پہنچنے کی اطلاع دی تھی اس نے سلمٰی حماد کی والدہ اُم سلمٰی اور حماد کے ماموں ابونافع کے چہروں کا رنگ بھی تبدیل کر دیا تھا۔

"کیا......؟ لیکن اس نے ہمیں آنے کی کوئی اطلاع بھی نہیں دی۔" اُم سلمٰی نے بے چینی سے کہا۔

"میرا بھائی ٹھیک تو ہے نا......؟" سلمٰی نے پوچھا۔

"تم اسے اپنے ساتھ ہی لے آتے......؟" ابونافع نے کہا۔

"میں نے حماد سے کہا تھا کہ میرے ساتھ موصل چلیں۔" شعبان نے جواب دیا۔

"لیکن حماد ابھی یہاں آنا نہیں چاہتا اس کی یہ بھی خواہش ہے کہ آپ لوگ بھی ابھی بغداد نہ

آئیں کیونکہ ابھی بغداد کے حالات رہنے کے قابل نہیں ہوئے۔"

"لیکن میرے لئے یہ ناممکن ہے۔" سلمیٰ نے کہا۔

"دیکھو بیٹی......! ہم سب جن حالات سے گزر رہے ہیں یہاں اب سب کچھ ہمارے اختیار میں نہیں اب ہمیں بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا ہے، سنبھل کر چلنا ہے۔" شعبان نے ناصحانہ انداز میں سلمیٰ سے کہا۔

"ہاں ہاں......! شعبان ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اُم سلمیٰ نے جواب دیا۔

"اور ہاں......! وہ کرنل صاحب سے بھی ملاقات کر چکا ہے۔" شعبان نے ان کو خوشخبری سنادی۔

"یا اللہ......! تیرا شکر ہے......!" بے اختیار اُم سلمیٰ کے منہ سے نکلا۔

"کیسے ہیں اب وہ......؟" سلمیٰ نے سوالیہ انداز میں شعبان کی طرف دیکھا۔

"حماد بتا رہا تھا...... ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہیں......اور جلد ہی وہ ابوغریب سے رہا بھی ہو جائیں گے۔"

شعبان نے اتنی ہی اطلاع ان تک پہنچائی جتنی اسے حماد کی طرف سے ملی تھی۔

"ہمیں......ہمیں تفصیل سے سب کچھ بتاؤ......! تفصیل سے بتاؤ سب کچھ۔" ابونافع نے بے چینی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"واللہ......! مجھے اس کے علاوہ کسی بات کا علم نہیں۔" شعبان نے کہا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ حماد نے امریکن فوجیوں کو درخواست دی تھی کہ وہ اپنے والد سے ملنا چاہتا ہے۔ امریکنوں نے اس سے کرنل صاحب سے ملنے کی اجازت دے دی تھی اور وہ کرنل صاحب سے مل کر آیا تو بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ ابا جان بالکل ٹھیک ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ جلد رہا ہو جائیں گے۔ میں آپ لوگوں کو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ مجھے اتنی ہی بات کا علم ہے۔" شعبان نے کہا۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" اُم سلمیٰ نے جواب دیا اور سلمیٰ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سلمیٰ......! جاؤ شعبان کے لئے کھانا تیار کرو۔"

"دیکھو شعبان......! مجھے اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ سلمیٰ اور اس کی ماں کا ابھی

بغداد جانا مناسب نہیں لیکن حماد کی آمد کی اطلاع کے بعد موصل میں اب میرا قیام ناممکن ہے کل میں بھی انشاء اللہ تمہارے ساتھ ہی المنصور جاؤں گا۔" ابونافع نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جیسا آپ کا حکم آقا......! انشاء اللہ تعالیٰ ہم دونوں ہی کل صبح روانہ ہوں گے۔" شعبان نے کہا۔

"میرے بیٹے سے کہنا کہ جتنی جلدی ممکن ہو وہ موصل میں ہم سے ملنے کے لئے آئے۔" اُم سلمیٰ نے خواہش ظاہر کی۔

"ضرور آئے گا......!" ضرور آئے گا......! کیوں نہیں آئے گا......؟ وہ تو اب بھی میرے ساتھ آنا چاہتا تھا میں نے ہی روک دیا آپ جانتی ہیں حالات کیا نوعیت اختیار کر چکے ہیں۔ ہمیں سوچ سمجھ کر چلنا ہوگا۔ ممکن ہے حماد نے امریکنوں کے دل میں کرنل صاحب کے لئے کوئی ہمدردی پیدا کر دی ہو لیکن موصل کی طرف سے اس کا آنا انہیں شک میں مبتلا نہ کر دے۔ آپ سب جانتے ہیں نا، امریکن آج کل بغداد کے ہر شہری کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔" شعبان نے کہا۔

"لیکن انہیں اس بات کا علم ہے کہ کرنل صاحب صدام کی مخالفت کی وجہ سے ابوغریب جیل میں بند ہیں۔" اُم سلمیٰ نے کہا۔

"جو آپ کہہ رہی ہیں وہ بھی ٹھیک ہے اور جو میں کہہ رہا ہوں اس میں بھی شک نہیں۔"

شعبان سے کافی دیر تک اُم سلمیٰ ابونافع اور سلمیٰ، حماد کی باتیں کرتے رہے وہ حماد کے متعلق بہت کچھ جاننا چاہتے تھے اور شعبان کو اس بات کی حیرت ہو رہی تھی کہ حماد ان میں سے کسی کے لئے بھی اجنبی نہیں تھا لیکن حالات و واقعات نے ان سب کو ایک دوسرے کے لئے اجنبی بنا دیا تھا رات دیر گئے وہ انہی باتوں میں مصروف رہے اُم سلمیٰ کو امید پیدا ہو گئی تھی کہ اب حماد کے آجانے سے اس کے خاوند کو ابوغریب جیل سے رہائی مل جائے گی یہاں پر قیدی کی زندگی جہنم سے بدتر بنا دی جاتی ہے گزشتہ قریباً دو سال سے کرنل واحد ابوغریب جیل میں زندگی گھسیٹ رہے تھے، ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا صدام کے غیر پسندیدہ جو لوگ ابوغریب جیل میں قید رکھے جاتے تھے ان کے متعلق ان کے لواحقین کو کبھی علم ہی نہیں ہو پاتا تھا کہ یہ لوگ کہاں ہیں اور کس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ ایسے قیدیوں کو ریاست کا باغی سمجھا جاتا تھا جن کے لئے صدام حسین کے ہاں کوئی رعایت نہیں تھی۔ قیدِ تنہائی میں رکھتے تھے ان کے عزیز و اقارب کو رشتہ داروں کو ان سے

ملنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی ایک دن انہیں یہ اطلاع دی جاتی تھی کہ ان کے پیارے کی موت ہو گئی ہے اور اس کی لاش وصول کر لیں۔ بہت خوش قسمت تھے وہ لوگ جنہیں اپنے پیاروں کی لاشیں ملا کرتی تھیں نہیں تو انہیں دفنانے کی دقت سے بھی آزاد کر دیا جاتا تھا۔

اُم سلمیٰ کو رہ رہ کر اپنے خاوند کی یاد آ رہی تھی جس نے اپنی پوری زندگی میں فوج کا ایک اعلیٰ افسر ہونے کے باوجود بغداد کی سوسائٹی میں اعلیٰ مراتب حاصل ہونے کے باوجود کبھی کسی کو بھی ناجائز طور پر تنگ کیا تھا نہ ہی کسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی کسی کو ناجائز فائدہ دینے کا قائل تھا۔ کرنل واحد کی سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ اس نے صدام حسین اور اس کے بیٹوں پر کھلم کھلا تنقید کرنی شروع کر دی تھی گو کہ ان کی غلطیوں کی سزا آج سارا عراق بھگت رہا تھا لیکن اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

علی الصبح ابونافع اور شعبان ابونافع کی کار میں بیٹھ کے بغداد کی طرف روانہ ہو گئے' موصل کو جانے والی ہائی وے پر آنے کے لئے انہیں راستے میں تلاشی کے انتہائی سخت مراحل سے گزرنے کے بعد پہنچنے کی اجازت ملی تھی جس طرح یہاں موجودہ قابض فوجی انہیں گاڑی سے باہر نکال کے ان کے جسم کو ٹٹول رہے تھے گاڑی کی ڈگی سے انجن تک ہر چیز کی تلاشی لے رہے تھے اس پر ابونافع کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ کچھ کر گزرے لیکن شعبان کے سمجھانے پر مصلحت اختیار کئے رکھی بصورت دیگر وہ کبھی یہ بات برداشت نہ کر پاتا۔

حماد اس وقت ظہر کی نماز پڑھ کے اپنے گھر داخل ہی ہو رہا تھا جب اس نے گھر کے مین گیٹ سے ابونافع کی کار اندر آتے دیکھی۔

"ماموں ابونافع......!"

وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا اور قریباً بھاگتا ہوا کار کے دروازے تک پہنچا جس کا انجن اب بند ہو چکا تھا اور دروازہ کھول کر ابونافع باہر آ رہا تھا۔

"حماد......!"

ابونافع کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور اس نے اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں حماد ان کی بانہوں میں سمٹ گیا ابونافع رشتے میں اس کا ماموں تھا اس نے اپنا پورا بچپن انہیں بانہوں میں کھیلتے ہوئے گزارا تھا، اب اس کو یاد آ گیا کہ اس بوڑھے سردار نے جو آج بھی کئی جوانوں کو مات دے

ھا اسے کبھی بھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کا ماموں ہے اس نے ہمیشہ دوست کی طرح سے ایک غمگسار کی طرح حماد کا ساتھ دیا، کئی دفعہ ایسا ہوا جب حماد کے والد کسی ے اس سے ناراض ہو جاتے تو ابونافع سمجھا بجھا کر انہیں روک دیتا، تینوں آ کے گھر کے ل روم میں بیٹھ گئے تھے اور ایک مرتبہ پھر ابونافع حماد سے اردن سے عراق آنے کی داستان ہا ہے، حماد نے کم وبیش ساری داستان اسے سنا دی لیکن شرجیل کے فرار کا قصہ اسے نہیں سنایا، یں ابھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے وہ سب کو آگاہ کرے، شعبان اور ابونافع ور خاص۔

حماد نے یہ بات طے کر لی تھی کہ اپنے کسی بھی عمل سے ہونے والے نئے نقصان میں اپنے ان کے کسی فرد کو شریک نہیں کرے گا اور جو بھی اس پہ گزرے گی اس سے خود ہی عہدہ برآ ہو گا شام اسے ابوحسام سے بھی ملاقات کرنا تھی جس کے بعد وہ عملی طور پر اس جدوجہد کا حصہ بننا تھا جس میں شامل ہونا ہر نوجوان اپنے کے لئے اب ایک اعزاز سمجھنے لگا تھا۔

ابونافع نے بتایا کہ کس طرح اس کی والدہ اور بہن آنے کے لئے بضد تھیں لیکن اس نے آنے سے روک دیا۔

"بہت اچھا کیا آپ نے ماموں جان......!" حماد نے کہا۔

"ان حالات میں خواتین کا بغداد میں آنا کاروارد ہے آپ دیکھ رہے ہیں ابھی تک لوٹ مار سلسلہ جاری ہے گو کہ اب یہاں کسی کے پاس لٹانے کے لئے کچھ رہا نہیں لیکن اس کے باوجود ے نہیں ٹل رہے۔"

"اور تم جانتے ہو کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ امریکیوں نے ان سے آنکھیں پھیر رکھی ۔" ابونافع نے لقمہ دیا۔

"ہاں ہاں......! اور کیا......؟" شعبان بولا۔

"اگر قابض فوج چاہتی تو پہلے ہی دن سے لوٹ مار کا سلسلہ بند کر سکتی تھی۔"

"افسوس......! ہمارا تاریخی عجائب گھر ہی لٹ گیا اب بغداد کی ہزاروں سال پرانی اس ب اور تاریخ کی ان نشانیوں کو ہم کہاں سے لا کر ہم اس عجائب گھر میں رکھیں گے۔" ابونافع اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"ماموں جان......! تاریخ نئی ہوتی ہے نہ پرانی، کسی بھی قوم کے نوجوان اس کی تاریخ بناتے ہیں اور وہی اس تاریخ کو بگاڑتے بھی ہیں تاریخ کا بنانا اور بگاڑنا کسی اور کے نہیں اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے اگر ہم لوگ چاہتے تو بہت پہلے جدوجہد کر کے ان حالات سے نجات حاصل کر لیتے جو آج ہماری تباہی کا باعث بنتے ہیں۔" حماد نے کہا۔

ابونافع مسکرایا اس نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"برخوردار......! تمہارے کئی سوالات کے جوابات وقت خود بخود دے رہا ہے اور شاید آئندہ بھی دیتا رہے گا تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ صحیح ہے اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ بھی غلط نہیں۔ دیکھو حماد......! ہم لوگ ایک عجیب و غریب گورکھ دھندے میں پھنس کے رہ گئے ہیں۔ یہ شیطانی جال ہے جو پوری دنیا پر کچھ نادیدہ قوتوں نے اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے پھیلا دیا ہے اس جال میں پھنسنے والی تمام مچھلیوں کا تعلق بدقسمتی سے مسلم اقوام سے ہی ہے، تم کیا سمجھتے ہو فوجیں جو آج بغداد کی سڑکوں پر دندناتی پھر رہی ہیں کیا یہ صرف صدام کی جارحیت کو ختم کرنے کے لئے یہاں پر آئی ہیں......؟"

نافع نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں ماموں......! مجھے اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ صدام حسین نے ہمارے لئے کانٹے بوئے ہیں لیکن مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ یہ لوگ ان کانٹوں کو اکھاڑنے کے لئے نہیں بلکہ ہمارے راستے میں گڑھے کھودنے کے لئے آئے ہیں، میں جانتا ہوں ان کو یہاں آنے کے لئے کوئی بہانہ درکار تھا اور اگر صدام کا بہانہ نہ ملتا تو یہ کوئی اور بہانہ ڈھونڈ لیتے۔ بہرحال انہوں نے پہلے سے تیار کردہ اس سازش پر عمل کرنا ہی تھا جو سازش انہوں نے سال پہلے ہمارے لئے تیار کر رکھی ہے۔" حماد نے کہا۔

"شاباش بیٹا......! اب تم میری بات سمجھ سکے ہو۔" ابونافع نے خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"میرے خیال سے آپ کی اس عالمانہ گفتگو میں میری موجودگی ضروری نہیں ہے"
شعبان نے کہا۔

ابونافع ہنس دیا۔

"ہاں ہاں......! میں جانتا ہوں اب تم یہ کہو گے کہ ہمیں بھوک لگی ہے اور تم کھانا تیار کرنے کے لئے جا رہے ہو۔" ابونافع نے کہا۔

شعبان نے حماد کی طرف دیکھا۔

"کیوں حماد بیٹا......! تمہارے ماموں ٹھیک کہہ رہے ہیں......؟"

"ہاں ہاں......! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" حماد نے کہا۔ شعبان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اس کا مطلب ہے مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہئے"

شعبان نے کہا اور اُٹھ کر چل دیا۔ وہ کھانا تیار کرنے کے لئے گیا تھا۔ دونوں ماموں بھانجا کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ابونافع کے ذریعے اسے اس بات کا علم ہوا کہ موصل کے نوجوان ایک بڑی تحریک کا آغاز کر چکے ہیں اور یہ تحریک موصل سے تکریت تک پھیل چکی ہے۔ تکریت سے جلد بغداد کا رخ کرے گی جس کے بعد پورے عراق میں یہ تحریک پھیل جائے گی جس کا سب سے بڑا مقصد قابض فوجوں سے نجات حاصل کرنا اور اپنے معاملات کو خود انجام دینا ہے۔ حماد نے اب تک اپنے ساتھ بیتنے والے واقعات خصوصاً کرنل مائیک کے حوالے سے اپنی ماموں سے کوئی بات نہیں کی تھی اسے شاید راز داری ورثے میں منتقل ہوئی تھی کیونکہ کرنل واحد انٹیلی جنس یونٹ کے سربراہ تھے حماد کو یہ بات اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ کونسی بات اس نے اپنے ماموں سے کرنی ہے اور کون سی ابھی چھپانی ہے اسے اس بات کا احساس تھا کہ جتنا کچھ محفوظ رکھا جا سکتا ہے اسے محفوظ رکھا جائے اور وقت آنے پر ہی استعمال کیا جائے۔

"مستقبل کے تمہارے کیا ارادے ہیں......؟" اچانک ہی ابونافع نے حماد سے وہ سوال پوچھ لیا جس سے حماد بچنا چاہتا تھا۔

"ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فی الوقت ہم میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں کہ اپنے مستقبل کے عزائم اور ارادوں کے پروگرام کے حوالے سے کوئی بات کر سکے۔" حماد نے جواب دیا۔

"میرا مطلب یہ تھا بیٹا......! کہ اگر تم مناسب سمجھو تو اس گھر کو تالا لگا کے موصل میں چلے آؤ وہاں اپنا قبیلہ ہے، اپنے لوگ ہیں اور ہم ہر طرح محفوظ ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہماری طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھ سکے۔" ابونافع نے اسے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"نہیں ماموں......! جب تک وہ ابوغریب جیل میں بند ہیں میرے لئے ممکن نہیں کہ م
موصل جاؤں۔ اُمید ہے انشاء اللہ جلد میں ابو کو ابوغریب جیل سے رہا کرانے میں کامیاب ہو
جاؤں گا۔ یوں بھی میں نے سنا ہے امریکی ان لوگوں کو تنگ نہیں کرتے جن کو صدام نے پہلے سے
جیلوں میں بند کیا ہوا تھا کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو لوگ پہلے ہی صدام کے
مخالف ہیں ان سے امریکنوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔" حماد نے کہا۔

ابونافع بے اختیار ہنس پڑا۔

"ہاں......! تم یہ کہہ سکتے اور امریکن بھی یہ سوچ سکتے ہیں لیکن ان بے وقوفوں کو کون یہ
بات سمجھائے کہ سچائی یہ نہیں۔ میرے بیٹے یہ آدھا سچ ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عراق کے
عوام کی اکثریت صدام کی پالیسیوں سے ناراض تھی لیکن اگر امریکن یہ سمجھتے ہیں کہ وہ محض اس طرح
کا پروپیگنڈا کر کے یا اس بات کو بنیاد بنا کر ہمیں بے وقوف بنا لیں گے تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ
احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔" ابونافع نے کہا۔

"بالکل......! آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی ابھی دیکھنے اور انتظار کرنے
کی پالیسی اپنا رکھی ہے۔ مجھے ابھی کوئی کیریئر نظر نہیں آ رہا۔ فی الوقت میرا ٹارگٹ اپنے والد کی
رہائی ہے اور اس کے لئے میں امریکنوں سے ملاقاتیں بھی کر رہا ہوں میں قصرِ جمہوریہ گیا تھا جہاں
سے والد کے ساتھ ملاقات کی اجازت ملی، میں نے والد سے ملاقات بھی کی ہے۔" حماد نے کہا۔

"ہاں ہاں......! ہمیں شعبان نے سب کچھ بتا دیا تھا۔" ابونافع نے جواب دیا۔

دونوں کی باتوں کا سلسلہ جاری تھا اور وقت گزرنے کا احساس دونوں ہی کو نہ ہو سکا انہیں
وقت گزرنے کا احساس تب ہوا جب شعبان تازہ کبابوں کی بڑی پلیٹ اور روٹیاں لے کر کمرے
میں داخل ہوا۔ تازہ کبابوں کی خوشبو سے کمرہ مہکنے لگا تھا تینوں نے دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا۔
عصر کا وقت ہونے لگا مساجد سے اذانوں کی آواز بلند ہو رہی تھی جب ابونافع اور شعبان نماز کے
لئے تیار ہو رہے تھے۔

"چلو......! تم بھی وضو کر لو معلوم نہیں مسجد میں پانی ہوگا بھی یا نہیں۔" ابونافع نے حماد کو
مشورہ دیا۔

"میں نماز دوسری مسجد میں پڑھوں گا۔" حماد نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" ابونافع نے پوچھا۔

"اوہ......ماموں......! اصل میں ایک دوست سے ملاقات کرنی ہے اب میں ام المارک
طرف جا رہا ہوں۔"

اچھا......! دیکھنا بیٹا......! احتیاط سے......میرے خیال سے تم اب زیادہ گھر سے باہر نہ نکلا
وایسا ممکن نہیں کہ تمہارا وہ دوست یہیں پر آ جائے......؟" ابونافع نے کہا۔

"ماموں......! آپ اب بھی مجھے دودھ پیتا بچہ سمجھ رہے ہیں اب میں اتنا بھی بے وقوف
ں رہا مجھے علم ہے اور اس بات کا احساس بھی ہے کہ ہم کتنے محفوظ یا غیر محفوظ ہیں، مطمئن رہیں۔
اللہ تعالیٰ میں مغرب تک گھر لوٹ آؤں گا اور ہاں اگر مغرب تک نہ آ سکا تو پھر صبح ہی ملاقات
ں، آپ جانتے ہیں کہ مغرب کے بعد کرفیو لگا دیا جاتا ہے۔" حماد نے کہا۔

"تمہاری مرضی بیٹا......! ہمیں تو تمہاری خیریت درکار ہے......اپنا خیال رکھنا۔"

یہ کہہ کر ابونافع وضو کے لئے چل دیا اور حماد اسے سلام کر کے واپس لوٹ آیا اب اس کی
ل المنصور سے قریباً چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اُم المارک مسجد کے پچھواڑے میں وہ قدیم
تھا جہاں ابوحسام اور اس کے کچھ ساتھی اس کے منتظر تھے۔

اپنے گھر سے باہر نکل کر اس راستے تک آیا جہاں دو تین ٹیکسی والے سواری کے منتظر کھڑے
ایک ٹیکسی لے کر وہ مسجد ام المارک پہنچا مسجد کے باہر اتر کر اس نے ٹیکسی کو فارغ کیا۔ اسی مسجد
ضو کر کے نماز پڑھی جس کا خاصا حصہ امریکی بمباری سے شہید ہو چکا تھا اور اب وہ مسجد کی
میاں اتر کر پیدل چلتا ہوا اس مقام تک جا رہا تھا جہاں اسے ابوحسام سے ملاقات کرنی تھی۔
ے سے باہر نکلنے کے بعد اس نے بطور خاص اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کہیں اس کا تعاقب تو
ں کیا جا رہا، معلوم نہیں کہاں سے اس کے دماغ میں یہ بات خود بخود سما گئی تھی کہ اسے بہت محتاط
نا ہے۔

کرنل مائیک سے ملنے کے بعد اسے اس بات کا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ امریکنوں نے سارے
ار میں جاسوسی کا جال پھیلا دیا ہے اور یہ ان کے لئے کوئی مشکل کام بھی نہیں تھا۔ مسلمان امت
بدقسمتی کہ یہاں زر خرید غدار اور غلام بہتات میں موجود ہیں یقیناً امریکنوں نے بھی ایسے کچھ
ں کی خدمات حاصل کر لی تھیں جو انہیں گلی محلوں تک کی خبریں دے دیا کرتے تھے اور بتا دیا

کرتے تھے کہ کون نوجوان کیا سوچ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔ اس طرح کی باتیں حماد کے علم م
آتی تھیں کہ انہیں سن کر اسے روس کی کے جی بی یاد آ گئی تھی اور وہ کہانیاں یاد آ گئی تھیں جو اس ک
والد اسے کے جی بی کے حوالے سے سنایا کرتے تھے اس کے والد بتایا کرتے تھے کہ روس میں ک
طرح کا جابرانہ اور جاسوسی نظام مسلط ہے یہاں بیٹا اپنے باپ اور باپ اپنے بیٹے کی جاسو
ریاست کے لئے کرتا ہے اور دونوں باپ بیٹا ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے جاسوس ب
ہوتے ہیں، اس طرح کی فضا اب یہاں پیدا کی جا رہی تھی لوگ ایک دوسرے سے محتاط رہنے ل
تھے کیونکہ اب تک ایسے کئی واقعات ہو چکے تھے یہاں رات کے اندھیرے میں کچھ نقاب پو
دیواریں پھلانگ کر اندر داخل ہوتے اور گھر کے مقیم کو اٹھا کر لے جاتے اس کے دو تین دن ب
بعد ہی اس کی لاش ملتی تھی۔

"معلوم نہیں یہ لوگ کون تھے......؟"

"قابض افواج کے لوگ یا صدام مخالف لوگ تھے یا کوئی اور......؟"

سچی بات تو یہ ہے کہ بغداد پر حکومت کرنے والوں کا بھی کسی کو علم نہیں تھا اس بات میں ک
کوئی شک نہیں کہ بغداد کی سڑکوں پر امریکن بکتر بند افواج گشت کر رہی تھیں جگہ جگہ ٹینک کھڑ
کئے گئے تھے اور انہوں نے کافی حد تک معاملات کو اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا لیکن اس بات م
بھی کوئی شک نہیں کہ ابھی تک بغداد کا خاصا حصہ غیر محفوظ تھا، لوگوں کی زندگیاں اور عزت و آ
سبھی غیر محفوظ تھیں لوگ خوفزدہ تھے سہمے ہوئے تھے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کریں
ختم ہو چکا تھا، سرکاری ملازمین کو اپنی ملازمت کا پتہ نہیں تھا ان کو یہ بھی نہیں علم تھا کہ وہ کہاں جائیں
سے فریاد کریں کس سے تنخواہ لیں اور کس سے اپنی ڈیوٹی کے متعلق معلومات حاصل کری
امریکنوں نے بغداد پر قبضہ کرنے سے پہلے گو کہ خاصا ہوم ورک کر لیا تھا لیکن ابھی تک
ایڈمنسٹریشن پر ان کو مکمل کنٹرول حاصل نہیں ہوا تھا بمشکل انہوں نے بغداد کی ٹریفک پولیس کو متحر
کیا تھا تا کہ کم از کم رش کے اوقات میں ٹریفک چلتی رہی اور اب وہ پولیس کا باقاعدہ محکمہ قائم کر
کے بعد پولیس کے ان افسران کو تلاش کر رہے تھے جو امریکہ کے دوست اور صدام کے مخال
ہوں۔

مسجد اُم المارک عراق پر اتحادی افواج کے پہلے حملے کی یادگار تھی اور اپنی دانست میں صدام حسین یہ عظیم الشان مسجد یہ تاثر دینے کے لئے بنوا رہا تھا کہ اس نے پچھلی جنگ میں اتحادی افواج پر فتح حاصل کی تھی۔ مسجد ابھی مکمل تعمیر نہیں ہوئی تھی لیکن اس میں نماز کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ بدقسمتی سے یہاں بغداد کے دیگر تمام اہم اور کافی حد تک غیر اہم عمارات بھی امریکن بمباری کی نذر ہو چکی تھیں وہاں مسجد ام المارک کا بھی خاصا حصہ شہید ہو چکا تھا۔ ابھی تک یہاں اللہ کی کبریائی اور نمازوں کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ اردگرد کے لوگ بڑے ذوق و شوق سے یہاں نماز پڑھنے آتے تھے۔ دورانِ نماز حماد نے اپنے جسم پر پڑتی مشتبہ نظریں بھی دیکھ لی تھیں جو اس کے دائیں بائیں متحرک تھیں جس سے اس کا یہ شک یقین میں بدلنے لگا تھا کہ امریکنوں نے یہاں اپنا انٹیلی جنس نیٹ ورک قائم کر لیا ہے۔

مسجد کے نزدیک آنے کے بعد وہ سڑک پر مٹر گشت کرتا رہا پھر دائیں بائیں بازاروں اور گلیوں سے گزرنے کے بعد جو قریباً سنسان اور ویران دکھائی دے رہی تھیں بڑی آسانی سے اس بات کا یقین حاصل کرنے کے بعد کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا اپنے متعلقہ ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ بغداد کی اس جدید آبادی میں جہاں وہ پہنچ تھا مکانوں کی اکثر دیواریں گولیوں سے چھلنی دکھائی دے رہی تھیں یہ وہ گولیاں تھیں جو اتحادیوں کی طرف سے یہاں مشتبہ افراد کے ہونے کے شک کی بنا پر دوران جنگ چلائی گئی تھیں اور یہی وہ جگہ ہے جہاں کسی حد تک انہیں مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ قابض افواج نے اس علاقے میں موجود ایک ایک گلی محلے مکانات اور دکانوں کی جی بھر کر تلاشی لی تھی اور وہاں پر موجود ہر قابل ذکر چیز کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس کے بعد یہاں کے مکینوں کو اپنے گھروں میں بسنے کی اجازت دی گئی تھی ایسا ہی ایک گھر جس کی دیواریں گولیوں سے چھلنی ہو گئی تھیں اس کے مین گیٹ پر پہنچ کر حماد نے درواہ کھٹکھٹایا کیونکہ دروازے کے باہر لگی ہوئی کال بیل اس وقت شاید کام نہیں کر رہی تھی۔ دستک دینے کے بعد وہ کسی کی آمد کا منتظر ہوا اور تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان نے دروازہ کھولا۔ یہ احمد تھا اس نے استفہامیہ نظروں سے حماد کی طرف دیکھا۔

"السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ......!" حماد نے مخصوص انداز میں اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......!" اس نے جوابی سلامتی بھیجتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے

دیکھا۔

''میرا نام حماد ہے۔'' حماد نے مختصر بات کی۔

''آیئے آیئے......! ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔'' احمد دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے حماد اندر آیا دروازہ بند کرتے ہی وہ حماد سے بغل گیر ہوگیا۔

''مجھے شرجیل نے آپ کے متعلق بہت کچھ بتا دیا ہے۔'' احمد نے اس سے الگ ہو ہوئے کہا۔

''شرجیل ہے یہاں پر......؟'' بے ساختہ حماد کے منہ سے نکلا۔

''ہاں ہاں......! وہ ہمارے پاس ہی ہے، شروع سے ہی ہمارے پاس ہے وہ بہت بے چین ہو رہا تھا آپ سے ملنے کے لئے، چلو اچھا ہوا، آپ مل لیں۔'' احمد نے کہا۔

احمد کے منہ سے شرجیل کا نام سننے کے بعد حماد کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔

''یار......! مجھے ذرا جلدی ملا دو اس سے...... جب سے تم نے شرجیل کا نام لیا ہے میرا اشتیاق بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔'' حماد نے کہا۔

''آیئے آیئے......!'' احمد نے جواب دیا۔

ابھی وہ باتیں کرتے بمشکل برآمدے تک پہنچے تھے جب ایک کمرے کا دروازہ کھلا شرجیل برآمد ہوا۔

''شرجیل......!'' حماد کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''حماد......!'' شرجیل بھی بانہیں پھیلا کے اس کی طرف بڑھا، دونوں ایک دوسرے بغل گیر ہوگئے۔

''خدا کا شکر ہے......! تم زندہ ہو۔'' حماد نے اُس سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں واقعی......! ان حالات میں تو ہمیں زندہ رہنے پر بھی خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے'' شرجیل نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے ابوحسام نے تمہاری خیریت کی اطلاع تو پہنچا دی تھی لیکن سچی بات تو یہ ہے شرجیل اب زبانی سنی ہوئی اطلاعات پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا اور جب تک اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں مجھے تسلی نہیں ہوتی۔'' حماد نے کہا۔

''ہاں ہاں......! غیر یقینی بہت بڑھ گئی ہے...... حالات ہی ایسے ہوگئے ہیں۔'' شرجیل کے منہ سے نکلا۔

''آپ لوگ براہِ کرم اگر اندر تشریف لے چلیں تو اس گفتگو میں شاید کچھ اور لوگ بھی شریک ہو جائیں۔'' احمد نے جو ایک کونے میں کھڑا دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا، ان سے کہا۔

حماد اس بات پر کچھ شرمندگی محسوس کرنے لگا تھا کہ شرجیل کی موجودگی کی اطلاع پانے کے بعد وہ احمد کی طرف سے بالکل ہی بے نیاز ہوگیا تھا۔

''اُف......! معاف کرنا دوست......!'' اس نے احمد کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''دراصل ہم سفر کے ساتھی ہیں اور تم جانتے ہو سفر کا ساتھ یا تو بہت مضبوط ہوتا ہے اور یا بہت ہی ناپائیدار۔'' اس نے عربی کی کہاوت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! میں بھی بہت کچھ جاننے لگا ہوں۔'' احمد نے قہقہہ لگا کر کہا۔

تینوں ایک بڑے کمرے میں داخل ہوگئے تھے جہاں ابوحسام اور کچھ دوسرے لوگ موجود تھے اُونچی آواز میں سب پہ سلامتی بھیج کر حماد نے سب سے باری باری مصافحہ کیا، ابوحسام سے بغل گیر ہوا اور وہیں پہ بیٹھ گیا۔ پہلے سے دھرے فنجان سے اس نے چھوٹی سی پیاری میں قہوہ ڈالا اور وہیں بیٹھ کر قہوہ پینے لگا۔ ابوحسام شاید اس کا ہی منتظر تھا۔

''یہ ہیں ہمارے نئے ساتھی حماد......!'' اس نے باقی لوگوں سے حماد کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو یہ ہیں حماد...... جن کا شرجیل بہت ذکر کر رہا تھا۔''

یہ صالحہ تھی جو دوسری دو لڑکیوں کے ساتھ کچھ فاصلے پر بیٹھی تھی۔

''میرا نام صالحہ ہے۔'' اس نے حماد کو مخاطب کیا۔

''ہاں حماد بیٹے......! یہ ہماری بیٹی صالحہ ہے اور اس سے تمہارا مکمل تعارف اب میدانِ جنگ میں ہی ہوگا اس سے زیادہ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

ابوحسام نے اپنی دانست میں صالحہ کا ایک ہی فقرے میں تعارف کرا دیا تھا حماد کو اور کچھ جاننے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی اسے ایسی اطلاعات شعبان سے مل چکی تھیں جن میں بغداد کی نوجوان لڑکیوں کی طرف سے مجاہدین کی مدد کرنے ان کے اسلحہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے

کی خدمات انجام دینے کے لئے بغداد کی بچیوں کا کردار زیر بحث آچکا تھا۔

"الحمدللہ......!" حماد نے صالحہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اب ابوحسام سب سے مخاطب تھا اس نے انہیں بتایا کہ کس طرح بغداد میں شیعہ سنی کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لئے گھناؤنی سازشیں کی جارہی ہیں۔ ہمیں ان سازشوں کو ناکام بنانا ہے جیسے بھی ہو، ہر قیمت پر ہر سطح پر اور اپنی مکمل قوت کے ساتھ۔

ابوحسام نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"شیخ......! مجھے شیرازی اس سلسلے میں مشکوک دکھائی دیتا ہے۔" ایک نوجوان نے ابوحسام کو مخاطب کیا۔

"کون شیرازی......؟" ابوحسام نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ شیرازی کو نہیں جانتے......؟ ہماری کمیونٹی کا لیڈر ہے۔ پانچ چھ سال سے یورپ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ آٹھ دس روز پہلے ہی واپس آیا ہے میں نے اس کے آنے کے فوراً بعد امریکنوں سے شیرازی کی ملاقاتوں کا نوٹس لینا شروع کر دیا تھا میرا گھر شیرازی کے گھر کے بالکل سامنے ہے اس کے گھر پر پراسرار لوگوں کی آمد خصوصاً امریکن بکتر بند گاڑی میں بیٹھ کر آنے والوں کی آمد اور ملاقاتیں مجھے کبھی بھی ایک آنکھ نہیں بھائیں۔ مجھے تو اس شخص پر شک ہے کہ ضرور یہ کسی سازش کو ہوا دے رہا ہے اور یہ کسی سازش کا حصہ ہے۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"مجھے خود تو اس کی مجلس میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن میرے دو تین عزیزوں نے بتایا کہ شیرازی بہت کھل کے ہمارے سنی مسلمان بھائیوں کے خلاف باتیں کر رہا ہے۔ عراق کی اگلی حکومت میں اس کی خواہش ہے کہ شیعوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے حصہ دیا جائے ایسی باتیں آج تک کسی نے سوچی نہیں تھیں جو ہم اس کے منہ سے سن رہے ہیں۔" نوجوان نے اپنی بات کہہ کے ابوحسام کی طرف دیکھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" ابوحسام نے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"ایک بات جو میرے لیے زیادہ شکوک وشبہات کا باعث بن رہی ہے وہ یہ تھی کہ جس روز مسجد کے باہر پراسرار نقاب پوشوں نے فائرنگ کر کے پانچ نمازیوں کو شہید کیا تھا اس روز شیرازی وہاں پہ میٹنگ کرنے کے لئے گیا تھا کیونکہ ہمارے محلے کی امام بارگاہ کے دو اہم ممبر بھی اس میٹنگ

میں شامل تھے جن میں سے ایک شہید ہو گیا میں نے دوسرے سے ملاقات کی تھی اور اس سے جاننا چاہتا تھا کہ وہاں کیا ہوا اس نے کچھ بتایا نہیں لیکن یہ بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شیرازی وہاں موجود تھا۔" نوجوان نے اپنی بات اپنی دانست میں مکمل کی۔

ابوحسام چند ثانیے خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر اس سے مخاطب ہوا۔

"حسین......!" اس نے نوجوان کا نام لے کر اسے مخاطب کیا۔

"میری خواہش ہے کہ تم شیرازی کے حلقہ احباب میں داخل ہو جاؤ وہی زبان بولو جو شیرازی پسند کرتا ہے یہ جاننے کی کوشش کرو کہ وہ کیا چاہتا ہے اور کس کے کہنے پر یہ سب کچھ کرتا ہے۔"

"لیکن شیخ......! میں تو......" نوجوان نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں ہاں......! میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک باعمل مجاہد ہو اور اس طرح کے کام کرنا شاید پسند نہ کرو لیکن یہ بھی بیٹا ہمارے لیے بہت ضروری ہے دیکھو ہمیں ان آستین کے سانپوں کو کھوجنا ہے اور پھر انہیں ان کے انجام تک پہنچانا ہے ایسا نہ ہو کہ ہماری جدوجہد کے آغاز میں ہی سارا کھیل ختم ہو کر رہ جائے، تم جانتے ہو کہ بدقسمتی سے یہ ہماری تاریخ ہے کہ ہمیں جب بھی زک پہنچائی اپنوں نے پہنچائی۔ پشت میں چھرا گھونپنے والوں نے پہنچائی جو کوئی غیر نہیں تھے اپنے تھے۔ کربلا سے بغداد تک یہی کہانی پھیلی ہوئی ہے اور اسی کے کردار آج بھی ہمارے معاشرے میں سرگرم دکھائی دے رہے ہیں۔" ابوحسام نے کہا۔

"ٹھیک ہے شیخ......! جیسے آپ کا حکم۔" حسین نے کہا۔

اس کے بعد ابوحسام صالحہ سے مخاطب ہوا۔

"صالحہ بیٹی......! تم لوگ کل صبح نماز کے فوراً بعد تکریت چلے جاؤ وہیں ہمارا نیا دوست تم سے ملاقات کرے گا باقی باتوں کا علم تمہیں وہیں پر ہوگا۔"

"جی......! جیسے آپ کا حکم۔" صالحہ نے سعادت مندی سے کہا۔

حماد نے اندازہ لگا لیا کہ یہ لوگ خاصے متحرک ہیں کیونکہ تکریت سے قابض افواج کے خلاف مسلح مزاحمت کی خبریں اس تک پہنچ گئی تھیں اور اس کو ایک بات کا بھی علم ہو گیا تھا کہ امریکنوں کو خاص طور پر زبردست مزاحمت کا سامنا ہے۔

"اچھا......! باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ میں ذرا حماد سے تھوڑی دیر کے لئے بات کرلو
تم لوگ رات کے کھانے کا بندوبست کرو نماز ہم گھر پر ہی ادا کریں گے۔"

یہ کہہ کر ابوحسام نے حماد کا بازو پکڑا اور وہ ایک بغلی کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے م
ایک میز دو تین کرسیاں اور کونے میں ایک چارپائی دھری تھی جس پر کوئی نوجوان سو رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ بیدار ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

حماد نے اسے سلام کیا جواب میں اس نے حماد پر سلامتی بھیجی اور اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔

"یہ ہے حماد......!" حسام نے نوجوان سے کہا۔

"اور حماد......! یہ ہے زرقاوی......!"

"الزرقاوی......!" حماد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں ہاں بھئی......!" ابوحسام نے کہا۔

صرف ایک لفظ ہی بمشکل حماد کہہ پایا کہ بے اختیار آگے بڑھ کر الزرقاوی سے بغل گیر ہو
اب وہ بھی الزرقاوی کے ساتھ اسی چارپائی پہ بیٹھ گیا جہاں وہ زمین پر ٹانگیں لٹکا کے بیٹھا ہوا
ابوحسام نے ان کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

"بیٹا......! کرنل مائیک سے معاملات کہاں تک پہنچے......؟" ابوحسام نے حماد سے سوا
کیا۔

جواب میں حماد نے ساری کہانی مکمل تفصیلات کے ساتھ انہیں سنا دی، جب حماد بات کر ر
تھا زرقاوی خاموشی سے سر جھکائے اس کی بات سن رہا تھا بمشکل دو یا تین مرتبہ اس نے حماد ک
آنکھوں میں جھانک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس دوران اس نے نہ تو اس سے کوئی سوال کیا ا
نہ ہی کوئی ایسا تاثر دیا جیسے اس کی بات پر اس نے کوئی رائے قائم کرلی ہو، حماد کے لئے زرقاوی
یہ رویہ نہ سمجھ آنے والا تھا۔ کیونکہ ابھی تک اس نے حماد کو کسی بات پر ٹوکا بھی نہیں تھا نہ ہی اس
کوئی سوال کیا تھا۔

"میں پہچان رہا ہوں تم جس کی بات کر رہے ہو یہ وہی شخص تو نہیں۔" زرقاوی نے اس ک
بات مکمل ہونے پر بمشکل ایک فقرہ کہا۔

"جی......! میں سمجھا نہیں......؟" حماد نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چھوڑو اس بات کو...... تمام باتیں سمجھنا ضروری نہیں ہوتا۔" زرقاوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری تو ان لوگوں سے پرانی دوستی ہے بارہ سال پرانی دوستی۔ بارہ سال سے ہم ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہیں کبھی میں آگے ہوتا ہوں اور وہ پیچھے کبھی وہ آگے ہوتے ہیں اور میں پیچھے۔ معلوم نہیں اور کب تک ہم ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں شاید سمجھتے ہیں کہ بددل ہو کر خود بھی پیچھے ہٹ جائیں گے یہ بظاہر بڑی کامیاب حکمت عملی ہے۔"

"لیکن ایسا نہیں ہوگا۔" ابوحسام نے کہا۔

"ہاں ابوحسام......! ایسا بالکل نہیں ہوگا۔ بس اگر ہم اپنے حواس پر قابو رکھیں اپنی صلاحیتوں کا ڈھنگ سے استعمال کریں تو میں نہیں سمجھتا کہ ہم امریکنوں کے لئے تر لقمہ ثابت ہوں گے۔"

حماد کی نظریں الزرقاوی سے ملیں تو اسے یوں لگا جیسے ایک بجلی کی لہر اس کی آنکھوں سے نکلی اور حماد کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔

"حماد بیٹا......! تم قصر جمہوریہ میں اپنی آمد و رفت جاری رکھو مجھے کرنل مائیک کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں لیکن اس بات کا اندازہ میں لگا سکتا ہوں کہ بغداد میں جو جال پھیلا جا رہا ہے اس کا محرک یہی کرنل مائیک ہو سکتا ہے۔ اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرو اس کے نزدیک ہو جاؤ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ تم پہ اعتماد کرنے لگا ہے اس کے بعد وہ تمہیں ان لوگوں سے ملائے گا جو پہلے سے اس کی ٹیم کا حصہ ہیں۔" ابوحسام نے کہا۔

▪ ▪ ▪

زرقاوی ایک افسانوی کردار تھا اور جہاد سے محبت رکھنے والے تمام عرب نوجوان اس کردار کی افسانویت سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ اُردن میں حماد نے زرقاوی کا نام ضرور سنا تھا۔ اسرائیل کے خلاف اس کی جدوجہد کی کچھ داستانیں بھی اخبارات کے ذریعے اس کے علم میں آئی تھیں لیکن آج وہ اس افسانوی کردار کو زندہ بھی دیکھ لے گا اس بات کا اسے علم نہیں تھا اس کو تو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ زرقاوی اس وقت عراق میں موجود ہے، کیونکہ اس کی دانست میں تو زرقاوی بیروت میں ہی رہتا تھا یا شاید اپنے کچھ خفیہ ٹھکانوں پر، جن کا علم حماد کو نہیں تھا۔

"دیکھو حماد بیٹا......! ہمیں یہ جنگ بہت سے محاذوں پر لڑنی ہے یہ لڑائی بہت طویل ہے تھکا دینے والی ہمارے دشمن نے ہمیں ایک محاذ تک محدود نہیں رکھا، اس نے ہمیں مختلف محاذوں پر منتشر کر دیا ہے وہ اپنی طاقت اور نفری کے بل بوتے پر لڑائی کا میدان وسیع کر رہا ہے اس امید پر کہ شاید ہم اپنی کم تعداد کی وجہ سے، اپنے کم وسائل کی وجہ سے مار کھا جائیں۔" ابوحسام نے کہا۔

"ہاں......!" الزرقاوی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ......!"

"ہمیں مختلف قسم کے نقاب اوڑھے ہوئے ان چہروں ہی کو تو پہچاننا ہے جو دشمن کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں، جب ہمیں ان کی شناخت ہوگئی تو یہ سمجھئے کہ ہم نے آدھی جنگ جیت لی۔" الزرقاوی نے جواب دیا۔

"اور یہ پہچان حاصل کرنے کی سعادت سب سے پہلے تم حاصل کرو گے حماد......! ہمیں تم سے بہت اُمیدیں وابستہ ہیں۔" ابوحسام نے حماد کی طرف دیکھ کر کہا۔

حماد خاموشی سے ان دونوں کو دیکھنے لگا اس کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ باقی مجاہدین کی طرح وہ بھی کندھے پر کلاشنکوف لٹکا کر اس لڑائی میں شامل ہو جائے جواب آہستہ آہستہ تکریت اور موصل سے نکل کر بغداد کے گلی کوچوں کا رخ کر رہی تھی لیکن اس بات کی سمجھ اسے آ گئی تھی کہ یہ ہمہ جہتی لڑائی ہے۔ ان لوگوں کو ایک محاذ پر نہیں، کئی محاذوں پر لڑنا تھا اور ان میں سے ایک جاسوسی کا، انٹیلی جنس کا محاذ بھی تھا، ابوحسام کے ذریعے اور گزشتہ کچھ روز سے بغداد میں پیش آنے والے واقعات کے ذریعے اس بات کا اندازہ تو وہ کر چکا تھا کہ بغداد میں شیعہ سنی فساد کو پھیلانے اور بھڑکانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جو ٹارگٹ وہ لیٹروں کے ذریعے حاصل نہیں کر سکے تھے اب شاید اس طرح حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اس بات کا بھی اسے اندازہ تھا کہ یقیناً اس کام کے لئے انہوں نے غدار ڈھونڈھ لئے ہوں گے اور اب ان کے ذریعے ہی وہ اپنی سازش کو آگے بڑھائیں گے اگر ان مہروں کی پہچان اسے ہو جائے جنہیں قابض افواج عراق میں بچھائی گئی شطرنج پر آگے بڑھا رہی تھی تو شاید وہ یہ بازی جیت جائیں، ایک دفعہ خفیہ دشمن کی شناخت کا شعور حاصل ہونے کے بعد کم از کم وہ اپنی پشت کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔

"ٹھیک ہے شیخ......! جیسے آپ کا حکم......! گو کہ میرا جی یہی چاہتا ہے کہ میں بھی شرجیل اور احمد کی طرح میدانِ جہاد میں اُتروں لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میری اس طرح کی خدمات سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں حاضر ہوں۔" حماد نے رضامندی ظاہر کی۔

"شاباش بیٹے......! شاباش......! مجھے تم سے یہی اُمید تھی دیکھو حماد جو لوگ دشمن کے سامنے لڑ رہے ہوتے ہیں ان سے زیادہ اہمیت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو لڑنے والوں کی آنکھیں بن کر دشمن کی صفوں میں موجود ہوتے ہیں، اگر ہم بھی دشمن کی طرح اپنا مضبوط نیٹ ورک بغداد میں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کی کئی سازشیں پنپنے سے پہلے دم توڑ جائیں گی۔" ابوحسام نے کہا۔

"انشاءاللہ......! ایسا ہی ہوگا۔" حماد نے جواب دیا۔

"اور ایک خاص خیال رکھنا۔ تمہاری گفتگو پر کبھی جذبات غالب نہ آئے، یہ بہت چالاک لوگ ہیں ماہر نفسیات ہیں یہ تمہارا اندرونی احوال جاننے کے لئے تمہیں مختلف حوالوں سے ٹٹولنے کی کوشش کریں گے تمہیں مختلف قسم کی ترغیبات دی جائیں گی، ایسے سوالات کئے جائیں گے جو تمہارے اندر کا سچ بے اختیار تمہاری زبان پر لے آئیں اور یہی امتحان ہوگا۔ اسی مرحلے پر تم نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے اگر تم اپنا اصل مقصد چھپا کر ان کی صفوں میں متحرک رہے تو یاد رکھنا ہم ایک بہت بڑی لڑائی ایک گولی چلائے بغیر جیت جائیں گے۔"

اس مرتبہ زرقاوی نے یہ بات حماد سے کہی تھی اور براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

"میں انشاءاللہ......! آپ کی توقعات پر پورا اُتروں گا۔" حماد نے تیقن سے کہا۔

"فی الوقت تم اپنے دل و دماغ میں ایک ہی بات بٹھا لو کہ تم نے اپنے والد کو رہا کرانا ہے، ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملا کر، ایک مرتبہ کرنل صاحب ابوغریب جیل سے باہر آ جائیں تو ہم تمہیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ انشاءاللہ تعالیٰ وہ ایسے محفوظ ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے جہاں تک کسی کی بھی رسائی ممکن نہیں۔ جس کے بعد تمہیں دل کھول کر اپنے ارمان پورے کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ حماد......! مجھے یہ بات کہنی تو نہیں چاہئے لیکن کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا، ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا کہ تم اپنے خاندان کے لوگوں کو اعتماد میں لو۔ خدانخواستہ مجھے کسی پر شک نہیں میں کسی

کی نیت پر شک نہیں کر رہا لیکن ان حالات میں جس قدر بھی محتاط رہ سکیں ہمارے لئے اتنا بہتر ہے۔"

ابوحسام نے وہ بات کہہ دی تھی جو حماد کے ذہن میں پہلے سے موجود تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے ابونافع اور شعبان سے کرنل مائیک کا ذکر بھی نہیں کیا تھا اور انہیں صرف یہی بتایا تھا کہ وہ اپنی کوشش سے اور درخواست کرنے کے بعد اپنے والد سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوا ہے' جو بات ابوحسام اور زرقاوی نے سمجھانے کے لئے اسے الگ کمرے میں بلایا تھا وہ بات پہلے سے اس کے ذہن میں موجود تھی اور اس نے ان پر یہ بات واضح بھی کر دی۔

"میں جانتا ہوں آپ لوگ کیا سوچ رہے ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں اور اب مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ واقعی کچھ چیزیں وراثت سے انسان میں منتقل ہوتی ہیں۔ میرے والد بھی انٹیلی جنس یونٹ کے سربراہ رہے ہیں کئی ایسی باتیں جن کا علم مجھے نہیں ہونا چاہئے وہ شاید پہلے سے ہے کسی نادیدہ قوت نے آپ کے سمجھانے سے پہلے یہ بات سمجھا دی تھی کہ رازداری کا مجھے مکمل اہتمام کرنا ہے۔ میں نے ابھی تک اپنے گھر والوں کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی کہ آپ میں سے کسی سے میرا رابطہ ہے یا میں کرنل مائیک سے ملاقات کر چکا ہوں یہ سب کچھ میں نے انہیں معمول کی کارروائی کی طرح ہی بتایا۔" حماد نے کہا۔

"ایسا ہی کرنا۔" الزرقاوی بولا۔

تینوں آپس میں دیر گئے تک باتیں کرتے رہے اس دوران مغرب کی نماز انہوں نے بڑے کمرے میں ابوحسام کی امامت میں ادا کی تھی جس کے بعد ابوحسام اور زرقاوی اسے لے کر اسی بغلی کمرے میں چلے گئے عشا کی نماز تک وہ آپس میں باتیں کرتے رہے اس دوران الزرقاوی کی گفتگو نے حماد کا اس بات پر یقین اور پختہ کر دیا تھا کہ واقعی زرقاوی ایک ایسا مشکل شکار ہے جس تک رسائی حاصل کرنا امریکنوں کے لئے ابھی ممکن نہ ہو۔ اس کی گفتگو بہت الگ تھلگ' اپنی شخصیت کی طرح پراسرار تھی۔ وہ بہت کم بولتا اور بہت زیادہ سنتا تھا۔ پہلی ملاقات میں الگ ہی دکھائی دیا تھا۔ اس کی بات کرنے کا انداز اس کے سوچنے کا انداز ایسا نہیں تھا جو عام عرب نوجوانوں کا ہوتا ہے اپنی گفتگو سے بھی وہ انتہائی محتاط دکھائی دیتا تھا اس کا اندازِ نشست و برخاست بھی انتہائی احتیاط کا حامل تھا اور اب حماد کو سمجھ آنے لگی تھی کہ یہ شخص واقعی موساد، سی آئی اے اور دنیا کی دوسری

لام دشمن انٹیلی جنس ایجنسیوں کے لئے لوہے کا چنا کیوں ثابت ہو رہا تھا۔

عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد سب نے ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کے کھانا کھایا جس کے ابوحسام ہدایات دے کر ان سے الگ ہو گیا۔ زرقاوی کھانے کے دوران ہی ان سے الگ ہو کر ہاں چلا گیا تھا اس بات کا ان میں سے کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ حالانکہ اس وقت بغداد کی گلی کوچوں کرفیو لگا ہوا تھا اور اس بات کے امکانات کم تھے کہ کوئی ادھر کا رخ کرے گا لیکن کوئی نادیدہ ت حماد کے کان میں بار بار یہ بات کہہ رہی تھی کہ زرقاوی اب اس گھر میں موجود نہیں۔

"وہ کہاں ہے......؟"

"کس طرح......؟ کس طرح باہر نکلا یہاں ہے یا کسی اور جگہ چلا گیا......؟"

اس طرح کے کسی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا لیکن اس بات کا اسے یقین تھا کہ قاوی اب یہاں موجود نہیں، بعد میں تجربے نے اسے بتایا کہ وہ کہیں بھی ایک سے دوسری رات نہیں کرتا تھا ٹھکانے بدلنا اچانک اپنی سکیم کو بدل دینا پہلے سے طے شدہ پروگرام سے ہٹ کر کوئی گرام بنا لینا یہ زرقاوی کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا تھا۔

علی الصباح ابوحسام نے پھر ٹیکسی ڈرائیور کا روپ دھارا اور ناشتے سے فراغت کے بعد وہ اد کو اپنی ٹیکسی میں بٹھا کر المنصور کی طرف چل دیا۔ حماد کی توقعات کے عین مطابق ناشتے کے ترخوان پر زرقاوی ان کے ساتھ موجود نہیں تھا صالحہ ان سے پہلے ہی وہاں سے نکل چکی تھی رے نوجوان بھی دو دو تین تین کی ٹولیوں میں اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے ب وہ ابوحسام کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھا المنصور کی طرف جا رہا تھا۔ گھر کے دروازے کے سامنے ے اتار کر حسام اس سے بغل گیر ہوا اور رابطے کے لئے ایک نیا طریقہ اور نیا ٹھکانہ بتا کر باہر ہی ے رخصت ہو گیا۔ حماد نے بھی اسے اپنے ماموں سے ملانے کا تکلف نہیں کیا تھا اگر ایسی کوئی ت ہوتی تو ابوحسام خود اس خواہش کا اظہار کر سکتا تھا کیونکہ اس نے ابوحسام کو یہ بات بتا دی تھی کہ ل کا ماموں ابونافع موصل سے اس کے پاس آیا ہوا ہے۔

بی ایم ڈبلیو بغداد موٹر وے پر برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ اس کو چلانے والا ایک عربی النسل ڈرائیور تھا جس کے ساتھ چار سواریاں بھی موجود تھیں۔ اُردن اور عراق کے درمیان ان گاڑیوں کا سلسلہ آمدورفت جاری رہتا تھا اور جنگ کے بعد تو اس کاروبار میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ذرائع آمدورفت خاصے محدود ہو گئے تھے جو کہ کوچز اور بڑی بڑی بسیں اردن سے عراق آیا کرتی تھیں ان کی تعداد بھی راستہ غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے خاصی کم پڑ گئی تھی زیادہ تر لوگ اب کاروں کے ذریعے ہی سفر کرتے تھے بی ایم ڈبلیو چلانے والوں کا کاروبار بھی اب خاصا چمک رہا تھا وہ معمول سے کئی گناہ زیادہ کرایہ وصول کر کے سواریوں کو اردن سے عراق پہنچایا کرتے اور عراق سے اردن لے جایا کرتے تھے یہ مصر کا کوئی ڈرائیور تھا جو اس بزنس میں گزشتہ بیس سال سے موجود تھا۔ آج بھی جب وہ ہوٹل الحیات میں معمول کے مطابق پہنچا تو ایک نئی بکنگ اس کی منتظر تھی ہوٹل والوں نے معمول کے مطابق اپنی کمشن پہلے ہی وصول کر کے اس مسافر کے حوالے کر دیئے۔

یہ چار عربی تھے۔ مصری ڈرائیور کی جہاندیدہ نگاہیں بھی اس بات کا اندازہ نہ لگا سکیں کہ ان چار عربیوں میں ایک کرنل مائیک بھی تھا گو کہ اس نے ابھی تک براہ راست گفتگو نہیں کی تھی لیکن اگر وہ گفتگو بھی کرتا تو شاید یہ ڈرائیور اس بات کا اندازہ نہ کر پاتا کہ وہ کسی انگریزی بولنے سے بات کر رہا ہے۔ اس وقت کرنل مائیک بی ایم ڈبلیو کی آخری سیٹ پر نیم دراز محو سفر تھا اسے ایک اہم مشن پر اُردن جانا تھا یہاں ایک بڑی شخصیت اس کی منتظر تھی اس کا یہ ایک طرح سے آف دی ریکارڈ مشن تھا اور ایسے کئی آف دی ریکارڈ مشن اس کا معمول تھے۔ راستہ غیر محفوظ ضرور تھا لیکن محتاط ڈرائیور حفاظت کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کرتے تھے اور عموماً سلامتی کے ساتھ ایک سے دوسرے ملک

پہنچ جایا کرتے تھے بی ایم ڈبلیو معمول کے مطابق جب عراق کی سرحدی پوسٹ پر پہنچی تو امریکن فوجیوں نے اسی طرح اس کی تلاشی لی جس طرح وہ دوسری گاڑیوں کی لیا کرتے تھے کسی بھی لمحے ایسا کوئی تاثر پیدا نہ ہوا جو بی ایم ڈبلیو میں موجود سواریوں یا ڈرائیور کو ذرا سا بھی شک ڈالتا کہ ان میں ایک اجنبی بھی موجود ہے کرنل مائیک اپنے ساتھیوں سے بات چیت کرتا آیا تھا لیکن زیادہ تر وہ خاموش ہی رہتا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بات کرتے تھے اور ان کے درمیان کسی کسی بات کا جواب دے دیا کرتا۔

راستے میں ایک جگہ رک کر انہوں نے کھانا بھی کھایا قہوہ پیا اور اب وہ عراق کی آخری سرحدی پوسٹ عبور کرنے کے بعد اردن میں داخل ہو گئے تھے اردن کے امیگریشن حکام نے ان سب کے پاسپورٹ چیک کیے ان کی اچھی طرح تلاشی لی اور قریباً آدھ گھنٹہ یہاں مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد وہ اب اردن کے دارالحکومت عمان کی طرف محو سفر تھے۔

عمان پہنچ کر انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ہی بی ایم ڈبلیو رکی اور کرنل مائیک اپنے باقی ساتھیوں سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنا چھوٹا سا بیگ اُٹھا کر نیچے اُتر آیا۔ اب وہ پیدل انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی طرف جا رہا تھا ہوٹل کی ریسپشن پر اس نے ایک عربی نام لیا اس نام سے ایک کمرہ پہلے سے بک تھا اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اطمینان سے اپنا بیگ رکھا باتھ روم میں شاور لے کر راستے کی تھکن کو دور کیا اور اپنے کمرے میں ٹیلی فون کے ذریعے کافی منگا کر اس سے تازہ دم ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ ابھی اس نے بمشکل کافی کا کپ ختم ہی کیا تھا جب اس کے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے کرنل مائیک کو اس عربی نام سے مخاطب کیا گیا جس نام سے اس کمرے کی بکنگ ہوئی تھی۔

"ہاں......! میں ابوسعید ہی بول رہا ہوں۔ کیسے ہیں آپ......؟" اس نے فون کرنے والے کو پہچان کر اس کی خیریت دریافت کی۔

"سفر کیسا رہا تمہارا......؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

"بہت اچھا......!" کرنل مائیک نے مختصر جواب دیا۔

"راستے میں کوئی پرابلم تو پیش نہیں آئی......؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ بتایئے......! میرے لیے کیا حکم ہے......؟" کرنل مائیک

نے اگلی بات پوچھی۔

"میرے خیال سے تم آج رات آرام کرو، زیادہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم صبح ملیں......؟"

دوسری طرف سے کہا گیا۔

"جیسے آپ کی مرضی......!"

"صبح میں ناشتہ تمہارے ساتھ کروں گا۔" دوسری طرف سے کہہ کر کرنل مائیک کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا گیا۔

■ ■ ■

کرنل مائیک کو اپنے اعصاب ڈھیلے پڑنے کا احساس ہوا۔ وہ بھی جہاندیدہ تھا زمانے بھر کی خاک چھان چکا تھا بہت بڑی بڑی مہمات سر کر چکا تھا آج جس شخصیت سے اس کی ملاقات ہو رہی تھی اس کی آمد سے پہلے ہی کرنل مائیک کچھ گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ جو شخصیت اس سے ملنے کے لئے آ رہی ہے وہ کتنی بھرپور کتنی مضبوط کتنی مستحکم اور کتنی طاقتور شخصیت ہے کافی پینے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے ہوٹل کے لان میں آ گیا یہاں ٹہل کر کچھ سوچتا رہا پھر بار روم کا رخ کیا وہسکی کے دو پیگ چڑھانے کے بعد وہ ڈائننگ ہال میں آ کر بیٹھ گیا اور کھانے کا آرڈر دیا۔

کھانا کھاتے ہوئے اسے یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ آخر اچانک اس کی طلبی کیوں ہوئی ہے اسے کل صبح ہی عراق میں اپنے باس کا حکم موصول ہوا تھا کہ وہ فوراً اردن پہنچے یہاں اس کا باس اس سے ملاقات کرنے آ رہا ہے یہ بات لنگلے میں موجود سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے علم میں نہیں تھی کہ کرنل مائیک صرف ان کی نوکری نہیں کر رہا ایک یہودی ہونے کے ناطے پہلے اسرائیلی اور اس کے بعد کچھ اور تھا وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود ہو اس کے لئے سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی تھی کہ وہ یہودی ہے اور اسے اسرائیل کی خدمات انجام دینا ہے۔ یہی وہ سبق ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا اس تک پہنچا تھا جس پر اس نے جی جان سے عمل کیا تھا اور آج تک عمل کرتا آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں گیا اور کمرے میں موجود ٹی وی سے دل بہلاتا رہا پھر اسے نیند آ گئی صبح اپنے معمول سے کچھ دیر پہلے ہی اٹھ کر وہ نہا دھو کر تیار ہوا اور اب ذہنی طور پر

ہو کر کسی کی آمد کا منتظر تھا قریب پندرہ منٹ تک وہ اپنے کمرے میں موجود ٹی وی پر خبریں سنتا جس کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنتے ہی اس نے ٹی وی کا سوئچ آف کر دیا اور فون اٹھایا۔

"میرے خیال سے دو آدمیوں کا ناشتہ اپنے کمرے میں منگوانے کا آرڈر دے دو۔"

فون پر کہا گیا اور کرنل مائیک کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا گیا۔

کرنل مائیک کو ابھی تک یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں کس طرح کا بریک ٹ منگوائے لیکن وہ یہ بات جانتا تھا کہ جو شخص اسے ملنے آ رہا ہے اسے کانٹی نینٹل کھانے زیادہ ب ہیں۔ اس نے اپنے کمرے میں سرہانے چھوٹی سی تپائی پر دھرے ہوٹل کا مینو اٹھایا اور کانٹی ناشتے کا صفحہ نکال کر فون پر آرڈر لکھوایا اور مستعد ہو کر اپنے باس کی آمد کا منتظر ہو گیا۔

کرنل مائیک کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا' بمشکل پانچ چھ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی ل مائیک نے دروازہ کھولا اس کے سامنے بریگیڈیئر شمعون موجود تھا۔

دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا کرنل مائیک کے لئے یہ تصور ہی ڈرا دینے والا تھا کہ وہ اد کے سربراہ سے ملاقات کر رہا ہے بریگیڈیئر شمعون یہاں کس کور میں موجود تھا تل ابیب سے ن تک وہ کیسے پہنچا ان سوالات کے جوابات اس کو کبھی بھی درکار نہیں رہے تھے اور نہ ہی اس نے اس طرح کی باتیں سوچ کے اپنا وقت ضائع کیا تھا وہ جانتا تھا شمعون کے لئے سب کچھ ممکن اردن اور اسرائیل کے قریبی تعلقات روزانہ ایک دوسرے کے ملک میں شہریوں خصوصاً ت پیشہ لوگوں کا آنا جانا ایک معمول کی بات تھی اور کرنل مائیک یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ن بھی اسرائیلی تاجر کے روپ میں ہی یہاں داخل ہوا ہوگا لیکن جس بات کا علم کرنل مائیک کو تھا وہ یہ تھی کہ شمعون کہیں اور نہیں بلکہ اسی ہوٹل کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں مقیم تھا اس کسی تاجر کے نام سے جس کے پاسپورٹ پر اس نے سفر کیا تھا اور ابھی تک کرنل مائیک کو اس کا اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ پہلے سے اسی ہوٹل میں موجود ہے دونوں نے ایک دوسرے کی ت دریافت کی اور آپس میں ابھی اپنی گفتگو کا آغاز نہیں کیا تھا کیونکہ ابھی انہیں کسی اور کی آمد کا ر تھا دروازے پر آہٹ ہوئی اس مرتبہ ویٹر ٹرالی گھسیٹتا ہوا اندر آیا ٹرالی میز کے نزدیک لا کر اس اشیائے خورد و نوش میز پر رکھنی شروع کیں اور اس سے پہلے کہ کوئی اگلی بات کہتا' بریگیڈیئر ن نے اپنا بٹوا کھولا اور دس ڈالر کا نوٹ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

"اب براہ مہربانی کم از کم دو گھنٹے ہمیں ڈسٹرب نہ کرنا۔" بریگیڈیئر نے مسکراتے ہوئے ا عربی لب ولہجے میں بات کی جس میں اُردنی بات چیت کیا کرتے تھے۔

"حکم کی تعمیل ہوگی۔" ویٹر نے اپنا ہاتھ پھیلا کر دس ڈالر کا نوٹ پکڑا اپنی جیب میں رکھا ا قریباً جھکتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کر کے الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

کرنل مائیک اسے چھوڑنے دروازے تک گیا دروازے کے اندر موجود "ڈونٹ ڈسٹرب" کا سٹکر اس نے دروازے کے باہر ہی ہینڈل میں لٹکایا اور دروازہ اندر سے لاک کر دیا اپنی جگہ کر بیٹھ گیا۔

دونوں نے ناشتہ شروع کیا کرنل مائیک نے بریگیڈیئر شمعون کے لئے کافی تیار کی تھی ا بریگیڈیئر شمعون ڈبل روٹی پر مونگ پھلی کا بنا ہوا مکھن پھیلا رہا تھا جس کے بعد اس نے انہیں کہ شروع کیا۔

"اچھے جا رہے ہو تم......!" کافی کا لمبا گھونٹ حلق میں اتارنے کے بعد بریگیڈیئر شمعو نے کہا۔

"تھینک یو سر......!" کرنل مائیک نے جواب دیا۔

"لیکن تم اس سے زیادہ بھی اچھا کام کر سکتے ہو۔ تم بہت باصلاحیت ایجنٹ ہو مائیک... تم میں بہت سی صلاحیتیں ایسی ہیں جن کا تمہیں بھی علم نہیں ہمیں ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسرائیل کے لئے تمہاری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا جائے۔" شمعون نے اس کی آنکھوں آنکھیں ڈال کے کہا۔

"میری خوش قسمتی ہوگی سر......! میری زندگی کا اس کے علاوہ مقصد ہی اور کوئی نہیں کہ اسرائیل کے لئے کوئی بڑا کام کر جاؤں۔" کرنل مائیک نے بریگیڈیئر شمعون سے کہا۔

"کام کی رفتار کو تیز کرو مائیک......! ہمارے پاس وقت کم ہے اور کام بہت زیاد دیکھو......! اس غلط فہمی میں کبھی نہ رہنا کہ طاقت کے بل بوتے پر تم ان لوگوں کو ہمیشہ اپنا غلام سکتے ہو۔ تم ان کی تاریخ نہیں جانتے یہ بالآخر نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کر ہیں، کم از کم ہم امریکیوں کی طرح اتنے بیوقوف نہیں کہ یہ بات اپنے ذہنوں میں بٹھا لیں کہ

م عراق پر قابض رہ سکیں گے۔ جلد یا بدیر یہاں سے نکلنا تو ہوگا۔ تم صرف ایک کام کر سکتے ہو یک کہ امریکہ اور اس کے دوستوں کو عراق میں کام مہیا کرتے جاؤ یاد رکھو جتنی دیر یہ لوگ مڈل یٹ میں موجود رہیں گے یہاں بے چینی رہے گی ہم انہیں اور عربوں کو آپس میں مصروف رکھیں ی یہی وہ وقت ہے جس میں ہم اپنے لئے کچھ حاصل کر سکتے ہیں انہیں آپس میں الجھاتے رہو یسے حالات پیدا کرتے رہو کہ امریکہ کے لئے خطرات بڑھتے رہیں اور وہ ویتنام کی طرح عراق کو ھوڑ کر بھاگ نہ جائے۔" شمعون نے کہا۔

"میں ایسا ہی کر رہا ہوں سر......! جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے جتنے بھی عراق میں کوورڈ پریشن چل رہے ہیں ان سب پر میری نظر ہے زیادہ تر میری ہی نگرانی میں چل رہے ہیں میں نے پ کی ہدایت پر پینٹاگون کو لاعلم رکھ کے لنگلے کو لاعلم رکھ کے اپنا کام شروع کر دیا ہے مجھے امید ہے کہ جلد ہی میں اس ملک کے "مکاتب فکر کو آپس میں ٹکرانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

رنل مائیک نے اپنی کارگزاری پیش کی۔

"اگر ایسا ہو جائے تو ہم ایک گولی چلائے بغیر آدھی لڑائی جیت جائیں گے مائیک......!" معون نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا سر......! ان لوگوں کی ضرورت ہی کیا ہے......؟ کچھ ڈالر، شراب یا پھر عورت ر ہمارے لئے ان تینوں کی فراہمی کیا مشکل ہے......؟ بس آپ دیکھتے جایئے مجھے آپ کا شیرباد حاصل رہے تو میں ماضی کی طرح آپ کو بہترین نتائج دیتا رہوں گا۔"

شمعون نے گفتگو کے آخری مراحل پر وہ چھوٹا سا بریف کیس جو اپنے ساتھ اس کمرے میں لے کر آیا تھا کھولا اور اس میں سے ایک نقشہ نکال کر میز پر بچھا دیا نقشے پر منتخب جگہ کو پن پوائنٹ کر دیا یہ وہ حساس مقامات تھے جن میں گڑبڑ پھیلا کر مائیک اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکتا تھا ایک کے بعد ایک کر کے اس نے دس ایسے حساس مقامات کی نشاندہی کی اور مائیک سے کہا کہ وہ انہیں ٹ کرے۔ مائیک کو کبھی اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ وہ کسی چیز کو دیکھ کے اپنے پاس کھے۔ اس کا دماغ ہی کمپیوٹر تھا ایک مرتبہ اس کمپیوٹر کی سکرین پہ جو تصویر یا لفظ نقش ہو جاتا وہ پھر اس میں محفوظ ہو جاتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوا۔

"ٹھیک ہے سر......! میں نے نوٹ کر لیا۔" مائیک نے بڑے تیقن سے کہا۔

ناشتہ ختم ہو چکا تھا دوسری مرتبہ مائیک نے شمعون کے لئے گرم کافی منگوائی دونوں چند منٹ تک آپس میں گپ شپ کرتے رہے۔ جس طرح شمعون چپ چاپ یہاں آیا تھا اسی طرح خاموشی سے باہر نکل گیا اس کی روانگی کے تھوڑی ہی دیر بعد کرنل مائیک بھی کانٹی نینٹل ہوٹل سے باہر آ گیا اس کو دوبارہ اپنے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں تھی اپنا چھوٹا سا بیگ اس نے اپنے ساتھ لے لیا تھا جس شخص نے اس کے لئے کمرہ بک کرایا تھا اسی نے اب اس کمرے کے چارجز بھی ادا کرنے تھے۔ مائیک کا کام اتنا ہی تھا جو مکمل ہو چکا تھا اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ پیدل چلتا ہوا ہوٹل سے تھری سرکل کی طرف آ گیا یہاں سے ٹیکسی لے کر وہ عمان اولڈ سٹی میں چلا گیا۔ یہاں مارکیٹ میں گھوم پھر کر اس نے کچھ دکانوں سے خریداری کی اور اس ایجنٹ تک پہنچا جو ان کے لئے بی ایم ڈبلیو کا بندوبست کیا کرتا تھا۔

▪ ▪ ▪

"تم کب سے عراق آتے رہے ہو......؟" کرنل مائیک نے اسے آہستہ آہستہ کریدنا شروع کر دیا تھا۔

"پچھلے پندرہ سال سے میرا یہی بزنس ہے۔" ابو صالح نے جواب دیا۔

"آج کل تو بہت لوگ اِدھر اُدھر آ جا رہے ہیں......؟" کرنل مائیک نے اس سے اگلا سوال کیا۔

"ظاہر ہے لوگ بیچارے مجبور ہیں، حالات ہی ایسے ہو گئے فکرمند تو رہتے ہیں۔"

"کس طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں......؟" کرنل مائیک نے اچانک ہی پہلو بدل کر سوال کیا تو جہاندیدہ ڈرائیور ابو صالح چونکا۔

بہر حال عربی زبان بولنے کے باوجود وہ یہ بات سمجھ رہا تھا، کرنل مائیک ایک انگریز ہے گو کہ اس کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"یہی لوگ آتے جاتے ہیں جن کے رشتے دار عراق میں ہیں یا جو عراق میں کام کرنے کے لئے آتے ہیں ان کا آنا لگا رہتا ہے۔" ابو صالح کے جواب سے کرنل مائیک نے اندازہ کر لیا کہ اس کا مخاطب خاصا ہوشیار آدمی ہے اور ممکن ہے وہ اس کی توقعات سے اس طرح پورا نہ اُتر سکے جس کی وہ اس سے کر رہا تھا۔ کرنل مائیک نے اس کے بعد اس سے عراق کے حوالے سے کوئی بات

نہیں کی اور وہ ایک متجسس انسان کی طرح اس سے امریکیوں کے متعلق لوگوں کی رائے پوچھتا رہا۔

اس معاملے میں ابو صالح اپنے ساتھ بے ایمانی نہیں کر سکتا تھا، اس نے کھل کر بتا دیا کہ لوگ امریکہ کے قبضہ کو بالکل پسند نہیں کرتے، رات کرنل مائیک نے اسی گھر میں بسر کی اور علی الصبح وہ اذان کی آواز کے ساتھ ہی بی ایم ڈبلیو میں بیٹھ کے اردن کی سرحد کی طرف روانہ ہو گئے صبح کے تقریباً آٹھ بج رہے تھے جب وہ اُردن کی سرحد پر پہنچے یہاں کرنل مائیک نے اسے رکنے کا اشارہ کیا اور خود امیگریشن آفس میں جا کر تھوڑی دیر کے بعد دونوں کی کلیرنس لے کر باہر آ گیا۔ ابو صالح اسے تائید ایزدی سمجھ رہا تھا کیونکہ اگر یہاں معمول کے مطابق ساری کارروائی سے گزرتا تو اسے یہاں کم از کم چار گھنٹے انتظار کرنا پڑتا جس کے بعد اس کی باری آتی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آپ کو جانتے ہیں......؟" ابو صالح نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں......! میرا آنا جانا لگا رہتا ہے اور برٹش قونصل سے مجھے کچھ دعائیں بھی مل جاتی ہیں۔" کرنل مائیک نے جواب دیا جس نے ابو صالح کو پہلی مرتبہ علم ہوا کہ وہ برٹش ایمبیسی کا ملازم ہے۔

اُردن کی سرحد سے گزر کر سرحد کے آخری پوائنٹ پر اس نے اُصول کے مطابق اپنی گاڑی کو بریک لگایا اور ایک نوجوان قریب آیا جس نے کرنل مائیک کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے ابو صالح کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اب وہ لوگ اور لمبی قطار میں لگ گئے تھے گاڑیوں کی یہ ایک لمبی قطار تھی جو عراق میں داخل ہو رہی تھی کرنل مائیک نے عراق میں داخل ہوتے ہی اسے کہہ دیا تھا کہ اطمینان سے ان سب گاڑیوں سے اپنی گاڑی نکال کر آگے لے جائے۔ ایک طرف کھڑے امریکی فوجیوں نے اس کی اس گستاخانہ حرکت کا نوٹس لیتے ہوئے اپنی بندوق سیدھی کی اور وہ بی ایم ڈبلیو کے نزدیک آئے تو کرنل مائیک کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کی طرف سے مخصوص اشارہ ملتے پر دوسری طرف ہٹ گئے ابو صالح تیزی سے گاڑی بڑھا کر آگے لے گیا اب وہ عراقی سرحد میں داخل ہو گئے تھے معمول کے مطابق جو فاصلہ اس نے آدھے گھنٹے میں طے کرنا تھا وہ چار پانچ گھنٹے میں طے کر کے المنصور کے علاقے میں پہنچ چکا تھا یہاں پہنچ کر سفارتی انکلیو کے نزدیک کرنل مائیک اتر گیا۔

"میں آپ کو ایمبیسی تک چھوڑ آتا ہوں۔" ابو صالح نے کہا۔

"نہیں نہیں......! اس کی ضرورت نہیں اس میں یہاں میرا گھر نزدیک ہی ہے پ
میں اپنے گھر جاؤں گا۔خدا حافظ......!"

کرنل مائیک نے اس کی مکمل بات سنے بغیر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نوٹ اس کی طرف بڑھائے اس نے ابو صالح کو طے شدہ معاوضے سے زیادہ ڈالر ادا کئے تھے اور ابو صالح کے لئے کچھ کافی تھا اس نے مسکرا کر اور قدرے جھک کر کرنل مائیک کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ بھی خدمت کے لئے اسے یاد رکھنے کی درخواست کی اور اپنا راستہ ناپا۔

تکریت امریکی فوج کے لئے لوہے کا وہ پہلا چنا ثابت ہوا تھا جو اب ان کے دانتوں کے لئے مسائل پیدا کر رہا تھا بغداد میں موجود امریکی فوجیوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ تکریت میں انہیں عراق پر قبضے کی ابتداء ہی سے مزاحمت کا سامنا ہوگا یہ بات تو وہ جانتے تھے کہ وہی علاقہ ہے جس سے صدام حسین کا تعلق ہے لیکن انٹیلی جنس کی اطلاعات یہی تھیں کہ پورے عراق میں کہیں بھی ان کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور عراقی عوام ان کی راہوں میں پھول بچھائیں گے لیکن یہاں پھول کانٹوں میں تبدیل ہونا شروع ہو گئے تھے اور امریکیوں کے قبضے کے دوسرے تیسرے روز ہی سے حملے شروع ہو چکے تھے ان اچانک ہونے والے حملوں میں پہلے پہل آٹھ دس امریکی فوجی مارے جا چکے تھے جس کے بعد سے انہوں نے بہت ہی احتیاط کے ساتھ اور بہت ڈیفنسو پوزیشن اختیار کر لی تھی امریکیوں نے ابھی تک تکریت کی مزاحمت کا اتنی سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا تھا لیکن دو تین روز قبل ملنے والی اس اطلاع کے بعد کہ زرقاوی عراق میں موجود ہے امریکی بہت محتاط ہو چکے تھے اور تکریت ہی کیا اب وہ جہاں کہیں بھی موجود تھے بہت چوکسی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے۔

تکریت بغداد کا ایک قصباتی شہر تھا جہاں کی بیشتر آبادی ان قبائل پر مشتمل تھی جو اپنی خصوصی روایات کی وجہ سے پورے عراق میں بہادری کا ایک سمبل سمجھے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ امریکیوں کو شہر میں داخل ہونے کی ابھی تک ہمت نہیں پڑی تھی کیونکہ شہر کے داخلے کے ابتدائی مراحل میں ہی انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

امریکن انٹیلی جنس کی رپورٹ صحیح تھی کہ تکریت میں صدام حسین کے کچھ وفادار فوجی جم

ے ہیں ان کی طرف سے مزاحمت کا سلسلہ جاری ہے لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ صورت ل اس کے بالکل برعکس ہے مزاحمت صدام کے فوجیوں کی طرف سے نہیں تکریت کے شہریوں طرف سے ہو رہی تھی جو اپنی روایت کے اپنے علاقے میں غیر ملکی مداخلت کسی بھی صورت داشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

دیہہ علی، تکریت کے نواح میں واقع وہ چھوٹا سا گاؤں تھا یہاں اب بھی تکریت کے برعکس القبائلی زندگی کے آثار دکھائی دیتے تھے گو کہ اس گاؤں کے مکانات تکریت کی طرح بہت ے تھے آج یہاں صورت حال اس لئے بھی کچھ زیادہ گھمبیر تھی کہ امریکیوں کی طرف سے تکریت ے شہریوں کو وارننگ دی گئی تھی کہ وہ سارا علاقہ خالی کر کے میدانوں میں جمع ہو جائیں جو ان وں کے لئے نا قابل قبول تھا وہ چاہتے تھے کہ تکریت کے تمام شہری اپنے گھروں سے باہر آئیں ر امریکی فوجی ان گھروں کی اور ان کی تلاشی لینے کے بعد انہیں گھروں کے اندر جانے کی اجازت یں۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا جب میر علی کے سردار عباس کے گھر کے دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی، عباس کل رات سے اس آہٹ کا منتظر تھا اسے کسی کا انتظار تھا شاید مہمان آگئے ہیں عباس بڑے محتاط قدموں سے خود چلتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اس نے گھر کا دروازہ کھولا سامنے دو خواتین اور تین مرد موجود تھے جنہوں نے بڑے بڑے تھیلے اُٹھا رکھے تھے ان کے پاس دو گھوڑے بھی تھے جن پر سامان لدا ہوا تھا اور ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے یہ لوگ کسی دُور کے گاؤں سے لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہاں پہنچے ہیں۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ......!" عباس نے مہمانوں کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

جوابی سلامتی کے بعد اگلا کوئی سوال کرنے سے پہلے عباس نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا اور مکان کا بڑا سا دروازہ بند کر لیا مکان کی ڈیوڑھی میں عباس کے دو رکن خاص اپنے کندھوں پر کلاشنکوف رائفلیں لٹکائے شاید ان ہی لوگوں کا انتظار کر رہے تھے آنے والے تمام لوگوں نے چہرے اپنے سروں پر لئے ہوئے تھے کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے چہروں سے وہ نقاب اتارے ان کی کمانڈ صالحہ کر رہی تھی اور عباس سے اس کا تعارف بغداد میں ہو چکا تھا، صالحہ نے عباس کی خیریت دریافت کی اور اس نے ان تھیلوں کی طرف اشارہ کیا جو سامان کی

صورت میں ان کے ساتھ موجود تھے۔ عباس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جنہوں نے پھرتی سے وہ تھیلے اُٹھائے اور کمروں میں غائب ہو گئے۔ پانچوں مہمانوں کے ساتھ وہ خود ایک بڑے کمرے میں بیٹھ گیا۔ یہاں ان کے لئے کھانا پہلے سے تیار تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کونے میں رکھا ہوا تیل سے جلنے والا لیمپ اُٹھایا اور کمرے کے درمیان میں رکھی ہوئی میز پر لا کر رکھ دیا، اب وہ ہاتھ سے بنا ہوا ایک نقشہ میز پر پھیلا رہا تھا عباس نے ساری تیاری دو دن سے کر رکھی تھی وہ یہ بات جانتا تھا کہ یہ لوگ کس لئے یہاں آئے ہیں اور اب انہیں کیا کرنا ہے اس گروپ کی کمان صالحہ کر رہی تھی۔ ابو حسام کی پر اعتماد ساتھی اور قرون اولیٰ کی مجاہد مسلمان لڑکیوں کا ایک ایک مکمل رُوپ اور کسی بھی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے مکمل تربیت یافتہ صالحہ ایک ہوشیار کمانڈر کی طرح عباس کی باتیں سن رہی تھی اس نے اپنی نظریں نقشے پر ہی گاڑ رکھی تھیں۔ صالحہ کو زندگی میں پانچویں مرتبہ تکریت آنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن شہر اور اس کے گردونواح میں واقع دیہاتوں کی تفصیلات کا زیادہ علم اسے نہیں تھا۔ عباس نے اسے بتایا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے کہیں کہیں مورچہ بندی کر رکھی ہے اور وہ کس کس مرحلے پر آنے والی فوج کو روکیں گے۔ صالحہ نے نقشے کی تمام جزیات سننے اور سمجھنے کے بعد اپنے ساتھیوں اور عباس کو ہدایات دینی شروع کیں۔ ایک بہت محتاط صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کمانڈر کی طرح ان لوگوں کو بتایا کہ انہیں کہاں سے اندر آنے والی فوج پہ گھات لگانی ہے کس راستے سے فرار ہونا ہے اور فرار ہونے کے بعد متعلقہ محفوظ ٹھکانے تک پہنچنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا ہے۔

جس انداز سے وہ بات کر رہی تھی اس سے عباس کچھ لمحوں کے لئے یہ بات بھول گیا کہ اس کی مخاطب ایک مسلمان خاتون ہے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ جیسے بہت تربیت یافتہ کمانڈر سے بات کر رہا ہو۔

''تمہارے دو مقامی ساتھی اور میرا ایک ساتھی اس مورچے میں میرے ساتھ ہوں گے۔'' صالحہ نے عباس کے بنائے ہوئے نقشے پر ایک خاص جگہ نشان لگاتے ہوئے کہا۔

یہ وہ جگہ تھی یہاں عباس کے بنائے ہوئے اس نقشے میں سب سے غیر محفوظ کہا جا سکتا تھا کیونکہ موجود لوگوں کو بائیں طرف ایک آڑ میسر تھی باقی تینوں اطراف سے یہ علاقہ بالکل خالی تھا لیکن یہ جگہ ایسی تھی یہاں وہ گھات لگاتے تو اندر آنے والی فوج کو اچانک حملے سے بہت زیادہ

ان پہنچا سکتے تھے۔

''لیکن...... یہاں...... تو میں......'' عباس نے کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں......!'' صالحہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''یہاں میں خود موجود رہوں گی۔''

عباس اس کی جرأت پر حیران رہ گیا اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ جس اعتماد کے ساتھ صالحہ کر رہی ہے اس کے بعد اسے کچھ کہنا سننا والا حاصل ہے اور اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ جو کچھ کہتی ہے اسے کر گزرنے کی ہمت بھی رکھتی ہے۔

''ٹھیک ہے......! جیسے آپ کا حکم کمانڈر......!'' عباس نے ایک باادب سپاہی کی طرح کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

''میرے خیال سے ہمیں وقت ضائع کرنے کے بجائے ابھی نکل جانا چاہئے کیونکہ ہماری عات کے مطابق امریکی صبح اذان ہونے سے کچھ دیر پہلے یہاں داخل ہوں گے تاکہ سوئے ئے لوگوں پہ شب خون ماریں۔'' صالحہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا اور رائے پیش کی۔

''ہاں......! میں جانتا ہوں کہ اردگرد کے دیہات میں انہوں نے ایسی ہی کارروائی کی تھی پنے حملے کا آغاز اسی طرح کرتے ہیں۔'' عباس نے صالحہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اس سے قبل ان لوگوں نے اپنے اوپر لی ہوئی چادریں ایک طرف پھینک دی تھیں اور اپنے رھے سے لٹکی کلاشنکوفوں کو چیک کرنے لگے تھے عباس کے ساتھی ان بڑے بڑے تھیلوں کو کھول ان میں موجود راکٹ لانچر اور گرینڈ تھروئر گیس اور وہ چھوٹے چھوٹے تھیلے جو انہوں نے پہلے ان میں استعمال ہونے والے ایمونیشن کے لئے تیار کر رکھے تھے کمروں سے لے کر اب باہر آ ے۔

صالحہ کی ہدایات کے مطابق ان لوگوں نے اپنے جسموں سے باندھ لیا تھا اب صورت حال ابن گئی تھی کہ صالحہ عباس کے دو ساتھیوں اور اپنے احمد کے ساتھ مورچے کی طرف جا رہی تھی ل انہوں نے آنے والے فوجیوں کا انتظار کرنا تھا مورچے کی طرف ان کی رہنمائی عباس کا ی کر رہا تھا جو آگے آگے جا رہا تھا باقی لوگ صالحہ کی ہدایات کے مطابق اپنے اپنے ٹھکانوں کی ف جا رہے تھے ان تمام لوگوں کو عباس نے اپنے اردگرد کے کچھ مکانوں میں چھپا رکھا تھا اور

اب وہ انہیں صالحہ کی ہدایات کے مطابق ان مخصوص مقامات کی طرف روانہ کر رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے امریکی فوج کے "استقبال" کی تیاریاں کرنی تھیں اس سے تین چار روز پہلے مخصوص خفیہ راستے سے تکریت اور اس کے گردونواح کے لوگوں کو اسلحہ پہنچا دیا گیا جس کی انہیں ضرورت تھی۔

یہ اسلحہ کہاں سے آیا تھا اور لانے والے کون تھے ان تک کیسے پہنچا؟ عباس یا اس کے کسی بھی ساتھی کو ان سوالات سے کوئی سروکار نہیں تھا وہ پیدائشی فوجی تھے۔ یہاں ہر گھر میں اسلحہ موجود تھا انہیں اس مرحلے پر راکٹ لانچرز گرینیڈ پھینکنے والی گنز اور جس نوعیت کے اسلحے کی ضرورت تھی وہ صالحہ اور ابو حسام کے دوسرے مجاہدین کی طرف سے گزشتہ تین چار روز میں مختلف اقساط میں ان تک پہنچایا گیا تھا۔ اب وہ لوگ رات کے اندھیرے میں سر جھکائے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف جا رہے تھے انہیں اس راستے پر گھات لگا کر بیٹھنا تھا جس راستے سے امریکن فوجیوں نے تکریت میں داخل ہونا تھا داخلے کے مقامات کے پہلے آنے والے بہت سے گھر خالی کروا دیئے گئے تھے یہاں رہنے والوں میں بڑے انداز میں ابو حسام اور عباس کے ساتھیوں نے محفوظ علاقے میں پہنچا دیا تھا اور اب وہاں ان کی جگہ مجاہدین نے سنبھال لی تھی اگلے پندرہ بیس منٹ میں وہ لوگ اپنی اپنی جگہ پہنچ کر محتاط ہو کر بیٹھ گئے تھے اور اب ان کی نظریں اس راستے پر گڑی ہوئی تھیں جس راستے سے امریکیوں نے ان کی توقعات کے مطابق داخل ہونا تھا۔

رات سسکیاں لیتی ہوئی اپنے آخری پہر کی طرف رینگ رہی تھی جب اچانک ان کے کان ایک مخصوص آواز سے گونجنے لگے یہ ان ہیلی کاپٹروں کی آواز تھی جو امریکیوں کے استعمال میں رہتے تھے اور جنہیں امریکن ہراول دستے کے طور پر استعمال کرتے تھے ابھی اندھیرا ختم نہیں ہوا تھا لیکن ان ہیلی کاپٹروں میں موجود امریکن فوج کے اوپی اندھیرے میں دیکھنے والی عینکیں لگائے ان کے سروں پر گھوم رہے تھے اپنی دانست میں انہوں نے اس طرح ممکنہ مزاحمت کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی اور تین چار منٹ تک تکریت پر دو تین ہیلی کاپٹروں کو گھمانے اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد یہاں مزاحمت کے امکانات بظاہر دکھائی نہیں دے رہے تھے انہوں نے اپنی پیدل افواج کو سیف سگنل بھیج دیا تھا۔

تکریت کی مساجد میں فجر کی اذان بلند ہو رہی تھی در و دیوار اللہ کی واحدانیت کا سرمدی نغمہ

الاپ رہے تھے اور تکریت کے باسی اپنے گھروں سے نکل کر مساجد کا رخ کر رہے تھے یہ امریکیوں کے لئے بڑا مناسب موقع تھا انہیں اس بات کا علم تھا کہ یہاں کے لوگ بہت مذہبی ہیں اور اذان ہوتے ہی مساجد کا رخ کرتے ہیں اب گھروں میں صرف عورتیں تھی اور یہ بہترین وقت تھا کہ گھروں میں گھس کر جب وہ ان کی تلاشی لے سکتے تھے' مساجد کو گھیر کے مردوں کو وہاں محصور کر سکتے تھے یہی وہ پلاننگ تھی جس پر امریکی فوجی عمل کرنے جا رہے تھے عمل کا آغاز انہوں نے اپنے ہیلی کاپٹروں سے ملنے والے سیف سگنل کے ساتھ شروع کر دیا تھا امریکی فوجی اپنی بکتر بند گاڑیوں میں بظاہر مطمئن انداز میں تکریت کی طرف بڑھ رہے تھے سب سے پہلے صالحہ کا مورچہ آتا تھا جب حملہ آوروں کی سب سے پہلی گاڑی نزدیک پہنچی تو احمد کا ہاتھ بے ساختہ اپنے راکٹ لانچر کے لئے ٹریگر کی طرف گیا لیکن صالحہ نے اس کے کندھے کے اوپر ہاتھ رکھ دیا اس کے ساتھ ہی اس نے مڑ کے اپنے باقی ساتھیوں کی طرف دیکھا اور انہیں مخصوص اشارے سے انہیں سمجھایا کہ جب تک دوسری طرف سے فائر نہ ہو کوئی بھی فائر نہیں کرے گا۔ امریکی اطمینان سے گزرتے چلے گئے۔ اب چار پانچ گاڑیاں گزرنے کے بعد ان کے پیدل دستے کے فوجی نظر آنا شروع ہو گئے تھے عین ان لمحات میں جب امریکن فوجیوں کے دستے کا آخری حصہ صالحہ کے مورچے کے سامنے سے گزر رہا تھا صالحہ کے اشارے پر اس کے ساتھیوں نے ان پر حملہ کر دیا یہ حملہ اتنا اچانک اور بھرپور تھا جس نے عملاً بہت تربیت یافتہ امریکن فوجیوں کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

حملہ ان کے لئے قطعی غیر متوقع تھا اور ابھی انہوں نے عراق میں بلٹ پروف جیکٹس پہننا شروع نہیں کی تھیں پہلے ہی ہلے میں تکریت آنے والے آٹھ دس فوجی ڈھیر ہو گئے اس کے ساتھ ہی احمد کے راکٹ لانچر نے اپنا کام شروع کیا وہ انتہائی غیر محتاط انداز میں قریباً صالحہ کے منع کرنے کے باوجود اپنے مورچے سے باہر نکل کر اپنے ٹارگٹ کے نزدیک ہو کر اپنا نشانہ باندھا کیے بعد دیگرے عباس، ساتھیوں اور احمد کی طرف فائر ہونے والے راکٹ لانچروں نے امریکیوں کی پہلی بکتر بند گاڑیوں کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے تھے اس صورت حال نے امریکن فوجیوں کو خاصا پریشان کر دیا تھا گو کہ انہوں نے بہت ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جلدی دفاعی پوزیشن لے لی تھی اور اپنے ہیلی کاپٹروں کو اپنے وائرلیس سیٹوں پر تکریت بلانا شروع کر دیا تھا اپنے ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا اس بات کا احساس صالحہ اور اس کے ساتھیوں کو بخوبی تھا کہ ان کے پاس اس کام

کے لئے زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس منٹ تھے‘ کیونکہ پندرہ یا بیس منٹ کے بعد ہیلی کاپٹران مدد کے لئے آجاتے جو اس علاقے پر فوری بمباری شروع کر دیتے جس سے ان سے زیادہ یہا موجود بے گناہ عورتوں اور بچوں کی ہلاکتوں کا خدشہ تھا اس کے ساتھ نزدیک ہی موجود فوج یہاں پہنچ سکتی تھی اور دن کی روشنی میں ان کے لئے بڑا اچھا نشانہ بھی بن سکتی تھی۔ پندرہ بیس تک امریکی فوجیوں کی سمجھ بھی نہ آسکا کہ گولیاں کس طرف سے آ رہی ہیں ان کی دانست تکریت کے ہر مکان سے ان پر فائرنگ کی جا رہی تھی فائرنگ کرنے والے کہاں چھپے ہوئے اس کا اندازہ انہیں ابھی تک نہیں ہوا تھا اور وہ کونے کھدروں میں سر چھپائے مختلف قسم کی آڑ اپنے آپ کو بچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

صالحہ اور اس کے ساتھیوں کی توقعات کے عین مطابق اب ان کے کانوں میں ہیلی کاپٹر کی آوازیں آنے لگی تھیں جو نیچے لگی ہوئیں تیز روشنیاں پھینکتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے اس سے پہلے کہ یہ ان کے سر پر پہنچ جاتے صالحہ کے اشارے پر اس کے ساتھی پہلے سے طے ایک ترتیب کے ساتھ اپنے ٹھکانوں سے نکلے اور تکریت کی گلیوں میں بھاگتے ہوئے ان مقا کی طرف پہنچنے کی کوشش کرنے کے لئے یہاں عباس نے ان کے فرار کے لئے انتظامات کر تھے عباس اور اس کے ساتھی‘ صالحہ اور اس کے ساتھی اگلے پندرہ بیس منٹ میں اپنے مخصو مقامات پر پہنچ کر اس راستے سے تکریت سے نکل رہے تھے جو امریکیوں کے وہم و گمان میں بھی تھا یہ سارا آپریشن آدھے گھنٹے میں مکمل ہو چکا تھا اس آدھے گھنٹے میں انہوں نے حملہ آور کے قر بیس فوجیوں کو مار ڈالا تھا تین بکتر بند گاڑیاں تباہ کر دی تھیں اور ایک ٹینک شکار ہو چکا تھا امری تکریت کے اندر داخل ہونے کی بجائے فوجی تربیت کے مطابق باہر سے گھیرے میں لے ر تھے۔

ان کی امدادی افواج اب پہنچ چکی تھیں ان کا گھیرا بھی مکمل ہو چکا تھا اسی اثناء میں تکر کے شہری بھی ذہنی طور پر اس صورت حال کے لئے تیار ہو چکے تھے جس کا سامنا انہیں تھوڑی دیر ہونے والا تھا ان کی توقعات کے عین مطابق امریکیوں نے صبح کا اجالا پھیلتے ہی تکریت پر دھا بول دیا قصبے کے ہر گلی محلے مارکیٹ میں وہ دندناتے ہوئے گھس آئے تھے ہر گھر کا دروازہ توڑ ہوئے وہ اندر داخل ہو کر وہ مکانات کی تلاشی لے رہے تھے لیکن یہاں تھا ہی کیا وہ اپنے ساتھیو

ں موت پر شدید غصے میں دکھائی دیتے تھے وہ کسی نوجوان یا بزرگ کو پکڑ کر مارتے ہوئے گھر سے ہر لاتے اور ان سے پوچھتے کہ حملہ آور کہاں گئے ہیں؟ ان کا ایک جواب تھا کہ ”ہم کسی حملہ آور کو ہیں جانتے“ امریکی حیران تھے کہ تکریت والوں کی طرف سے کسی بھی قسم کا تعاون نہیں کیا جا رہا ا اور یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ ان پر حملہ کرنے والے، انہیں اتنا شدید نقصان پہنچانے لے آخر کہاں چلے گئے ان کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ ابھی تک ان کو اس راستے کا بھی علم ہیں ہوا تھا جس راستے سے حملہ کرنے والے افراد اپنے مخصوص ٹھکانوں کی طرف نکلے ے۔ امریکیوں کے لئے یہ بات بڑی پریشانی کا باعث تھی اور انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان لوگوں ے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

انہوں نے تکریت کے شہریوں کو گھروں کے باہر ریت کے میدانوں میں کھڑا کرنا شروع یا ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور ان کے ہاتھ پلاسٹک کی سٹرپس سے پیچھے باندھنے کے د اپنے پاؤں کی ٹھوکروں پر رکھ لیا وہ تشدد کرتے ہوئے ان لوگوں سے حملہ آوروں کے بارے ں پوچھ رہے تھے ان کا ایک ہی جواب تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں اس طرح کے لوگوں سے ریکیوں کا واسطہ پہلی مرتبہ پڑا تھا وہ بغداد کے شہریوں سے کچھ الگ تھلگ دکھائی دے رہے تھے و اس بات سے بالکل لاتعلق تھے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے یا کیا سلوک ہونے جا رہا ہے امریکی کافی دیر تک اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کوئی تو انہیں یہ بتانے پر تیار ہو جائے کہ ملہ کرنے والے کون تھے اور کہاں چلے گئے۔

جب ہر طرح کی کوششوں کے باوجود انہیں ناکامی ہوئی تو انہوں نے اپنی دانست میں پندرہ بیں مشتبہ نوجوانوں کو پکڑا ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھیں انہیں اپنے ٹرکوں میں بٹھایا اور بکتر بند گاڑیوں کے گھیرے میں لے کر اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔ فی الوقت وہ تکریت کو خالی کر ہے تھے ابھی تک وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ تکریت کے اندر مورچے سنبھال سکیں کیونکہ ہاں کوئی بھی گھر کوئی بھی گلی اور سڑک ان کے لئے محفوظ نہیں تھی۔

■ ■ ■

تکریت پر دہشت گردوں کا حملہ امریکی فوج کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ان کے نزدیک ہر وہ شخص دہشت گرد تھا جو ان کے مقاصد میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرے یہ معاملہ اچھے ہیں یا برے اس کا فیصلہ بھی وہ خود ہی کرتے تھے یہ فیصلہ کرنے کا اختیار بھی انہوں نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا، لوگ کیا سوچتے ہیں لوگ کیا جانتے ہیں یہ قابض فوج کا مسئلہ نہیں تھا انہیں ہر صورت یہاں اپنا اقتدار مستحکم کرنا تھا تاکہ زیرِ زمین بہتے اس سیال سونے پر قابض ہو سکیں جس پر ایک عرصے سے وہ نظریں گاڑے بیٹھے تھے اور جو ابھی تک ان کے قبضے میں نہیں آیا تھا۔تمام حملہ آور تکریت سے نکل چکے تھے جب صبح کا اجالا پھیلتے ہی امریکی فوجی دندناتے ہوئے تکریت میں داخل ہوئے انہوں نے ایک ایک گھر ایک ایک دکان اور ہر اس ممکن جگہ کو جہاں ان کے خیال میں دہشت گرد چھپے ہوئے تھے بری طرح سے چھان مارا تھا لیکن یہاں سے کچھ ہاتھ نہ آیا اور یہ بات انہیں جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے کے لئے کافی تھی امریکن تکریت کو مثال بنانا چاہتے تھے ایک ایسی مثال جو ان کے دشمنوں کو یہ بات سمجھا سکے کہ مستقبل میں کبھی بھی وہ امریکیوں سے ٹکرانے کی کوشش نہ کریں۔

ابوحسام بھی اپنی دانست میں ایسی ہی مثال قائم کرنے جا رہا تھا وہ امریکیوں کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ عراقیوں کی مرضی کے بغیر ملک پر قابض نہیں ہو سکتے اور انہیں عراق سے جانا ہی پڑے گا بھلے وہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں۔

ابونافع اور شعبان کی المنصور میں موجودگی سے حماد کو خاصا حوصلہ ہوا تھا اس کا جی تو بہی چاہتا تھا کہ موصل جائے اپنی ماں، بہن، بھائیوں سے ملاقات کرے لیکن حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ وہ اطمینان سے یہاں بیٹھ کر انتظار کرتا رہے...... اچھے وقت کا انتظار اور جب وہ وقت آئے

پھر وہ اپنی فی الوقت مائیک کے رحم و کرم پر تھا یا پھر ایک چھوٹی سی اُمید اس کے دماغ پر چھائے گھٹاٹوپ اندھیرے کے آخری کونے پر جلتی ہوئی موم بتی کی طرح جگمگانے لگتی تھی اس کی بھولی بھٹکی سوچوں کو راہ دکھانے لگتی تھی کہ وہ دن ضرور آئے گا جب ابوحسام اور اس کے ساتھی عراق پر اقتدارِ اعلیٰ بحال کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جب انہیں قابض فوجوں سے نجات مل جائے گی اور اپنی قسمت کے فیصلے خود کرنے لگیں گے یہ وقت کب آئے گا۔

''یہ لڑائی کتنی لمبی ہو گی......؟''

''انہیں اور کتنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے پڑیں گے......؟''

ان سوالات کے جوابات ابھی حماد یا ابوحسام کے پاس نہیں تھے۔انہیں تو اپنا کام کرنا تھا بالکل اسی طرح جیسے امریکی اپنا کام کر رہے تھے اور حماد آج اس کام کے سلسلہ میں ایک مرتبہ پھر کرنل مائیک سے ملاقات کرنے جا رہا تھا۔

کرنل مائیک کو حماد میں ایسی چیز ضرور دکھائی دے رہی تھی جس نے اس کی توجہ حماد کی طرف کچھ زیادہ ہی بڑھا دی تھی۔حماد کا تعلق المنصور کی وی آئی پی سوسائٹی سے تھا۔کرنل مائیک یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر حماد اپنی طرح کے پانچ دس اور نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو جائے تو سیاسی طور پر ان کی پوزیشن بغداد میں خاص مستحکم ہو جائے گی۔یہی وہ سوچ اور اس کے پس پردہ پلاننگ تھی جس کے تحت اس نے حماد کو پیغام دے کر آج اپنے پاس بلایا تھا اس مرتبہ اس نے اپنی نشست میں حماد کے لئے ایک بہت بڑا سرپرائز تیار کیا ہوا تھا اور اسے امید تھی کہ حماد کے لئے سرپرائز بہت ہی چونکا دینے والا اور خوش کن ثابت ہوگا۔اس ملاقات سے ایک روز پہلے ہی ابوحسام نے بھی حماد سے ملاقات کی تھی اس نے حماد کو تکریت اور اس کے گرد و نواح میں ہونے والی ان کوششوں سے آگاہ کیا تھا جس کا آغاز اس کے ساتھی کر چکے تھے اور اب وہ اس کے انجام کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہے تھے اس لئے حماد کی شدید خواہش کے باوجود اسے اس بات کی اجازت نہیں دی گئی تھی کہ وہ بندوق پکڑ کر امریکن فوج کے ساتھ جنگ لڑنا شروع کر دے۔

''دیکھو میرے بیٹے......! ہر فوجی کے لئے گولی چلانا لازم نہیں ہوتا وہ لوگ جو دوسرے شعبوں میں کام کرتے ہیں لڑائی کو تقویت پہنچاتے ہیں فوج کو کمک مہیا کرتے ہیں وہ بھی فوج ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں تمہیں فی الوقت میری باتوں پر عمل کرنا ہے اور تم یہ بات اپنے دل میں رکھنا کہ

جو کام تم کرنے جا رہے ہو اگر تمہیں اس میں کامیابی حاصل ہوگئی تو ہم آدھی جنگ جیت جائیں گے...... دُشمن کی صفوں میں بیٹھ کر اپنوں کے لئے جہاد کرنا بہت بڑی سعادت ہے میرے بچے......!'' ابوحسام نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

'' لیکن میرا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میرے تمام ساتھی دُشمن سے نبرد آزما ہوں اور میں یہاں ٹانگیں پسارے سوتا رہوں آخر اس ملک کا مجھ پر کچھ حق ہے میں بھی اس زمین کا بیٹا ہوں۔'' حماد خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔

'' تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہ تمہارا ہی نہیں عراق کے ہر نوجوان کا مسئلہ ہے ابھی عراق کی ماؤں کے خون میں وہ غیرت باقی ہے میرے بیٹے جو کسی بھی قوم کو ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رکھتی ہے میں جانتا ہوں تم سب امریکیوں سے لڑنا چاہتے ہو لیکن ایسا ممکن نہیں...... پھر ہمارے پاس ہے ہی کیا......؟ کتنے ہتھیار ہیں ہمارے پاس اور اگر ہتھیاروں کی بات کی جائے تو صدام کی فوج کے پاس کون سے ہتھیار نہیں تھے......؟ پہلے کیسے دعوے کئے تھے اس نے لیکن نتیجہ تمہارے سامنے ہے ہم بھیڑوں اور بکریوں کی طرح اپنے بیٹوں کو ذبح نہیں کروانا چاہتے، میرے بچے......! ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ یہ ایک طویل اور تھکا دینے والی لڑائی ہے ممکن ہے ہم بہت جلد اس میں وہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں جو ہمیں بظاہر حاصل کرنی چاہئے لیکن ایک بات ہمارے دل کو مطمئن کرتی ہے کہ وہ معمولی مزاحمت جو ہم کر رہے ہیں کم از کم قابض فوجوں کے مستقبل کے عزائم کے راستے میں ایک دیوار ضرور بن گئے ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ عراق پر قابض ہونے سے یہ لوگ مختلف ہو جائیں گے......؟ نہیں......! یہ ایک بڑے منصوبے پر عمل کر رہے ہیں...... وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں...... بہت آگے تک...... ہمارے وہم و گمان سے بھی آگے تک...... ان کے لئے ہمارا وجود ناقابلِ برداشت ہے ہم ان کے خطرہ میں بھلے ہم ایسا سوچیں یا نہ سوچیں، ایسا کریں یا نہ کریں لیکن یہ لوگ ہمیں اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں ان کے لاشعور میں موجود خوف کو ہم ختم نہیں کر سکتے، ان کے دلوں پر بیٹھی ہوئی دہشت کو ہم ختم نہیں کر سکتے یعنی وہ دہشت اور خوف ہے جو انہیں ظلم پہ آمادہ کرتا ہے اور یہ لاؤ لشکر کے ساتھ ہم پر چڑھ دوڑے ہیں' حماد مجھے اس بات کا احساس ہے کہ تمہارے جیسے سینکڑوں ہزاروں نوجوان فوری طور پر اس لڑائی کا حصہ بننا چاہتے ہیں لیکن مجھے اپنے ضمیر اور اللہ کے حضور بھی جواب دہ ہونا ہے یہی وہ غلطی تھی جو صدام نے کی اور ہم اسے......

میرے بیٹے......! صرف دھمکیوں سے صرف جذباتی باتیں کرنے سے، بلند و بانگ دعوے کرنے سے ہم کچھ حاصل نہیں کر پائیں گے یہ ذلت جو ہم پر مسلط ہوگئی ہے اسے ہم نے اگر اپنے سے اتارنا ہے اگر اس سے نجات حاصل کرنی ہے تو ہمیں حکمت کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔'' اس نے حماد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

'' ٹھیک ہے شیخ......! جو آپ کا حکم بہرحال میرے دل میں خلش ضرور موجود رہے گی کہ میں شرجیل، احمد اور دوسرے ساتھیوں کی طرح باعمل مجاہد کیوں نہ بن سکا۔'' حماد نے جواب دیا۔

'' چلو چھوڑو ان باتوں کو...... اچھا......! میری بات غور سے سنو......!''

ابوحسام نے اسے سمجھانا شروع کیا اور پندرہ بیس منٹ کے بعد جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو حماد خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا اور اب اسے ایک نئی حکمت عملی کے تحت جہاد کا حصہ بنا دیا گیا تھا اور اس نے اپنے حصے کا کام بخوشی قبول کر لیا تھا آج اس کام کا آغاز تھا ایک ایسا آغاز جو ان کو اپنے انجام کی طرف لے جاتا وہ انجام جس کے لئے انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا وہ انجام جو ان کا مقدر بننے والا تھا ایک شاندار باعزت اور آزاد زندگی' اپنی مرضی کی حکومت، کیا ملک اور کیا قانون اپنے ضوابط اور وہ سب کچھ جو آزاد قوموں کا وطیرہ ہوتا ہے جسے وہ لانا چاہتے تھے غلامی کا وہ طوق جو ان پر مسلط کیا گیا اپنے گلے سے بہرحال اتارنا چاہتے تھے خواہ اس کے لئے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

قصر جمہوریہ تک وہ ایک ٹیکسی میں پہنچا تھا خاردار تاروں کی باڑ کے کچھ فاصلے پر وہ ٹیکسی سے اتر گیا اور اب چلتا ہوا اس قطار کی طرف جا رہا تھا جو بہت لمبی ہوگئی تھی یہ قطار قصر جمہوریہ کے باہر کئی دنوں سے لگی ہوئی تھی جس میں ہر روز خواتین مردوں بوڑھوں اور بچوں کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا' بے بس بے کس اور انتہائی مجبور یہ وہ عراقی تھے جو اپنے گھروں کی تباہی' اپنے بچوں کی بیماری اور گردش ایام کا شکار ہو کر ان قطاروں میں کھڑے تھے تاکہ اپنے لئے حاکموں کے سامنے باری باری پیش ہو کے اپنی گزارشات بیان کریں اور ان سے اپنے لئے کچھ مانگیں۔

لیکن ان حاکموں کو جو ایک جبر کے ساتھ ان پر مسلط ہوگئے تھے وہ دنیا کے تمام اخلاقی اور آئینی اُصول و ضوابط کو روندتے ہوئے آج وہ رائے عامہ کو اپنے بوٹوں تلے مسلتے ہوئے ان کے دلوں پر براجمان ہوگئے تھے وہ حاکم جو قصر جمہوریہ کے کمروں میں بیٹھے ان کی قسمتوں کے فیصلے کر

رہے تھے ان تک رسائی اتنی آسان نہیں تھی ان عراقیوں میں سے زیادہ تعداد ان بدقسمتوں کی تھی جن کے گھروں کو امریکی ٹینکوں کی موجودگی میں لٹیرے لوٹ رہے تھے جن پر ظلم معمول بنتا جا رہا تھا جن کے گھروں میں راشن ختم ہو چکا تھا جن کے بچے بیمار تھے اور ہسپتالوں تک رسائی ان کے لئے ممکن نہیں تھی جن کے بچوں کو دینے والی دوائیاں بھی لٹیروں نے لوٹ لی تھیں اب یہ سب لوگ اپنی اپنی فریاد کے لئے حاکمان وقت کے دروازوں پر ٹکریں مار رہے تھے کہ برا وقت یہ سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا تھا سب سے پہلے ایک ایک مترجم کے ساتھ موجود امریکی فوجی کو اپنا مدعا بیان کرتے جو اس بات کا فیصلہ کرتا کہ انہیں اگلے فوجی یا اگلی پوسٹ تک جانے کی اجازت دی جائے یا نہ دی جائے ان میں سے بہت کم خوش قسمت ایسے تھے جنہیں اس پوسٹ سے اگلی پوسٹ تک جانے کی اجازت ملتی تھی اگلی پوسٹ تک ان کی مکمل جامع تلاشی لی جاتی جس کے بعد ایک بس میں بٹھا کر انہیں متعلقہ افسر تک پہنچا دیا جاتا یہ اس افسر پر منحصر تھا کہ وہ ان کی قسمت کا کیا فیصلہ کرتا ہے ان کے بیمار بچے کو دوائی ملتی ہے یا نہیں......؟ ان کا لٹا ہوا مال و دولت ان کو واپس لوٹایا جاتا ہے یا نہیں......؟ ان کی حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے یا نہیں......؟ ان کے کاروبار، ان کی نوکریاں بحال کی جاتی ہیں یا نہیں......؟ بظاہر افراتفری کا ایسا عالم تھا کہ بمشکل ہی ان کی ضرورتیں پوری ہوتی تھیں جن کو لے کر وہ یہاں آئے ہوئے تھے۔

حماد بھی اس قطار کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس قطار کا حصہ بننے کے بجائے وہ اس اکیلے فوجی کی طرف جا رہا تھا جو ایک کونے میں کھڑا بڑے غور سے لمبی قطار میں موجود ان عراقیوں کو دیکھ رہا تھا جن کے چہروں پر پھیلی بے بسی شاید اس فوجی کے لئے بھی اب تکلیف دہ ہوتی جا رہی تھی نزدیک پہنچتے پر حماد رک گیا کیونکہ وہ اگر دو چار قدم آگے بڑھتا تو عین ممکن تھا کہ اسے موقع پر ہی مار دیا جاتا۔

''کیا بات ہے......؟ اس طرف کیوں آ رہے ہو......؟'' امریکی فوجی نے غصے اور درشتی سے اپنی گن کی لبلبی پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کرنل مائیک سے ملنا ہے۔'' حماد نے جواب دیا۔

کرنل مائیک کا نام سنتے ہی فوجی کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور بندوق پر اس کی گرفت قدرے نرم پڑ گئی۔

''تمہارے پاس اجازت نامہ ہے......؟'' اس مرتبہ اس نے بدلے ہوئے اور قدرے مؤدب لہجے میں حماد سے پوچھا تھا۔

''یہ لو......! یہ ہے......!'' حماد نے قمیص کی جیب میں رکھا ہوا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

یہ کارڈ اسے پہلی ہی ملاقات میں کرنل مائیک کی طرف سے دیا گیا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں امریکن فوجیوں کو یہ کارڈ دکھا کر تحفظ حاصل کر سکتا ہے امریکی فوجی نے کارڈ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس کا بغور جائزہ لیا اور مسکرا کر اسے آنے کا اشارہ کیا' اس مرتبہ وہ حماد کو اس گیٹ کی طرف لے جا رہا تھا جس سے سوائے امریکن فوج کے کسی کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی کوئی بھی سویلین اس گیٹ کے پچاس گز نزدیک آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس سے پہلے اس ایریا میں آنے والے تین چار افراد کو موقع پر گولی مار دی تھی۔

حماد کو گیٹ کے نزدیک پہنچا کر وہ واپس اسی جگہ آ گیا اس مرتبہ حماد امریکن فوج کے کیپٹن کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر کرنل مائیک کے آفس کی طرف جا رہا تھا امریکن کپتان نے اسے بڑے احترام سے اسے آفس تک پہنچایا اور کرنل مائیک کے دفتر کے دروازے پر چھوڑ کے اپنی جیپ میں بیٹھ کر واپس آ گیا۔ کرنل مائیک کا یہ آفس اب حماد کے لئے نئی جگہ نہیں تھی اس نے اطمینان سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا سامنے ایک میز پر کیپٹن سگو شاید اس کا منتظر تھا اس نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا حماد اس کی طرف دو قدم بڑھا اور رک گیا کیونکہ کیپٹن سگو اپنی میز سے اُٹھ کر اس کی طرف آ رہا تھا شاید کرنل مائیک نے آنے والے مہمان کی اہمیت سے اسے آگاہ کر دیا تھا۔

''کیسے ہیں آپ......؟'' اس سے پہلے کہ حماد اپنا تعارف کراتا کیپٹن سگو نے اس سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں...... کرنل صاحب تشریف رکھتے ہیں......؟'' حماد نے سوال کیا۔

''ہاں......! وہ تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔'' سگو نے جواب دیا اور گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے دوسرے کمرے کی طرف لے گیا۔

کمرے کا دروازہ کھلنے پر اسے کرنل مائیک کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا، یہ مسکراہٹ بہت

کاروباری قسم کی مسکراہٹ تھی جس کا اندازہ اب حماد کو بخوبی ہونے لگا تھا لیکن وہ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس مسکراہٹ کے پیچھے کتنے خطرناک ارادے جھلک رہے ہیں، کتنی تباہ کن پلاننگ موجود ہے۔ جس کا وہ حصہ بننے جا رہا ہے۔

''کیسے ہو مسٹر حماد......؟'' کرنل مائیک نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بے تکلفی سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' حماد نے جواب دیا۔

کرنل مائیک حماد سے عربی میں گفتگو کر رہا تھا اور حماد کے لئے کرنل مائیک کی طرف سے ہونے والی کوئی بھی حرکت ایسی نہیں تھی جس پر وہ تعجب کا اظہار کرے۔

''ہمارے دوست کے لئے اچھی سی کافی کا بندوبست کرو۔'' اس نے کیپٹن سگو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیوں نہیں سر......! کیوں نہیں سر......!''

کیپٹن سگو کرنل کی بات پر مسکراتا ہوا جس طرح یہاں تک آیا تھا واپس چلا گیا۔

''بیٹھو......!'' کرنل مائیک نے حماد کی طرف دیکھ کر کہا اور سامنے بڑے آرام دہ صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

حماد صوفے کے ایک کونے میں بیٹھ گیا جبکہ دوسرے کونے میں کرنل مائیک اس کے سامنے ترشا ہو کر بیٹھ رہا تھا تھوڑی دیر تک اس کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد اس نے حماد سے کہا۔

''دیکھو حماد......! تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو اس وقت ہمارے لئے بغداد میں کوئی بھی شخص قابل اعتبار نہیں رہا ہم یہاں عراقی عوام کی شدید خواہش پر انہیں صدام کے ظلم وستم سے نجات دلانے کے لئے آئے ہیں اور ہم نے جو کچھ بھی کیا عراقی عوام کی خواہش پر ہی کیا اب ہم چاہتے ہیں کہ عراق ترقی کرے اس کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ہو یہاں کے لوگ ایک اچھی اور شاندار زندگی گزاریں ایک ایسی زندگی جس کا وہ خواب دیکھتے ہیں اور یہ صدام کی موجودگی میں کبھی بھی ممکن نہیں تھی ہم چاہتے ہیں کہ یہاں آمریت ختم ہو، جمہوریت بحال ہو اور تم لوگ دنیا کے مہذب شہریوں کی طرح زندگی گزارنے کے قابل ہو جاؤ ہمیں اپنا یہ مشن پورا کرنا ہے جس کے لئے ہم کم از کم صدام کی فوج کے کسی جنرل یا کرنل پہ اعتبار نہیں کر سکتے خواہ وہ اس کا حامی یا مخالف

مشن تم جیسے نوجوان پورا کریں گے، تم لوگ عراق کا مستقبل ہو، حکومت کی باگ ڈور اب صدام کی باقیات کو نہیں، تمہیں سنبھالنی ہے۔''

''میں آپ کی محبت سمجھتا ہوں کرنل صاحب......!'' حماد نے اس کی خاموشی پر کہا۔

''اگر تم میرا مطلب سمجھتے ہو تو میں تم سے ایک درخواست کروں گا تمہارے ایک دوست اور خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے عراقیوں کا ایک خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے پلیز ہمارا ساتھ دو۔''

کرنل مائیک نے اس مرتبہ قدرے ڈرامائی انداز اختیار کیا۔

''کیوں نہیں......! کیوں نہیں......! میں تو شروع سے ہی آپ کے خیالات کا حامی ہوں کرنل صاحب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ میرے والد عراقی فوج کے ایک افسر تھے انہیں صدام حسین کا بہت قرب بھی حاصل تھا لیکن ان کے اور صدام کے خیالات کبھی ایک جیسے نہیں رہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ابوغریب جیل کے بجائے قصر جمہوریہ کے کسی شاندار دفتر میں بیٹھ کر زندگی کی تمام آسائشیں حاصل کر کے اور صدام کے ساتھیوں جیسی پر آسائش زندگی بھی گزارتے ہم تو ایسا ہی چاہتے ہیں جب آپ سوچ رہے ہیں، ہمارا شمار آپ صدام کے وفادار فوجیوں میں کیوں کرتے ہیں......؟''

''نہیں نہیں......! ایسی بات تو نہیں ہے۔'' کرنل مائیک نے جواب دیا۔

''میں تو یہ نہیں کہہ رہا۔ میں تو تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ جس کام کے لئے ہم آئے ہیں...... جو ہمارا مقصد ہے بلکہ تمہارا مقصد ہے...... جو تم چاہتے ہو...... تم عراق کی نوجوان نسل...... کیا تم لوگ مہذب قوموں کی طرح ایک آزاد اور خود مختار زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے......؟ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے ملک میں جمہوریت بحال ہو......؟ تمہارا انفراسٹرکچر مضبوط ہو اور تمہارا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ہو......؟ تم لوگ ایک پرسکون، محفوظ اور پر آسائش زندگی گزارو۔'' اس نے سوالیہ انداز میں حماد کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں......!'' حماد نے جواب دیا۔

''ہر عراقی نوجوان کی یہی خواہش ہے۔''

''پھر ہمیں اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہے حماد......!'' اور تمہیں اس میں اپنا رول ادا کرنا ہوگا اور ہاں......! میرے پاس تمہارے لئے ایک سرپرائز بھی ہے۔'' اس نے پھر ڈرامائی انداز

اختیار کیا۔

حماد نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"حماد......! گو کہ امریکن پالیسیاں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں اور نہ ہی ابھی ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ ہم ان لوگوں کو جن کا تعلق صدام حسین کی فوج سے رہا ہے ان کو جیلوں سے رہا کریں لیکن تمہارے والد کے لئے میں نے بطور خاص یہ اجازت حاصل کی ہے مجھے اپنے آفیسر کو بڑی مشکل سے اس بات پر قائل کرنا پڑا کہ تمہارے والد کا شمار ہمارے دوستوں میں ہوتا ہے ہمارے دشمنوں میں نہیں اور وہ ہمارے لئے کبھی نقصان دہ ثابت نہیں ہوں گے گو کہ میری اس تجویز کو ان لوگوں نے زیادہ پسند نہیں کیا لیکن بادل نخواستہ ہی سہی انہوں نے تمہارے والد کی رہائی کے احکامات جاری کر دیئے ہیں ہم انہیں کل صبح رہا کر رہے ہیں۔" اس نے آخری فقرہ حماد کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو......! شکریہ......! شکریہ کرنل مائیک......! میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔"

حماد نے جذباتی انداز میں کرنل مائیک سے کہا' گو کہ وہ اس بات کو سمجھتا تھا کہ رہائی کا پس منظر کیا ہے اور اس کی قیمت کرنل مائیک کس حد تک وصول کرنا چاہتا ہے لیکن فی الوقت اس کے لئے سب سے ضروری بات یہ تھی کہ والد رہا ہو جائیں اور ان کی فیملی اکٹھی ہو جائے اس کے بعد ہی وہ اگلا قدم اُٹھا سکتا تھا۔

"مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور اپنے نوجوان دوست کی توقعات پر پورا اُترا۔" کرنل مائیک نے مسکراتے ہوئے حماد کی طرف دیکھا۔

حماد خاموش رہا اسے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے اور وہ ایک عجیب گومگو کی کیفیت کا شکار تھا اس کیفیت سے اسے نجات تب ملی جب اس نے کیپٹن سکلو کو ایک ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا جس میں کافی اور اس کے ساتھ کچھ سنیکس سجائے ٹرالی اس کے نزدیک کھڑی کر کے وہ پھر واپس لوٹ گیا۔

کرنل مائیک خود اس کے لئے کافی تیار کر رہا تھا اس نے کافی تیار کر کے اس کا مگ حماد کو پکڑا دیا۔

"میں نے ان لوگوں کو اس بات پر یقین دلایا تھا کہ تم ہمارے ساتھ کام کرو گے۔ دیکھو

ماد......! تم بچے نہیں ہو اس دنیا میں آزادی کی بہر حال کوئی نہ کوئی قیمت تو ادا کرنی ہی پڑتی ہے آزادی تمہارے والد کو جیل سے ملی ہے لیکن ہم اسے یہاں تک محدود رکھنا نہیں چاہتے تم لوگ کیا ں جبری نظام سے آزادی نہیں چاہتے جو تم پر پچاس سال سے مسلط ہے......؟ کیا تم لوگ اپنی رضی کی زندگی جینا نہیں چاہتے......؟ کیا تم لوگ ساری زندگی اپنے بند دماغوں کے ساتھ صرف کامات کی تعمیل میں گزارنا چاہتے ہو، مجھے تو حیرانگی ہوئی ہے کہ تم جیسے نوجوان اب تک صدام سین کا وجود کیسے برداشت کرتے رہے ہو۔

کرنل مائیک کے لہجے میں چھپی نفرت جسے اس نے چھپانے کی کوشش کی تھی بخوبی حماد پر یاں تھی۔ حماد اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت کرنل مائیک اسے ایک بیوقوف اور احمق نوجوان ے زیادہ کچھ نہیں سوچ یا سمجھ رہا تھا۔

بس اس کی ضرورت ہے جس نے اسے اچھے اچھے الفاظ بولنے پر مجبور کیا ہوا ہے اور ایسی ہی لچھ ضرورتوں کے ساتھ حماد بھی اس کے پاس بیٹھا تھا اسے اپنے والد کو ان لوگوں کے چنگل سے النا تھا اس کے بعد بھی وہ اپنی مرضی سے کچھ کرنے کے لائق ہوتا۔

"ہاں کرنل صاحب......! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کم از کم میں تو ایسا ہی سوچتا ہوں رمیرے خیال سے عراق کا ہر پڑھا لکھا نوجوان یہی سوچتا ہے ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو سائش امریکہ اور یورپ کے نوجوانوں کو حاصل ہیں ہمیں بھی حاصل ہوں، ہم بھی زندگی آرام ے بسر کرنا چاہتے ہیں زندگی کی آسائش حاصل کرنا چاہتے ہیں میں تو تمہارے ساتھ ہوں، ہاں ں......تمہارے ساتھ ہوں۔"

حماد نے کچھ ایسے لہجے سے بات کی تھی جو لہجہ خود اس کے لئے ابھی اجنبی تھا۔

"ٹھیک ہے حماد......! اگر تم یہ سوچ رکھتے ہو تو میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ ارے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں میں تم سے درخواست کروں گا کہ تم آج سے ہی اپنے کام ا آغاز کر دو ہمیں المنصور سے ایسے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی فوری ضرورت ہے جو تمہارے ے ترقی پسند خیالات رکھتے ہوں' جو تمہاری طرح آگے بڑھنا چاہتے ہوں اور جو تمہاری طرح دگی کی خوشیاں حاصل کرنا چاہتے ہوں ہم تمہارے ساتھ ہیں میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ں کہ اگلی حکومت میں تم لوگ شامل ہو گے کیونکہ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ دور

بوڑھوں کا نہیں، نوجوانوں کا ہے، تم تھوڑی دیر بعد جب یہاں سے جاؤ گے تو یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ہم اپنے دوستوں کے بہترین دوست ہیں اور اپنے دشمنوں کے بدترین دشمن۔''

خدا جانے کرنل مائیک نے آخری فقرہ اس سے کیوں کہا تھا لیکن حماد اچھی طرح یہ بات سمجھ گیا تھا کہ اس فقرے کے پس منظر میں کیا دھمکی چھپی ہے وہ شاید اس پیغام کو پا گیا تھا جو پیغام کرنل مائیک اسے دینا چاہتا تھا لیکن حماد نے ایسا کوئی بھی تاثر نہ دیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کرنل مائیک نے اسے بتایا کہ کل صبح اس کے والد کو رہا کر کے گھر پہنچا دیا جائے گا اس نے حماد کو اس کے والد کی رہائی پر پیشگی مبارک باد دی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، یہ اس کا اشارہ تھا کہ اب میٹنگ ختم ہو گئی ہے اور حماد کو جانا چاہئے اپنے کمرے کے دروازے تک وہ حماد کو چھوڑنے آیا، اس کے بعد اس نے اسے کیپٹن سگو کے حوالے کر دیا اور اب کیپٹن سگو اسے اپنی جیپ میں بیٹھا کر قصر جمہوریہ کے مین گیٹ تک لا رہا تھا۔ اس گیٹ پر پہنچ کر اس نے حماد کو جیپ سے اُتارا، ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا، حماد نے لفافہ کھولے بغیر اپنی جیب میں ڈال لیا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس لفافے میں کیا ہے سفید رنگ کے لفافے سے سبز رنگ کے امریکی ڈالر اسے دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ کرنل صاحب کی طرف سے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے پلیز اسے قبول کیجئے۔'' کیپٹن سگو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو......!'' حماد نے جواب دیا۔

یہاں سے پیدل چلتا ہوا وہ دوبارہ اسی امریکن فوجی تک پہنچا جس سے سب سے پہلے اس کا تعارف ہوا تھا اس نے مسکرا کر اس طرف دیکھا اور قدرے مودب ہو کر اسے اپنے پاس سے گزرنے کا اشارہ کیا، یہاں سے چلتا ہوا وہ کچھ فاصلے پر کھڑی ان ٹیکسیوں کی طرف پہنچا جو قصر جمہوریہ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھیں ان میں سے ایک میں بیٹھ کر وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

///

شیرازی اس وقت خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ کل بھی کرنل مائیک نے اسے وارننگ جاری کی تھی کہ اگر اس نے جلد از جلد مثبت نتائج نہ دیئے تو اس کا باس شیرازی کے متعلق کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ شیرازی جب عراق میں آیا اس نے اپنے آپ کو آنے والے دور کا کم از کم کسی اعلیٰ عہدے پر فائز حاکم سمجھنا شروع کر دیا تھا اور یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ گزشتہ دس بارہ سال کی غداری کا انعام ملنے کا وقت آ گیا ہے لیکن شیرازی بھی بہت سے دوسرے آستین کے سانپوں کی طرح یہ بات بھول گیا تھا کہ آنے والے وقت کا فیصلہ انسان نہیں انسانوں کو پالنے والا کرتا ہے اور وہاں شیرازی کے متعلق کچھ اور فیصلہ ہو چکا تھا۔ اپنے گھر کے کمرے میں قدرے پریشانی کے عالم میں وہ اس لئے چکر کاٹ رہا تھا کہ گزشتہ دو سر توڑ کوششوں کے باوجود اسے ابھی تک ایسے ساتھی میسر نہیں آئے تھے جو اس کے آقاؤں کے حکم کے مطابق عمل کر سکیں گو کہ شیرازی نے دو تین مقامی بدمعاشوں کو اچھے خاصے پیسے دے کر کام کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن ان لوگوں نے بھی شیرازی کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے اسے انکار کر دیا کیونکہ بغداد کا برے سے برا آدمی بھی یہ بات پسند نہیں کرتا تھا کہ وہ کسی امام بارگاہ یا مسجد کے باہر فائرنگ کرے یا یہاں دھماکہ خیز مواد لگا کر اسے اُڑانے کی کوشش کرے ان لوگوں کی زندگی شاید بے غیرتی کی ان حدوں تک نہیں پہنچی تھی اس وقت شیرازی ایسے ہی کسی شکار کی تلاش میں تھا جسے اپنی لچھے دار باتوں اور دولت کے لالچ کے جال میں پھنسا کے وہ اس سے وہ کام کروا سکے جس کے لئے سی آئی اے نے اُسے تیار کیا تھا۔ جب اسے اطلاع ملی کہ ایک نوجوان اس سے ملنا چاہتا ہے شیرازی نے اطلاع لانے والے کی طرف دیکھا۔

''تم جانتے ہو اسے......؟''

"ہاں......!" خادم نے جواب دیا۔

"کون ہے یہ......؟"

"ہے بیچارہ ایک...... ہمارے ہی محلے کا ایک نوجوان ہے۔"

"کیا کرتا ہے......؟"

"چھوٹی موٹی نوکریاں کیا کرتا تھا گزشتہ دو تین سال سے اس نے بغداد اور شام آنا جانا شروع کیا تھا کچھ تجارتی سامان اِدھر اُدھر لاتا رہتا ہے۔"

"اچھا......! مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے......؟" شیرازی نے سوالیہ انداز میں اطلاع لانے والے خادم کی طرف دیکھا۔

"میں اس بات کا کیا جواب دے سکتا ہوں......؟ جناب......! یہ تو آنے والا نوجوان ہی بتائے گا آپ چونکہ کافی عرصہ بعد بغداد تشریف لائے ہیں اور اتنا عرصہ آپ نے یورپ میں گزارا ہے لوگ آپ کو جانتے ہیں آپ کے والد ایک مشہور عالم تھے آپ خود سیاست میں ایک مقام رکھتے ہیں ظاہر ہے لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" خادم نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے......! بلالو اسے......اور ہاں......! جب میں کمرے میں کسی سے بات کر رہا ہوں تو کسی کو کمرے میں آنے کی اجازت نہ دیا کریں۔" اس نے خادم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جو حکم جناب......!"

خادم جس طرح مؤدب انداز میں اندر آیا تھا اسی طرح باہر واپس لوٹ گیا اور باہر جا کر اس نے انتظار گاہ میں بیٹھے نوجوان حسین کو اپنے ساتھ لیا اور شیرازی کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے حسین کو بتایا کہ شیرازی اس سے ملاقات کا منتظر ہے، حسین کمرے میں داخل ہوا، خادم اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ شیرازی نے حسین کی طرف دیکھا اور اسے پہچاننے کی کوشش کی اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے نوجوان کو پہلے کبھی دیکھا ہے دونوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ شیرازی نے آنے والے کی خیریت دریافت کی اور اسے اپنے پاس بٹھا لیا معمول کے مطابق اس نے قہوہ اور کچھ کھجوریں نوجوان کو پیش کرنے کے لئے منگوائی تھیں۔

"کیا نام ہے تمہارا......؟" شیرازی نے کھجوروں کی پلیٹ اس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا......! کون ہو تم......؟"

"آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میرے والد صاحب کو تو جانتے ہوں گے مرحوم ابو دردا کا بیٹا ہوں میں۔" نوجوان حسین نے اپنا تعارف کرایا۔

"اچھا اچھا......! وہ تو بہت دوست تھے ہمارے......افسوس......! میں تمہارے باپ کے جنازے میں شرکت نہیں کر سکا تم تو جانتے ہو نا...... مجھے ملک بدر کیا ہوا تھا اور جب تک صدام حسین کی حکومت اس ملک میں موجود تھی میرا بغداد واپس آنا کہاں ممکن تھا......؟" شیرازی نے اپنی ضمانت میں اپنی صفائی پیش کی۔

"ہاں ہاں......! میں جانتا ہوں۔ مجھے آپ کی مجبوریوں کا احساس ہے خدا کا شکر ہے آپ واپس آ گئے۔" نوجوان حسین نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"کیسے آنا ہوا......؟" جی متجسس شیرازی نے پوچھا۔

"اے......بس......! جی چاہتا تھا......اصل میں گزشتہ تین چار ماہ سے میں بات نوٹ کر رہا ہوں کہ ہمارے ساتھ حکومت کا رویہ کچھ زیادہ ہی متعصبانہ ہو گیا تھا اور خاص طور سے ہماری کیمونٹی کے خلاف......؟" حسین نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"ہاں ہاں......! مجھے تو اس بات کا بہت پہلے سے احساس ہے یہی بات تو میں اپنے لوگوں کو سمجھاتا ہوں میں چاہتا ہوں یہ بہترین موقع ہے تم لوگ اپنی استعداد کے مطابق حکومت میں اپنا حصہ لے لو، امریکیوں کو اس سے کیا......؟ ظاہر ہے آخر ایک نہ ایک دن تو انہوں نے یہاں سے جانا ہے کیا اس کے بعد پھر ہم صدام حسین جیسے لوگوں کی حکومتیں برداشت کریں گے۔" شیرازی نے نوجوان حسین سے کہا۔

"آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"یہی بات میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں میں یہ کہتا ہوں کہ خدا کے لئے تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے، یہ بہترین موقع ہے حکومت میں اپنا حصہ حاصل کرنے کا آخر ہم تعداد میں ان کے برابر ہیں بلکہ اس سے زیادہ ہیں پھر ہمیں حکومت میں حصہ کیوں نہیں دیا جاتا......؟ اپنی مرضی کی زندگی ہم نہیں جی سکتے خاص طور سے بغداد جیسے شہر میں۔" حسین کچھ زیادہ ہی جذباتی ہونے لگا تھا۔

"مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے نوجوان......! لیکن تم جانتے ہو کہ زندگی میں کچھ

حاصل کرنے کے لئے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔"

شیرازی نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا اس کو یوں لگا جیسے اس کا بیٹھے بیٹھائے مسئلہ حل ہو گیا ہو جس مسئلے کے لئے گزشتہ تین چار روز سے اسے بہت پریشان کر رہا تھا اس طرح اچانک غیبی امداد سے اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا اس بات کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"میں بغداد واپس نہ آتا کیا رکھا ہے یہاں میرے لئے......؟ دیکھو نا......! یہاں تو کسی کی زندگی محفوظ نہیں، عزت محفوظ نہیں، جان محفوظ نہیں، میں تو وہاں بہت آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا، وہاں فرانس میں میرے پاس کیا نہیں تھا سب کچھ تھا میں تو اپنے لوگوں کے لئے واپس آیا ہوں، میں چاہتا ہوں تمہاری زندگی سنور جائے، تمہیں تمہارا حق مل جائے اسی کے لئے میں نے جلاوطنی کاٹی یہی میرا گناہ تھا، یہی کچھ میں صدام کے دور حکومت میں کہا کرتا تھا اب جب کچھ لینے کا وقت آیا ہے تم لوگ ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھے ہو۔" شیرازی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں یا شیخ......!" حسین نے جوشیلے انداز میں کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میرے پاس میرے دس ہم خیال نوجوان موجود ہیں ہم لوگ بہت عرصے سے ایسے ہی رہنما کی تلاش میں تھے جو ہمیں راستہ دکھائے ہماری رہنمائی کرے اور ہمیں منزل تک پہنچا دے مجھے ایسے ایک غازی ساتھی کے ذریعے آپ کی باتوں کا علم ہوا آپ نے تین چار روز پہلے مسجد میں خطاب کیا تھا' یاد ہے نا......؟" نوجوان حسین نے اسے کچھ یاد دلایا۔

شیرازی ایک لمحے کے لئے چونکا اور فوراً سنبھل گیا۔

"ہاں ہاں......! ہاں......! اسی لئے تو میں نے انہیں بلایا تھا یہی بات میں انہیں سمجھا چاہتا تھا لیکن حیرت ہے یہ لوگ بات سننے کے لئے تیار نہیں پتہ نہیں ان کے دماغوں میں کیا بھر بھرا ہوا ہے۔" شیرازی نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

"لیکن میرے دماغ میں بھس نہیں بھرا ہوا......اے......شیرازی صاحب......!" نوجوان نے کہا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں اور میرے ساتھی بھی آپ کے ساتھ ہیں۔"

"اے......ہم لوگ کچھ کرنا چاہتے ہیں، آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں نا......؟ بہت کچھ کر چاہتے ہیں ہم لوگ، ہم یہ چاہتے ہیں کہ اقتدار میں ہمارا حصہ ہو ہم اپنی زندگیاں بدلنا چاہتے ہیں

آخر کب تک ہم غلاموں کی طرح زندہ رہیں گے۔"

حسین نے شیرازی کی توقع کے عین مطابق جواب دیا وہ آہستہ آہستہ شیرازی کے دل و دماغ پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ شیرازی دل میں اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ اس کے بچھائے ہوئے جال میں کوئی اور شکار تو پھنسا نہیں لیکن یہ آسمان سے اندھے کے ہاتھ میں اچانک بٹیر آ گیا ہے اور اس بٹیرے کو اس نے اب بہر صورت اپنی توقعات کے مطابق استعمال کر کے وہ مثبت نتائج حاصل کرنے تھے جنہیں حاصل کرنے کے بعد وہ کرنل مائیک سے اپنی جان چھڑا سکتا تھا بصورت دیگر وہ جانتا تھا کہ کرنل مائیک اس کی زندگی جہنم بنا دے گا نہ وہ ڈھنگ کی زندگی جی سکے گا اور نہ ہی مرنے کا موقع دیا جائے گا۔

"مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو تم......؟" اس نے اِدھر اُدھر کی کچھ باتیں کرنے کے بعد اچانک حسین سے سوال کیا۔

"دیکھئے شیرازی صاحب......!" اس مرتبہ حسین نے بالکل کاروباری انداز میں اس سے بات کرنا شروع کی تھی۔

"میں آپ کو ایک بات صاف صاف بتا دوں، اس وقت بغداد میں دو طرح کے لوگ ہیں وہ جو لٹ رہے ہیں اور ایک وہ جو لوٹ رہے ہیں تیسرا کوئی ایسا گروہ نہیں جس میں ہم شامل ہو سکیں اور میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ ہم لٹنے والوں میں شامل نہیں ہونا چاہتے اگر لوٹ مار اس ملک اس شہر کا مقدر بن ہی گیا ہے تو ہمارا حصہ بھی ہمیں ملنا چاہئے" حسین نے شیرازی کی طرف بڑے اعتماد انداز سے شیرازی کی طرف دیکھا اور شیرازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی مسکراہٹ سے اس کی باچھیں پھیلنے لگی تھیں حسین نے تو اس کے دل کی بات کہہ دی تھی شیرازی مکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔

"واہ......! یہ ہوئی نا بات......! یہ ہے وہ Spirit، یہ ہے وہ جذبہ جو میں اپنے نوجوانوں میں دیکھنا چاہتا ہوں، ہاں ہم کیوں لٹنے والوں میں شامل ہوں......؟ لوٹنے والوں میں کیوں نہ شامل ہوں......؟ ٹھیک ہے......! دیکھو تمہارے ساتھ ہوں تمہیں اب کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔"

شیرازی نے بالآخر اپنا مدعا بیان کر ہی دیا اور حسین یہی اقرار اس کے منہ سے کروانا چاہتا

تھا۔

''شیرازی صاحب......! مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ امریکیوں کی مرضی کے بغیر یا ان کی مدد کے بغیر ہم عراق میں کوئی بھی کام کیسے کر سکیں گے آپ جانتے ہیں نا ان لوگوں کو؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت جتنے بھی علی بابا اس شہر میں موجود ہیں ان سب کو امریکیوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔'' حسین نے اس کو مزید کریدتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟ امریکی ہمارے دوست ہیں۔''

شیرازی اچانک اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہو گیا چند ثانیے خاموشی سے وہ حسین کی طرف دیکھتا رہا اور اس سے بڑے رازدارانہ اور ڈرامائی انداز میں مخاطب ہوا۔

''میں جو بات بھی تم سے کرنے جا رہا ہوں، تم یہی سمجھو کہ یہ امریکیوں کی ہی بات ہے، شہر میں جو کچھ ہو رہا ہے ان کی مرضی سے ہی ہو رہا ہے اور ہم بھی جو کریں گے اس میں ان کی آشیرباد شامل ہو گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان کی غلامی کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنیں گے ہم اپنی مرضی سے جئیں گے اور اپنی مرضی سے مریں گے۔'' شیرازی نے اپنی آخری بات حسین کے چہرے پر اچانک آنے والی تبدیلی کو نوٹ کرتے ہوئے کہی تھی۔

''ہاں ہاں......! میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' حسین نے کہا۔

''میں جانتا ہوں اچھا سیاستدان اچھا لیڈر وہی ہوتا ہے جو حالات کو محسوس کرتے ہوئے وقت سے فائدہ اُٹھانے کا گُر جانتا ہو، ہنر جانتا ہو۔'' حسین نے شیرازی کی طرف دیکھا۔

''دیکھو نوجوان......! زندگی کے دس سال یورپ میں گزارنے کے بعد میں نے بہت کچھ سیکھا ہے میں یہ بات جان گیا ہوں کہ ہمیں آگے بڑھنے کے لیے کیا کرنا ہے کس حد تک جانا ہے اور کہاں جا کے رکنا ہم امریکیوں کی جنگ عراق میں نہیں لڑیں گے ہم ان کی مرضی کے تابع نہیں ہیں لیکن یہ تو ممکن ہے ہم ان کی آڑ میں اپنے مقاصد حاصل کر لیں۔ تم کیا سمجھتے ہو امام بارگاہوں پر ہونے والے حملوں کے لئے میں چین کی نیند سویا ہوں......؟ میں جانتا ہوں یہ کام کون لوگ کر رہے ہیں اور مجھے اس بات کا بھی علم ہے جب تک ہم جوابی کارروائی نہیں کریں گے یہ لوگ باز نہیں آئیں گے دیکھو صدام کی زندگی میں ہماری مذہبی آزادی محفوظ نہیں تھی کیا اس کی حکومت ختم ہونے کے بعد بھی ہم مذہبی غلام رہیں گے، اپنی مرضی سے اپنی مذہبی رسوم بھی ادا نہیں کر پائیں گے

یہ ممکن ہے......؟'' شیرازی نے بڑے جذباتی انداز میں حسین سے کہا۔

''واہ واہ......! شیخ......! آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی یہی بات تو میں کہتا ں......بھی تو میں چاہتا ہوں بلکہ میں نے ایک دو اہداف بھی متعین کر لئے ہیں لیکن ہمارے کچھ نہیں ہم تو کام کرنے والے لوگ ہیں شیرازی صاحب......! خالی ہاتھ کیا کریں......؟ نہ ے پاس ہتھیار ہیں نہ ہمارے پاس پیسہ...... ان چیزوں کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ں......! آپ تو سمجھتے ہیں ناں......؟'' اس نے شیرازی کی طرف دیکھا۔

اور شیرازی جان گیا، یہ نوجوان یقیناً اس کی توقعات پر پورا اُترے گا کیونکہ یہ یہاں اپنے مخصوص مفادات کے تحت آیا ہے ایسے مفادات کے تحت شیرازی بھی امریکیوں کے پاس گیا ۔جب آپس کے مفادات ملیں تو بہت سے مقاصد بھی حاصل ہو جایا کرتے ہیں۔ اس بات پر ے عربی کی ایک بہت پرانی کہاوت یاد آ گئی۔

''ٹھیک ہے......! تم اپنے ساتھیوں کو جمع کرو یہ دونوں چیزیں تمہیں مل جائیں گی اور جب وئی کارنامہ انجام دو گے تو بڑا انعام بھی تمہیں ملے گا میں فوری طور پر تمہاری امریکیوں سے ات کے حق میں نہیں ہوں لیکن اس بات کا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم توقعات پر پورا ے تو دو یا تین کارناموں کے بعد میں تمہیں امریکیوں کی اعلیٰ کمان سے ملواؤں گا اور وہاں سے ہیں خاصا شاندار انعام دلواؤں گا جس کا تم ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' شیرازی نے حسن سے ا۔

''ٹھیک ہے......! میں تیار ہوں بات کیجئے۔ بتایئے کہ کب انہیں آپ کے پاس لے کر ں......؟''

''نہیں......! اس کی ضرورت نہیں۔'' شیرازی نے کہا۔

''کہاں رہتے ہو......؟'' حسین نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتایا۔

''ٹھیک ہے......! انہیں کل رات اپنے گھر پہ جمع کر لو۔ کل رات عشاء کی نماز کے بعد ہم انا وہیں پہ کھائیں گے اس کی فکر نہ کرو یہ لو یہ لو۔''

شیرازی نے حسین کے چہرے کی طرف ایک لمحے کے لئے دیکھا اپنی جیب میں ہاتھ ڈال ر اپنے ہاتھ میں آنے والے امریکی ڈالر حسین کے سامنے رکھ دیئے۔

"ان......ان کی کیا ضرورت تھی......؟" حسین نے بظاہر جھجکتے ہوئے کہا۔

"یہ میری طرف سے تمہاری آمد کا ایک حقیر سا تحفہ ہے حسین......! اس سے شاندار ضیافت کا اہتمام کرو تمہارے دستر خوان پہ ہر وہ چیز موجود ہونی چاہیے جس سے ہمیں محروم رکھا گیا اپنے ساتھیوں کو اس بات کا احساس دلاؤ کہ تم ان کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہو انہیں خوب کھلا پلا کر اپنی امارت کا رُعب ڈالو، انہیں اس بات کا یقین آئے کہ تم بڑ نہیں ہانک رہے بلکہ وہ کر کے بھی دکھا سکتے ہو۔" شیرازی نے کہا۔

"ٹھیک ہے شیرازی صاحب......! جیسے آپ کا حکم اور اب تو یوں بھی مجھے آپ کے احکامات کی تعمیل ہی کرنی ہے نا......؟"

حسین بظاہر مکارانہ انداز میں مسکرایا اس کی مسکراہٹ کا جواب شیرازی کی طرف سے ایک بھرپور قہقہے کی صورت میں وصول ہوا اصل میں یہ قہقہہ شیرازی کے ذہنی انتشار کو فضا میں بکھیرنے کا ایک عجیب وغریب انداز لئے ہوئے تھا وہ گزشتہ تین دن سے جس ذہنی اذیت کا شکار تھا حسین سے ملاقات کے بعد یہ ذہنی اذیت کافی حد تک ختم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور وہ حسین کی آمد کو اپنے لئے تائید غیبی سمجھ رہا تھا تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد شیرازی کی ہاں میں ہاں ملانے کے بعد اس کی باتوں کے اس کی توقعات کے عین مطابق جوابات دینے کے بعد وہ ڈالر اپنی جیب میں ڈالے جس طرح یہاں آیا تھا اسی طرح چپ چاپ واپس چلا گیا۔

■ ■ ■

کرنل مائیک سے ملاقات کرنے کے بعد جب حماد المنصور پہنچا تو اس کا چچا ابونافع اور شعبان بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔

"کہاں چلے گئے صبح صبح......؟ اور وہ بھی بغیر اطلاع دیئے۔" ابونافع نے چھٹتے ہی دریافت کیا۔

"کہیں نہیں ماموں......! بس ذرا دوستوں سے ملنے گیا تھا۔" آنکھیں ملائے بغیر حماد نے جواب دیا۔

"دوستوں سے ملنے یا کچھ اور کرنے......؟" ابونافع نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اور میں کیا کروں گا......؟ آپ تو جانتے ہیں یہاں کرنے کو کچھ رہا ہی نہیں۔" حماد نے جواب دیا۔

"دیکھو برخوردار......! میں جانتا ہوں تمہاری پرورش جس ماحول میں ہوئی ہے وہاں بزرگوں کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی لیکن میری درخواست ہے کہ ان حالات میں اپنی آمدورفت سے ہمیں باخبر رکھا کرو تم جانتے ہو کہ مجھے بھی تم سے اتنی ہی محبت ہے جتنی تمہارے باپ کو، عین ممکن ہے میں تمہیں اچھی صلاح دے سکوں۔" ابونافع نے کہا۔

"اوہ ماموں......! آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ آپ کو اس بات پر یقین نہیں آتا کہ میں اپنے دوستوں سے ملنے گیا تھا۔" حماد نے اپنے ماموں کو مطمئن کرنا چاہا۔

"تم اپنے دوستوں کو ملنے گئے تھے کون سے دوست مقامی......یا......؟" اپنی بات کو اُدھورا چھوڑ کر اس نے معنی خیز نظروں سے حماد کی طرف دیکھا اور حماد نے زور سے قہقہہ لگایا۔

''اچھا اچھا......! میں آپ کی بات سمجھ گیا۔''

''بس......! یوں سمجھ لیجئے۔ اصل میں آپ تو اس بات کا علم نہیں ہے جب سے میں آیا ہوں ابو کی رہائی کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے امریکیوں سے بات کی تھی اور میں نے انہیں بتایا کہ میرے ابو صدام کے خلاف تھے اور اسی جرم میں وہ ابو غریب جیل میں سزا کاٹ رہے ہیں انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ابو کے کیس کی پوری انکوائری کریں گے انکوائری کا نتیجہ حاصل کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔'' حماد نے کہا۔

''تو کیا کسی نتیجے پر پہنچ گئے وہ لوگ......؟'' ابو نافع نے اچانک اس کی بات کاٹی۔

''تمہارے لئے خوش خبری یہ ہے کہ انہوں نے فی الوقت ابو کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا ہے......؟'' حماد نے مسکراتے ہوئے اپنے ماموں کو اطلاع دی۔

''اچھا......؟''

ابو نافع نے حیرانگی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ سوالیہ انداز میں حماد کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں......! یقین کیجئے اور انشاء اللہ......! کل تک وہ گھر آ جائیں گے۔'' حماد نے پر یقین لہجے میں جواب دیا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے......! یا اللہ تیرا شکر ہے......!'' ابو نافع نے کہا۔

''میرے خیال میں مجھے فوری طور پر تمہاری والدہ کو اطلاع دینی چاہیے۔'' ابو نافع نے اپنی بات مکمل کی۔

نہیں نہیں......! ابھی نہیں......! پلیز......! پلیز ماموں......! ابھی نہیں......! ابھی آپ ٹھہر جائیے۔''

''ابو آئیں......! ہم انہیں یہیں پر بلا لیں گے میرے خیال میں اب یہاں حالات ٹھیک ہو گئے ہیں اور ہم یہاں رہ سکتے ہیں۔ حماد نے اپنے ماموں کا جوش ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔''

''اچھا......! تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے میں اب بھی کہوں گا کہ تمہارے ابو کو بھی موصل جانا چاہئے۔''

حماد کے ماموں نے اپنی رائے پیش کی۔

''میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں ماموں......! لیکن مصلحت اور حالات کا تقاضا ہے کہ ہم لوگ بغداد کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔'' حماد نے ابو نافع سے کہا۔

''لیکن کیوں......؟'' ابو نافع نے پھر اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''اگر وہ آزاد ہو گئے ہیں تو اپنی مرضی سے کہیں آ جا کیوں نہیں سکتے......؟''

''دیکھئے ماموں......! آپ جہاندیدہ بندے ہیں کافی عرصے سے اپنے علاقے کی پنچایت کے چیئرمین چلے آ رہے ہیں آپ سے زیادہ اس بات کو کون سمجھتا ہے کہ امریکیوں نے بھلے ہی ابو کی رہائی کا فیصلہ کر لیا ہو لیکن ابھی ان کے نزدیک ہم قابل اعتبار نہیں ہیں اگر رہا ہونے کے دو چار دن بعد ابو یہاں سے چلے گئے یا کہیں غائب ہو گئے تو یہ لوگ ہم پر فوراً شک کریں گے اور اس شک کے نتیجے میں کوئی بھی برا حادثہ ہو سکتا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ امریکیوں کا اعتماد حاصل کریں اس بات میں کوئی شک نہیں آپ جانتے ہیں ہمارا آخر صدام سے کیا لینا دینا۔'' حماد نے اپنے ماموں کو سمجھایا۔

''اچھا تو یہ بات ہے......!''

''ابو نافع زیر لب مسکرایا یہ کہو کہ یہ رہائی نہیں بلکہ پے رول پہ رہائی ہے۔''

''اور امریکیوں نے یقیناً تم سے اس بات کی ضمانت بھی لی ہوگی۔'' ابو نافع نے کہا۔

''ہوں......ہوں......! اس کے بغیر تو یہ ممکن نہیں، میں نے انہیں ضمانت دی میں نے انہیں اس بات کا یقین دلایا ہے کہ میرے ابو امریکیوں کے خلاف صدام کی حمایت میں کبھی بھی لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے نہ اس لڑائی کا حصہ بنیں گے، کوئی بری بات کی میں نے......؟'' اس نے سوالیہ انداز میں اپنے ماموں کی طرف دیکھا۔

''نہیں بھانجے......! ٹھیک کیا تم نے، واقعی تم ہم سے زیادہ سمجھدار ہو اور اس کا ثبوت تمہارے والد کی رہائی ہے، اگر تم بھی میری طرح جذباتی ہوتے تو شاید کرنل صاحب ابھی جیل کی سلاخوں سے باہر نہ آ سکتے چلو آؤ کھانا کھائیں ابو نافع نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھانے کے کمرے کی طرف لے گیا یہاں شعبان دستر خوان بچھائے ان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا دونوں کھانے کے بعد کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اس کے بعد ابو نافع اس سے اجازت لے کر

موصل واپس روانہ ہوگیا۔ اس نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ اگلے روز پھر واپس آئے گا اور اس نے حماد کو یہ کہہ دیا تھا کہ کرنل صاحب کو جیسے ہی رہائی ملے اسے اطلاع دے دینا کہ وہ اس کی والدہ اور بہن کو لے کر بغداد آجائے میں تو چاہتا تھا کہ آپ ابو سے مل کر ہی جاتے۔'' حماد نے کہا۔

''نہیں بیٹا......! مجھے آج رات ایک دو اہم تقریبات میں موصل میں شرکت کرنی ہے تم جانتے ہو کہ میری وہاں سے غیر موجودگی ان حالات میں کوئی بھی برے نتائج پیدا کر سکتی ہے اس وقت موصل کے حالات تکریت سے کچھ مختلف نہیں ہیں اور ان حالات میں میرے جیسے بوڑھے نوجوانوں کے درمیان موجود رہنا بہت ضروری ہوتا ہے۔'' ابو نافع نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ تعالیٰ......! ابو کے آنے کے بعد میں آپ کو شعبان کے ذریعے اطلاع پہنچا دوں گا۔''

''اور تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں کہ سیٹلائٹ فون نے کام شروع کر دیا ہے تم اس کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتے ہو۔'' ابو نافع نے حماد سے کہا۔

''ہاں ہاں......! میں نے سنا تو تھا لیکن ہمارے پاس سیٹلائٹ فون نہیں ہے۔'' حماد نے جواب دیا۔

''میں جانتا ہوں مجھے علم ہے کہاں سے فون آتے ہیں تمہیں وہاں لے جاؤں گا مارکیٹ میں تین چار لوگوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے ان لوگوں نے سیٹلائٹ فون نصب کر لئے ہیں وہ پیسے لے کے فون کروا دیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جو بھی طریقہ ممکن ہوا میں جلد از جلد آپ کو اطلاع کر دوں گا۔'' حماد نے اس سے کہا۔

ابو نافع نے قہوے کا کپ خالی کیا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا ایک مرتبہ پھر اس نے حماد سے بغل گیر ہونے کے بعد اسے دُعائیں دیں اسے کچھ احتیاط اور کچھ نصیحتیں کیں اور اپنی کار تک آیا اس میں وہ موصل سے یہاں پہنچا تھا اب اسے اکیلا چلاتا ہوا موصل کی طرف جا رہا تھا' حماد نے اپنے ماموں سے بہت ضد کی وہ شعبان کو اپنے ساتھ لے جائیں اب شعبان کی یہاں کوئی ضرورت نہیں تھی شعبان اور اس کے ماموں دونوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا اور شعبان ابھی اس گھر میں موجود تھا۔

عصر کی اذان بلند ہونے پر اس نے مسجد کا رخ کیا اور حسب معمول نماز کی ادائیگی میں مصروف ہوگیا نماز ادا کرنے کے بعد جب اس نے سلام پھیر کر پچھلی صفوں پر نظر دوڑائی تو دوسری صف کے آخری کونے میں ابو حسام بیٹھا دکھائی دیا اور ایک مسکراہٹ حماد کے چہرے پر پھیل گئی وہ سمجھ گیا ابو حسام احتیاط کے تقاضوں کے پیش نظر ابو حسام اسے گھر نہیں ملا شاید اس کے ماموں کے سامنے شاید وہ اس سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا تھا یا شاید شعبان کے سامنے' دُعا سے فارغ ہونے کے بعد تمام لوگ ایک ایک کر کے مسجد سے نکل گئے تو مسجد کے ایک کونے میں دونوں آپس میں بغل گیر ہوگئے۔

''سناؤ کیسی رہی آج کی ملاقات......؟'' ابو حسام نے پوچھا۔

''بہت شاندار آج کرنل مائیک نے مجھے ایک اہم فیصلہ سنانے کے لئے بلایا تھا۔'' حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارے والد صاحب کی رہائی کا فیصلہ۔'' ابو حسام نے اس کی بات خود ہی کہہ دی۔

''ہاں ہاں......! لیکن آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا......؟'' حماد نے حیرانگی سے پوچھا۔

''میرے بھولے بیٹے......! تم بہت سی ایسی باتیں نہیں جانتے جو اپنے دُشمنوں کے متعلق ہم جاننے لگے ہیں یہ لوگ کیا سوچتے ہیں کیسے منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اس منصوبہ بندی پر پھر کس طرح عمل کرتے ہیں اس کا اندازہ ہمیں ہونے لگا ہے شاید تمہارے لئے بہت اچنبھے کی بات ہو کہ مجھے اس بات کا علم کیسے ہوا لیکن میرے لئے معمول کی بات ہے اصل میں جب تم نے کرنل مائیک سے ملاقات کی تھی اس نے اس وقت یہ فیصلہ کر لیا ہوگا کہ تم اس کے کام کے بندے ہو اور انہیں آج بغداد کے گلی کوچوں میں اپنے کام کے بندے چاہئیں خاص طور پر تم جیسے نوجوان جن کا تعلق اعلیٰ سوسائٹی سے ہو اور جوان کے لئے یہاں رائے عامہ ہموار کر سکیں وہ تم سے کام لینا چاہتے ہیں اور اس کام کے بدلے تمہارے والد کی رہائی ان کے لئے بڑا سستا سودا ہے کوئی مہنگا سودا تو نہیں ہے وہ بڑے کامیاب سوداگر ہیں تم سے کوئی اچھی ڈیل ہی کریں گے ناں......!'' حسام کی بات پر حماد نے قہقہہ لگایا۔

''دیکھیں شیخ......! اس مرتبہ شاید یہ سوداگر غلط سودا کر بیٹھے ہیں۔''

''اس مرتبہ شاید ان کی بصیرت ان کو دھوکہ دے گئی ہے...... ہاں......!'' حماد نے سنجیدگی

سے کہا۔

"یہ تو ہے...... آخر قدرت کا بھی ایک نظام ہوتا ہے ناں......! کیا کہتے ہیں اسے...... مکافاتِ عمل......؟" ابوحسام نے اپنی بات کہہ کر معنی خیز نظروں سے حماد کی طرف دیکھا۔

"تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر موسیٰ علیہ السلام کو تربیت دلائی، ان کی پرورش کی۔"

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ ہمارے ہی لوگوں کو ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ قدرت ان کے کیے کرائے پر پانی پھیر دے اور جنہیں یہ اپنا سمجھ رہے ہیں وہی ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔"

"انشاءاللہ......! ایسا ہی ہوگا یا شیخ......! انشاءاللہ......! ایسا ہی ہوگا" حماد نے کہا۔

"دیکھو بیٹا......! مجھے تمہارے جذبات کا اندازہ ہے جس کیفیت کے تم شکار ہو میں اسے بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں ایک بات سے بہت محتاط رہنا۔ ہم اپنے سامنے والے دشمن کو للکارنے تک پیٹھ نہیں دکھاتے۔ ہم لڑنے والے دشمن کے خلاف بھلے وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو میدان نہیں چھوڑتے لیکن پشت سے ہونے والا حملہ جان لیوا ہوتا ہے، یہ بات یاد رکھنا اس بات کو کبھی ذہن سے نہ نکالنا کہ امریکیوں نے تمہیں بے لگام چھوڑ دیا ہے یقیناً انہوں نے تمہارے اردگرد کچھ لوگ تمہاری نگرانی پر مامور کر دیئے ہوں گے یہ لوگ تمہارے ہمدرد بن کر تمہارے خیر خواہ بن کر، تمہارے پاس آئیں گے تم سے اس انداز میں بات کریں گے جس کی انہیں تربیت دی گئی ہے۔ ان کی لچھے دار باتوں میں ہرگز نہ آنا یہی تمہارے امتحان کا وقت ہوگا اور یہی وہ مرحلہ ہے یہی وہ جان سوز مرحلہ ہے جسے تم نے مکمل ایمان وایقان کے ساتھ طے کرنا ہوگا۔" ابوحسام نے اسے سمجھایا۔

"آپ مطمئن رہیں یا شیخ......! میں نے آپ سے کہا ناں......! انشاءاللہ میں ان کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوں اور مجھے چبانے سے کرنل مائیک کے دانت ٹوٹنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے اس بات کا تعین ہے۔" حماد نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

ابوحسام نے اسے آنے والے وقت سے متعلق کچھ ہدایات دیں اور جس طرح خاموشی سے

بعد میں نماز ادا کرنے کے لئے آیا تھا اسی طرح خاموشی سے کہہ کر چلا گیا کہ آئندہ وہ خود حماد سے رابطہ کریں گے حماد انتہائی ضرورت پر بھی ان سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرے اس نے حماد کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ انہوں نے اپنا ٹھکانہ تبدیل کرلیا ہے اور جہاں اس کی پہلی ملاقات الزرقاوی سے ہوئی تھی اب وہاں شاید کوئی اور لوگ موجود ہوں کیونکہ وہ گھر انہوں نے خالی کر دیا ہے۔ حماد جانتا تھا کہ یہ مٹھی بھر لوگ یہاں قابض افواج کے خلاف سرگرم ہیں، وہ انتہائی محتاط لوگ تھے اور اپنی نست میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے، کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھاتے جو ان کے لئے نقصان کا باعث بنے۔ اس نے ابوحسام کی ہر ہدایت پر عمل کرنے کا اسے یقین دلایا اور اس سے یہ اجازت لے لی کہ وہ اپنے والد کو کم از کم اعتماد میں لے سکے۔

"یہاں کیوں نہیں......؟ ہمیں اُمید ہے کہ کرنل صاحب کی طرف سے ہمیں اچھا مشورہ ہی ملے گا لیکن اس مرحلے پر میں معذرت خواہ ہوں کہ ہم ان سے ملاقات نہیں کریں گے اس کا ہمیں کم اور انہیں زیادہ نقصان ہوگا۔" ابوحسام نے اس کو بتایا۔

"ٹھیک ہے شیخ......! جیسے آپ کی مرضی......!"

دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور ایک دوسرے کو فی امان اللہ کہہ کے اپنا اپنا راستہ ناپا۔

شیرازی نے حسین کے جانے کے بعد کافی دیر تک اپنی فتح کا جشن منایا اپنے حواریوں کے ساتھ اس نے محفل ناؤ ونوش سجائی اور انہیں بتایا کہ بہت جلد وہ جھنڈے والی کار میں بغداد کی سڑکوں پر گھوما کرے گا۔ اس کے تمام ساتھی اس سے زیادہ بے غیرت اور بے ضمیر تھے۔ ان کے لئے شیرازی کا ساتھ دینے کا سوائے اس کے کوئی اور مقصد نہیں تھا کہ شیرازی کے ساتھ مل کر وہ آنے والی زندگی میں گلچھرے اُڑا سکیں اور موج مستی کر سکیں ان کی زندگی کا یہی مقصد تھا۔

شام تک وہ بے سدھ ہو کر لیٹا رہا شام کے بعد نہا کر تازہ دم ہوا اور اب اپنے محافظوں اور حواریوں کو کوئی اطلاع دیئے بغیر وہ چپ چاپ اپنے گھر کے بغلی دروازے سے باہر نکل آیا شیرازی یہ بات جانتا تھا کہ اس کھیل میں اسے احتیاط برتنا ہے اسے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے تمام راز اپنے تک محدود رکھنے ہیں اگر اس نے کسی اور کو رازدار بنا لیا تو عین ممکن ہے کہ اس کا وہی راز اس کے لئے مستقبل میں کوئی نیا عذاب نہ کھڑا کر دے یہی سوچ کر اس نے حسین کے گھر ہونے والی دعوت کی خبر اپنے ساتھیوں کو نہیں دی تھی اور اس کے ساتھی یہ بات جان چکے تھے کہ جو بات

شیرازی انہیں نہ بتانا چاہے اگر وہ اصرار کریں تو شیرازی اس کا غلط مطلب لیتا ہے اور اس کے غلط نتائج بھی نکل سکتے ہیں وہ اپنے ہر ایسے ساتھی پر شک کرنا شروع کر دیتا تھا جو اس سے کوئی بھی سوال کرے اسے سوال کرنے والے لوگ پسند نہیں۔

وہ اپنی بات بتا کر اپنے احکامات سناتا صرف عمل کروانا چاہتا تھا جو لوگ اس کی ذات کے متعلق متجسس ہوں وہ لوگ اسے ہرگز پسند نہیں تھے۔ شیرازی اپنے گھر سے ایک عام عراقی کی طرح نکلا تھا جو مخصوص اس کی شناخت تھا وہ اس نے اپنے گھر پر رہنے دیا تھا اور عراق کے عام شہری کی طرح سڑکوں پر مٹرگشت کرتا ہوا مخصوص گلیوں سے گھوم کر اس ٹیکسی سٹینڈ تک آ گیا تھا یہاں سے اسے ٹیکسی میں بیٹھ کر حسین کے گھر جانا تھا۔

حسین کا گھر یہاں سے دو اڑھائی کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور وہ چاہتا تو یہ فاصلہ پیدل بھی طے کر سکتا تھا لیکن محض یہ دیکھنے کے لئے کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا، اس نے خاص گلیوں کے چکر لگائے تھے اور اب کافی تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ شیرازی نوجوانی میں اپنے علاقے کا مانا ہوا پہلوان اور شہزور تھا۔ اتھلیٹکس کے کئی مقابلوں میں اس نے انعامات حاصل کئے ہوئے تھے لیکن یورپ کی زندگی اور شراب وشباب کی محفلوں نے اسے اندر سے کھانا شروع کر دیا تھا اور اس کا دم خم اب ختم ہوتا جا رہا تھا اس کا جسم جس طرح اس کے احکامات کی اطاعت کرتا تھا اب اس کے اعضا اس طرح اس کے احکامات بجالانے سے قاصر تھے۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ حسین کے محلے سے کچھ دور اتر گیا اب وہ پیدل چلتا ہوا اس گھر کی طرف جا رہا تھا یہاں حسین قیام پذیر تھا مغرب کی نماز ہو چکی تھی اور وقت سے کچھ پہلے محض اس لئے وہاں حسین گھر پہنچ گیا تھا کہ اس بات کا جائزہ لے لے کہ کہیں پہلے سے اس کے لئے جال نہ بچھایا گیا ہو، حسین کے گھر کے دروازے پر شیرازی نے دستک دی تو حسین نے خود ہی دروازہ کھولا اور اسے اس وقت اپنے سامنے دیکھ کے حیران رہ گیا۔

"اہلاً وسہلاً مرحبا......!" اس نے شیرازی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

"شکراً......!" شیرازی نے کہا اور مکان کے اندر داخل ہو گیا۔

"آپ اس وقت......؟" چلتے چلتے حسین نے پوچھا۔

"میں اس علاقے میں کسی کام سے آیا تھا مغرب کی نماز یہیں میں نے ادا کی اور سوچا کہ گھر واپس کیا جاؤں، تم تو جانتے ہو مغرب کے بعد کرفیو لگ جاتا ہے اور ان اوقات میں گھر سے نکلنا مسائل بھی کھڑے کر سکتا ہے۔ تم سناؤ......! تمہارے دوست تو پہنچ گئے ہوں گے......؟"

"میں نے انہیں عشا کے بعد کا وقت دیا تھا۔ یہاں ہمارے علاقے میں امریکی فوجی دُور دور تک بھی دکھائی نہیں دیتے۔ یہاں مین سڑک کافی فاصلے پر ہے اور مجاز محلہ بھی خاصا پرامن ہے اس لئے یہاں اس کرفیو کا کسی کو علم نہیں ہوا اور عشا کے بعد بھی کاروبار زندگی چلتا رہتا ہے۔" حسین نے جواب دیا۔

"چلو......! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کم از کم اس طرح ہم اطمینان سے بیٹھ تو سکیں گے۔" اور دونوں چلتے ہوئے اس کمرے کی طرف آئے جو حسین نے اس کے استقبال کیلئے سجا رکھا تھا۔

"کھانے کا بندوبست میں نے قریبی مکان میں کیا ہے اصل میں میرے گھر والے یہاں نہیں ہیں، میری والدہ اور بہنیں گاؤں جا چکی ہیں جس روز امریکی فوجیں یہاں بغداد میں آئی تھیں اس کے اگلے روز ہی وہ یہاں سے چلی گئی تھیں۔ ہم لوگ بصرہ کے رہنے والے ہیں وہ وہاں رہ کر زیادہ خوشی محسوس کرتی ہیں۔" حسین نے اسے بتایا۔

"ہاں ہاں......! اچھی بات ہے، ان حالات میں ہماری ماؤں بہنوں کو یہاں رہنا بھی نہیں چاہئے یہاں تو ہماری زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی ہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے تم تو جانتے ہو یہ لیٹرے کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہیں یہ تو اپنا کام کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے سامنے ان کی ماں موجود ہے یا بہن۔" شیرازی نے جواب دیا۔

"ہاں بس......! صورتِ حال تو ایسی ہے اللہ ہمارے حال پر رحم کرے بہرحال ہمارے لئے تو خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ جیسا دردمند یہاں آیا اور اس نے ہمارے جذبات کو ہمارے احساسات کو زبان دی۔ آپ نے ہمارے درد کو محسوس کیا اور ہمارے لئے ایک راہ عمل متعین کی میں نے آپ سے مل کے آنے کے بعد اپنے دوستوں سے ملاقات میں آپ کا تعارف انہیں کرا دیا تھا اور انہیں ان مقاصد سے بھی آگاہ کر دیا تھا جو آپ کا مقصود ہیں۔" حسین نے کہا۔

منٹ کے بعد یہ ایمبولینس اپنے بے ہوش مریض شیرازی کے ساتھ بغداد کی سڑکوں پر بھاگتی ہوئی امریکی بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں کے درمیان میں سے ان کے زرخرید غلام کو اغوا کر کے لئے جا رہی تھی اس سفر کا اختتام بغداد کے نواحی علاقے میں ہوا۔ یہاں پہلے سے ایک چھوٹا ٹرک ان کا منتظر تھا۔

چھوٹے چھوٹے ترک دراصل اردگرد کے علاقوں میں رہنے والے قبائیلوں کے تھے جن پر وہ اپنے مویشی لاد کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے لایا کرتے تھے آج بھی وہ ایک انسان نما درندے کو ایک ٹرک میں لاد کے اپنے گاؤں کی طرف جا رہے تھے' اپنے کسی مریض کو ٹرک پر منتقل کرتے ہی ایمبولینس واپس بغداد کی طرف گھوم گئی اور اگلے آدھے گھنٹے بعد جہاں سے چلی تھی وہیں پہ پہنچ گئی اس مرتبہ اس ایمبولینس میں اس کے دونوں ساتھی موجود تھے لیکن حسین نہیں تھا۔ حسین اپنے مہمان کے ساتھ اس علاقے کی طرف جا رہا تھا جو اب شیرازی کی پناہ گاہ بننے والا تھا۔ بڑے اطمینان سے تینوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اس کے دونوں ساتھی اب اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے اس گھر میں موجود پینٹ کی بڑی بڑی رنگدار بندوقیں تھامیں اگلے دس منٹ میں اس ایمبولینس کا رنگ بدل کے اسے دوبارہ سٹیشن کی شکل دے دی تھی۔ اندر موجود سٹریچر کی بجائے سیٹیں رکھ دی گئی تھیں اور جعلی نمبر پلیٹ اتار کر اس پر اصل نمبر پلیٹ بھی لگا دی گئی تھی۔

شیرازی کافی دیر تک گہری نیند سوتا رہا اسے ہوش آیا تو ایک بڑے کمرے میں جس کے ایک کونے میں بیڈ اور دوسرے میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں وہ کمبل اوڑھے سو رہا تھا۔ بیدار ہو کر اس نے سب سے پہلے اپنے آپ کو اس بات کا یقین دلایا کہ وہ واقعی زندہ ہے' اب اس کا ذہن کام کرنا شروع ہو گیا تھا اور اسے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے کیا قیامت گزری ہے وہ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ حسین نے سارا ڈرامہ اسے اغوا کرنے کے لئے رچایا تھا۔ اس کامیابی سے کل کا ایک نوجوان چھوکرا اسے اس کی پناہ گاہ سے نکال کر یہاں تک لے آیا تھا۔ یہ احساس بھی اس کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔

اس نے ساری زندگی جوڑ توڑ میں سازشوں میں اور زندگی کا آخری حصہ امریکی غلامی اور غداری میں گزارا تھا لیکن اسے اس بات کا اندازہ کبھی نہیں ہوا وہ اتنی جلدی بیوقوف بھی بن جائے

گا۔ کاش میں نے آنے سے پہلے اپنے خادموں کو اس بات کی اطلاع بھی کر دی ہوتی کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں، میں کہاں جا رہا ہوں اس نے سوچا اور پاؤں لٹکا کر مسہری پہ بیٹھ گیا، پھر اٹھ کر دروازے کی طرف چلنا شروع کیا، شاید ابھی اس مشروب کا اثر باقی تھا جس نے اس کے معدے میں پہنچ کر اس کے چودہ طبق روشن کئے تھے۔ دوبارہ پھر وہ مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس مرتبہ دروازہ کھلا تو سامنے سے ابوحسام، حسین اور زرقاوی اندر آتے دکھائی دیئے۔

زرقاوی کی شکل پر نظر پڑتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی دونوں آنکھوں سے نکلتی ہوئی برقی رو اس کے سارے جسم میں سرایت کر گئی ہو' اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ ابوزرقاوی ہے، اسے بات کا علم بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ لوگ اسے یہاں کسی نیک مقصد کے لئے اٹھا کر نہیں لائے اس کے ساتھ جو کچھ ہونے جا رہا ہے وہ اس کے تصور سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔

"آپ کو خاصی تکلیف اُٹھانے کے بعد یہاں پہنچنا پڑا جس کیلئے ہم معذرت خواہ ہیں۔"

ابوحسام نے شیرازی کی طرف دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کون ہو تم لوگ......؟"

"ہم تمہاری طرح کے انسان ہیں، مسلمان ہیں، عراقی ہیں، لیکن ہم میں اور تم میں ایک فرق ہے تم جن کے زرخرید غلام ہو ہم ان کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان سے لڑ رہے ہیں۔" ابوحسام نے جواب دیا۔

زرقاوی اور حسین ابھی تک خاموش کھڑے تھے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے......؟ کیا بات کر رہے ہو تم......؟ جانتے ہو مجھے......؟ میرا نام شیرازی ہے شیرازی ......! دس سال سے زیادہ میں ملک سے باہر رہا ہوں۔ صدام کے دشمنوں میں شمار ہوتا ہے میرا اور میں یہاں اپنے لوگوں کی شدید خواہش پر واپس آیا ہوں یہ لوگ بہت عزت کرتے ہیں میری' پوجتے ہیں مجھے دیوتاؤں کی طرح پوجتے ہیں مجھے۔ جب انہیں علم ہو گا کہ تم لوگ اغوا کر کے لے آئے ہو مجھے تو جانتے ہو وہ بغداد کے گلی کوچوں کو آگ لگا دیں گے سارے شہر کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔" اس نے بڑے کروفر سے جواب دیا۔

"میرے خیال میں ابھی تک اس کے ذہن پر قیادت کے اثرات سوار ہیں۔" حسین اس

وقت ابوحسام سے مخاطب تھا۔

"تم...... تمہیں تو میں کبھی نہیں چھوڑوں گا، کبھی نہیں، ایک مرتبہ یہاں سے زندہ بچ کے چلا گیا تو تم کبھی نہیں جی پاؤ گے یاد رکھنا تم نے ہی بھڑکتی ہوئی آگ میں ہاتھ ڈالا ہے، جل جاؤ گے تم خود تو جلو گے ہی، اپنے ساتھ ہزاروں لوگوں کو بھی جلا کر رکھ دو گے۔" شیرازی نے دھمکی دینے کے انداز میں حسین سے کہا۔

"ہوں......! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہیں یہاں سے زندہ واپس نہیں جانا چاہئے۔"

اس مرتبہ الزرقاوی نے طنزیہ انداز سے اس کی طرف دیکھا تھا، وہ ابھی تک خاموشی سے صرف حالات کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کے ساتھی یہ بات جانتے تھے کہ زرقاوی بولنے سے بہت اجتناب کرتا ہے، وہ عام حالات میں اپنا چہرہ اپنے ساتھیوں کے سامنے بھی جھکا کر رکھتا تھا اور گفتگو میں تو بہت ہی زیادہ احتیاط کرتا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم......؟ کون ہو تم......؟ میں تمہیں نہیں جانتا۔" بڑی نفرت اور غصے سے شیرازی نے کہا۔ شاید وہ مکمل ہوش میں آچکا تھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"تم اسے نہیں جانتے......؟ یہ بہت اچھی بات ہے...... لیکن ہم تمہیں اچھی طرح جان گئے ہیں شیرازی......!" ابوحسام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہم یہ بات اچھی طرح جان گئے ہیں کہ گزشتہ دنوں امام بارگاہ پر جو حملہ ہوا وہ کس نے کیا تھا۔ تمہیں شرم نہیں آتی چند ٹکوں کے لئے اتنی بے ضمیری پہ اتر آئے ہو کتنے گھٹیا آدمی ہو تم......! جانتے ہو تمہارے ساتھیوں کی فائرنگ سے تین معصوم بچے مارے گئے کیا ملا تمہیں......؟ کیا تمہارے ہی ورغلانے پر ہمارے اہلِ تشیع بھائی اُٹھ کھڑے ہوئے......؟ تم کیا انہیں بیوقوف سمجھتے ہو......؟ ہم صدیوں سے اکٹھے زندگی گزار رہے ہیں ہم نے یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کا کیا مطلب ہے، ہم سب مسلمان ہیں اور تمہیں یہ بات سن کے شاید خوشی نہ ہو کہ جن لوگوں کی نمائندگی تم کر رہے ہو وہ ہم سے پہلے ہی جہاد کا آغاز کر چکے ہیں وہ ہم سے زیادہ شدت سے اس بات کے متمنی ہیں کہ قابض فوجیں عراق سے نکلیں ہم اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں تمہیں شرم آنی چاہئے لیکن نہیں تمہیں بھلا شرم کیوں آئے گی تمہارا ضمیر تو بہت عرصہ پہلے کسی کے پاس گروی ہے تم تو زرخرید غلام ہو تم سے بہتر تو وہ لوگ ہیں جو صدام کی غلامی میں عراق میں زندہ رہے صدام کی

لامی ان لوگوں کی غلامی سے بہرحال بہتر تھی جو تمہارے آقا بنے ہوئے ہیں ابھی تمہیں اس بات کا حساس نہیں ہوا نہیں ہوا کیا......؟" ابوحسام نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اس کی طرف دیکھتے وئے کہا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو......؟ کیا کہنا چاہتے ہو......؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں کسی نے ورغلا دیا ہے۔ شاید اس نوجوان نے...... کیا نام ہے اس کا......؟ حسین نے...... شاید اس نے میرے متعلق تمہیں کوئی غلط خبر دے دی ہے...... میرا دماغ خراب ہے کیا...... کیا میں اپنے لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے مرواؤں گا......؟ اپنے بندوں سے اپنے لوگوں کو مرواؤں گا......؟ ان پر گولیاں چلواؤں گا......؟" شیرازی نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"بہت شاندار اداکاری کر لیتے ہو...... تمہیں تو کوئی فلمی اداکار ہونا چاہئے تھا...... بڑا غلط میدان منتخب کیا تم نے اپنے لئے...... تم تو بڑے اچھے اداکار بن سکتے تھے...... تم کس کام میں پڑ گئے......؟" ابوحسام مسکرایا۔

زرقاوی خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر ان کا جائزہ لے رہا تھا اس نے کوئی دوسری بات نہیں کی تھی اور حسین کچھ فاصلے پر ہاتھ میں کلاشنکوف پکڑے کھڑا تھا۔

"میں پھر کہتا ہوں تم لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔" اس مرتبہ شیرازی نے قدرے چیخ کر یہ بات کہی تھی۔

"خاموش......! اگر تم بیوقوف یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح اُونچا بولنے سے تم ہمیں اپنی بات کا قائل کر لو گے تو تم سے بڑا احمق شاید اس شہر میں اور کوئی نہ ہو، ہم کوئی بھی قدم تحقیق اور تفتیش کے بغیر نہیں اُٹھایا کرتے، تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں کہ جن لوگوں نے اس گھناؤنی واردات میں حصہ لیا تھا تمہارے احکامات کی تعمیل میں، ان میں سے ایک اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔"

ابوحسام نے اچانک اس کے اعصاب پہ زوردار ہتھوڑا برسایا۔

"کون......؟ کون ہے تمہارے پاس......؟ کون ہے وہ......؟ لاؤ......! لاؤ اسے میرے سامنے...... لاؤ......!" شیرازی نے قدرے گھبراہٹ میں اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"دیکھ لو اس کے بعد شاید تمہارے پاس کچھ اور کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔" ابوحسام نے

کہا۔

شیرازی کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اچھا......! تم اسے میرے سامنے لاتے کیوں نہیں......؟ اسے لاؤ نہ میرے سامنے۔''

گھبراہٹ شیرازی کے لہجے سے بخوبی نمایاں تھی اس کا لہجہ اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ان لوگوں سے ہی نہیں خود سے بھی جھوٹ بول رہا تھا' اس بات کا اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے......! تمہارا یہ شوق بھی پورا کئے دیتے ہیں۔ حسین......! جاؤ اسے لاؤ......!''

حسین مسکرایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''کرنل مائیک کو کب سے جانتے ہو تم......؟''

اب تک خاموشی سے بیٹھے زرقاوی کے منہ سے یہ بات نکلی اور گولی کی طرح شیرازی کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئی۔ زرقاوی کے منہ سے یہ بات نکلتے ہی اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے ہزاروں وولٹ بجلی کا زوردار جھٹکا اسے لگا ہو' جیسے بجلی کے ننگے تاروں کو اس نے چھو لیا ہو۔ اس کا رنگ اس ایک فقرے سے زرد پڑ گیا تھا اور اب اسے اپنے لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پانا ناممکن دکھائی دے رہا تھا یہ لوگ اتنے باخبر ہیں۔ اس نے سوچا، یہ شخص کرنل مائیک کو جانتا ہے۔ اگر کرنل مائیک کو جانتا ہے تو یقیناً اسے میری اوقات کا پتہ چل گیا ہوگا۔ تبھی تو یہ مجھے اُٹھا کر یہاں لائے ہیں۔ اوہ میرے خدایا......! یہ کیا ہوا کئی سوالات اس ایک لمحے میں اس کے دل و دماغ میں پیدا ہوئے۔ اور اسے اپنا حلق خشک ہونے کا احساس ہوا تھوک نگلتے ہوئے اس نے اپنا حلق تر کیا اور زرقاوی کی طرف دیکھا۔

''میں نے یہ نام زندگی میں پہلی مرتبہ سنا ہے' میں تمہیں نہیں کہوں گا کہ میں کسی امریکی کو نہیں جانتا مجھ سے فرانس میں دنیا کے مختلف حلقوں کے لوگ ملا کرتے تھے۔ دنیا کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں نے مجھے بڑے بڑے لالچ دیئے تھے ممکن ہے ان میں سے کوئی یہ بھی ہو جس کا تم نام لے رہے ہو لیکن میں ایسے نام یاد نہیں رکھا کرتا میں اپنی زمین سے غداری نہیں کرسکتا اپنے لوگوں سے غداری نہیں کرسکتا۔ میرا جینا مرنا ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ اس غیر کے ساتھ نہیں۔''

شیرازی نے اپنی دانست میں بہت سوچ بوجھ اور سمجھداری کا مظاہرہ کیا تھا لیکن وہ یہ بات

ان چکا تھا کہ وہ بری طرح پھنس گیا ہے اور ان لوگوں کے پاس اس کے متعلق ایسی ویسی معلومات ں شاید جو اس کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ ہوں گی۔ اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ بہت باخبر ر بہت ہوشیار لوگ ہیں۔

اب اس سے پہلے کہ زرقاوی یا ابوحسام اس کی بات کا جواب دیتے، دروازہ کھلا اور حسین، بوشاکر کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہوا ابوشاکر کی شکل پر نظر پڑتے ہی شیرازی کو اپنے دل ڈوبنے کا حساس ہوا یہ ان تین نوجوانوں میں سے ایک تھا جنہیں آج سے پانچ چھ روز پہلے شیرازی نے اصی رقم دے کر ایک گھناؤنے کام پر آمادہ کیا تھا اور جن کی فائرنگ سے ایک امام بارگاہ کے باہر ئی بچے شہید ہو گئے تھے ان بچوں کی شہادت کا بہت ماتم کیا گیا تھا اور شیرازی کی طرف سے ایک نظم انداز میں یہ افواہ پھیلانے کے باوجود کہ حملہ آور دوسرے مکتبہ کے لوگ ہیں اس کے مکتبہ فکر کے لوگوں کو اس کی بات پر اعتبار نہیں تھا اور اس کو متوقع نتائج نہیں مل سکے تھے اور وہ کرنل مائیک کو طمئن نہیں کر سکا تھا۔

''اسے جانتے ہو......؟'' ابوحسام نے شیرازی کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

''میں نہیں جانتا اسے...... میں نہیں جانتا۔'' شیرازی نے تقریباً دیوانگی کے عالم میں جواب دیا۔

''بکواس کرتا ہے یہ...... بہت اچھی طرح جانتا ہے یہ مجھے...... اس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو گمراہ کر کے ایسا گھناؤنا کام کروایا جس سے ساری زندگی ہم اپنے آپ سے شرمندہ رہیں گے۔ میں دُنیا کی ہر عدالت میں اس کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہی وہ ظالم ہے یہ وہ آستین کا سانپ ہے جسے ہم نے اپنے ٹکڑوں پر پالا اور آج یہ ہمارے ہی بچوں کو کھانے لگا۔''

ابوشاکر جو خاصے پچھتاوے کا شکار دکھائی دے رہا تھا اور اس گھناؤنی واردات کے بعد اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی نہ کسی طرح ابوحسام کے ساتھیوں میں سے کسی ایک تک پہنچ کر اس نے ابوحسام تک رسائی حاصل کی تھی اور رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو پیش کرنے کے بعد اب ان کا ساتھی بن چکا تھا۔

''ٹھیک ہے میرے دوست......! عدالت لگ چکی ہے تمہاری گواہی بھی ہوگی۔'' اس مرتبہ

زرقاوی ابوشاکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو شیرازی......؟" حسین نے شیرازی کو مخاطب کیا۔

اسے اب اپنی زبان خمیرے کی طرح سوکھ کر تالو سے جمتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"دیکھو......! تم لوگ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہو...... میں تمہیں نہیں جانتا...... یہ سب جھوٹ ہے...... میں کسی...... کچھ...... کچھ نہیں کہا میں...... کچھ نہیں...... کہتا...... مجھے کیا...... نہیں...... دُنیا ان باتوں سے...... تم مجھے...... تم مجھے چھوڑ...... چھوڑ دو...... دیکھو ناں...... میں تمہیں کچھ...... کچھ نہیں کہتا...... میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا...... میں تمہارے خلاف کسی نہ کسی ک رپورٹ درج نہیں کراؤں گا...... ہاں...... ہاں......!"

شیرازی کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے منہ سے کیا انٹ شنٹ نکل ر ہے وہ جو کچھ بھی بول رہا تھا دیوانگی کے عالم میں بول رہا تھا اسے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی ک ان لوگوں کو کیا کہے جنہوں نے اس کے جرم کا ہر ثبوت اس کے سامنے لا کے کھڑا کر دیا تھا اور وہ اپ زبان سے اپنے تمام جرائم کا اقرار حسین کے سامنے بھی کر چکا تھا پاگل ہو گیا ہے یہ پاگل ہو گ ہے۔

ابوشاکر مارنے کے ارادے سے غصے سے اس کی طرف بڑھا لیکن حسین نے اسے کسی نہ ک طرح قابو کر لیا اور ابوحسام نے اسے نارمل رہنے کی تلقین کی۔

"دیکھو شیرازی......! تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے تو اب بھی کہہ سکتے ہو۔ ہمیں سچ سچ بتا دو اب...... تم نے امریکیوں کے کہنے پر کیا کچھ کر چکے ہو......؟" ابوحسام نے بہت سنجیدگی سے شیرازی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں تم لوگوں کو پہلے ہی بتا چکا ہوں تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو میرے خلاف کوئی سازش ہوئی ہوا بھی سے تم لوگ مجھے مارنا چاہتے ہو میری دولت لوٹنا چاہتے ہو...... لیکن میں تمہیں ایک پیسہ نہیں دوں گا ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا...... تم لوگ مجھے یرغمال بنا کے میرے گھر والوں سے رقم وصول کرنا چاہتے ہو لیکن تمہیں اس میں ناکامی ہو گی۔" شیرازی کا ذہنی توازن واقعی بگڑنے لگا تھا۔

"شیرازی......! ہمارا اللہ اس بات کا گواہ ہے کہ ہم کسی کے متعلق مکمل معلومات حاصل

رنے سے پہلے کوئی کارروائی نہیں کرتے ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بے گناہ کو ہمارے ہاتھ ے کوئی زک نہ پہنچے ہم خود مظلوم ہیں ہم اپنے مظلوم مسلمانوں بھائیوں کے خلاف کبھی کوئی ارروائی نہیں کرتے ہم انہیں کبھی ظلم وتشدد کا نشانہ نہیں بناتے ہمارا اللہ اس بات کا گواہ ہے اس ت تمہارے سامنے تمہارے جرائم کے دو مضبوط گواہ موجود ہیں اور یہ عدالت تمہارے ان ھناؤنے جرائم پر تمہیں سزائے موت دیتی ہے۔"

زرقاوی کا لہجہ اس مرتبہ اتنا سنجیدہ تھا کہ شیرازی لرز کر رہ گیا اسے یوں لگا جیسے اس کے رگ و پے میں ایک سنسناہٹ سرایت کر گئی ہے۔ اس نے منہ کھول کر کچھ کہنا چاہا کہ اس کے حلق نے اس ا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

ابوحسام اور دوسرے لوگوں نے اس کی طرف دیکھا اور حسین کو اشارہ کیا' حسین اور شاکر گے بڑھے دونوں نے اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور چیختے لاتے شیرازی کو کمرے سے گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ اگلے روز بغداد کے ایک چوراہے پر لٹکی یرازی کی لاش بڑی مسخ حالت میں پائی گئی اس لاش کے ساتھ ایک خط پر اس کے جرائم کی تفصیل لکھی ہوئی تھی اور عین ان لمحات میں جب دُنیا بھر کے میڈیا سے دہشتگردی کے ہاتھوں شیرازی کے اغوا کے بعد قتل کی خبر نشر کی جا رہی تھی ایک عربی چینل اور ایک انگریزی چینل پر وہ فلم بھی دکھائی جا رہی تھی۔ ان اعترافات پر مبنی تھی جو اپنی موت سے پہلے شیرازی نے ان دہشت گرد اغواکاروں کے سامنے کئے تھے۔

اس فلم میں شیرازی نے اپنی جلاوطنی کی پوری کہانی سی آئی اے رابطہ اور جس جس طرح کرنل مائیک کی ہدایات پر عمل کیا تھا اس کی ساری تفصیلات بیان کر دی تھیں۔ گو اس ٹیپ کی کاپیاں دُنیا کے بڑے بڑے ممالک کے سفارت خانوں کو پوسٹ کر دی گئی تھیں۔

عراق اور دُنیا بھر کے عوام اصلیت جاننے لگے تھے لیکن قابض افواج نے جھوٹا اور گھٹیا پراپیگنڈہ کیا۔ عراق کی نام نہاد انتظامیہ نے اسے عراق دشمنوں کی کارروائی قرار دیا۔ امریکی، برطانوی حکام نے اپنے اپنے نمائندوں کے ذریعے اس سارے ڈرامے کا محرک الزرقاوی کو قرار دے کر اس بات سے باخبر کیا کہ ایک ہمسایہ ملک کی پشت پناہی سے زرقاوی جیسا بین الاقوامی دہشتگرد جو القاعدہ کا بہت مضبوط ستون سمجھا جاتا ہے عراق میں تباہی اور بربادی پھیلانے کے لئے

داخل ہو چکا ہے بہت جلد اتحادی افواج اسے ڈھونڈ کر مار ڈالیں گی۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر زرقاوی کی گرفتاری پر دی گئی رقم کا اعلان کیا اور عراق عوام سے اپیل کی کہ وہ زرقاوی اور اس جیسے دوسرے دہشت گردوں سے ہوشیار رہیں اور ان کے خفیہ ٹھکانوں سے اگر آگاہ ہوں تو اس کی اطلاع قریبی امریکی مراکز تک پہنچائیں۔ اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا کہ اطلاع پہنچانے والوں کی مکمل حفاظت کی جائے گی انہیں مجرموں کی گرفتاری پر انعام دیا جائے گا اور انہیں محفوظ ٹھکانوں پر منتقل کر دیا جائے گا۔

کرنل مائیک کے وعدے کو دو دن گزر چکے تھے لیکن کرنل واحد ابھی تک اپنے گھر نہیں پہنچا ا۔ حماد کچھ پریشان ہو گیا تھا اسے وہم ہو گیا تھا کہ شاید کرنل مائیک اس پر شک کرنے لگا ہے لیکن ں وقت وہ حیران بھی رہ گیا جب دستک ہونے پر اس نے دروازہ کھولا تو سامنے اس کا والد بانہیں پیلائے اس کا منتظر تھا۔ اپنے والد کی بانہوں میں سمٹ کر حماد کو یوں محسوس ہوا کہ چاروں طرف ونے والی یلغار سے بالکل محفوظ ہو گیا ہے اور اب کوئی بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

کافی دیر تک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، ؤد کرنل واحد کے لئے بھی یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اسے ابو غریب جیل سے رہا کر دیا گیا ہے۔ یل میں وہ اکیلا نہیں اس کے ساتھ درجنوں لوگ بھی قید تھے اور اسے رہا کر دیا گیا۔ کرنل واحد نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ صدر صدام کی خدمت اور اطاعت میں گزارا تھا وہ صدام کے بیٹوں کی خصوصی انٹیلی جنس میں اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گیا تھا اور یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس کی رہائی یقیناً کسی ڈیل کا نتیجہ ہے لیکن یہ ڈیل کس نے کی تھی......؟ عراق میں ایسی حکومت تو نہیں تھی جو امریکنوں سے ڈیل کر سکتی پھر اس کو اپنے بیٹے کے ساتھ وہ ملاقات یاد آ گئی جس میں اس کے بیٹے نے اسے کچھ مخصوص قسم کے اشارے کئے تھے کہ وہ کوئی ایسی ڈیل کر رہا ہے۔

''کیا اب خدانخواستہ مجھے صدام کے بعد امریکیوں کی اطاعت کرنی پڑے گی......؟''

''جو کام صدام مجھ سے نہیں کروا سکا وہ کام میں اب امریکیوں کے کہنے پر کروں گا......؟''

ایسے کئی سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ مصلحت کی بنا پر بھی وہ امریکنوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس نے ساری زندگی اپنے ضمیر کو جوابدہ ہو کر گزاری تھی اب جبکہ وہ زندگی کی آخری اننگز کھیل رہا تھا وہ قطعاً یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا نام

عراق کے غداروں کی فہرست میں شامل ہو یا اس کی اولاد کو کوئی اس کی غداری کا طعنہ دے سکے۔ بہرحال ابھی اس نے کوئی بات اس حوالے سے اعتماد سے نہیں کی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مرحلے پر وہ اپنے بیٹے کے ان جذبات کی ناقدری کرے جو ایک باپ اور بیٹے کے درمیان اعتماد عزت اور محبت کا مضبوط بندھن قائم رکھتے ہیں یہی وہ مضبوط بندھن تھا جس نے حماد کو مجبور کیا اور وہ کسی نہ کسی طرح اپنے والد کو رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

شعبان کے لئے آج کا دن عید کے دن سے کسی طرح کم نہیں تھا طویل عرصے کے بعد اس نے اس گھر کے مالک کو دیکھا تھا یہ وہی مالک تھا جو اسے بہت چھوٹی عمر میں موصل کے نواحی علاقے سے اپنے گھر لایا گیا تھا اس نے اپنے بچوں کی طرح پال پوش کر جوان کیا اسے پڑھایا لکھایا اور اسے گھر کا ایک فرد بنا کر رکھا یہ الگ بات کہ شعبان نے کبھی اس گھر سے باہر نوکری کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ کرنل واحد نے متعدد مرتبہ اسے اس بات پر رضامند کیا تھا کہ وہ کوئی سرکاری نوکری کر لے یا وہ اسے کوئی کاروبار کروا کر دے دیں' لیکن شعبان نے اپنی پوری زندگی ان کے لئے وقت کر دی تھی جنہوں نے اسے ایک بیٹے کی طرح پال پوس کر جوان کیا تھا اور کبھی اس میں اور حماد میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا تھا۔ یہی تربیت انہوں نے حماد کو بھی دی تھی کہ شعبان کی اسی طرح عزت کرے جس طرح وہ کرتے ہیں اور حماد اور لیلیٰ نے ایسا کر کے دکھا بھی دیا تھا دونوں باپ بیٹا طویل عرصے کے بعد ایک دستر خوان پر اکٹھے ہوئے تھے دستر خوان پر کرنل کے حکم پر شعبان بھی ان کے ساتھ موجود تھا حالانکہ عام حالات میں وہ ان کے ساتھ بیٹھ کے کھانا نہیں کھایا کرتا تھا لیکن آج کرنل واحد نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھائے گا تینوں کھانا کھانے میں مصروف تھے کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا جس کے بعد شعبان اپنے کمرے میں چلا گیا وہ چاہتا تھا کہ باپ بیٹا کھل کر آپس میں بات کر لیں۔

''بیٹا......! مجھے ظاہر ہے اس بات پر تو خوشی ہے کہ میں ابوغریب جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں سے آزاد ہو کر کھلی فضا میں سانس لے رہا ہوں لیکن ایک خلش سی پھانس کی طرح میرے گلے میں اٹک کر رہ گئی ہے کہ اس رہائی کا پس منظر کیا ہے میں یہ سوال تم سے باپ ہونے کے ناطے نہیں بلکہ ایک عراقی شہری ہونے کے ناطے بھی کر رہا ہوں۔ آخر تم نے امریکنوں کو ایسا کیا کچھ بتایا اور دکھا دیا کہ انہوں نے میری رہائی کی حامی بھر لی جبکہ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی

ا ر

بشتر حصہ انٹیلی سروسز میں گزارا ہے اور میرے جیسے لوگ رہا ہونے کے بعد اگر ان کے مخالف وپ میں شامل ہو جائیں تو ان کے لئے بہت سی پریشانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔''

بالآخر کرنل واحد نے اپنے بیٹے سے وہ سوال کر دیا جو انہوں نے ابھی تک دبا کر رکھا ہوا تھا۔

''لمبی کہانی ہے ابو......! میں آپ کو بلا کم و کاست سنا دیتا ہوں ممکن ہے یہ کہانی سننے کے آپ کو آپ کے بہت سے سوالات کا جواب بھی مل جائے۔''

یہ کہہ کر حماد نے اُردن سے بغداد پہنچنے تک تمام واقعات اپنے والد کو سنا دیئے اور کرنل یک سے ملاقات ابوحسام سے ملاقات، ابوحسام کے مشورے اور وہ تمام معلومات بھی اپنے باپ منتقل کر دیں جو شائد وہ عام حالات میں منتقل نہ کرتا کیونکہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی یہ بات راشت کرنے کیلئے تیار نہ تھا کہ اس کا باپ اس کی غیرت اور حمیت کو مشکوک جانے یا اس کے علق شک کا اظہار کرے اس نے اپنے بیٹے کو اپنے دین سے اپنے ملک سے محبت کرنے کی جو بیت دی تھی وہ چاہتا تھا کہ اس پر پورا اترے اور اپنے باپ کو قطعی اس کا احساس نہ ہونے دے کہ ں نے اپنے والد کی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کیا۔

''اچھا......! تو یہ بات ہے۔'' حماد کی طویل گفتگو سننے کے بعد کرنل واحد نے مختصر سا تبصرہ کیا۔

''آخر ایک انٹیلی جنس افسر کے بیٹے ہو نا......! یہی کچھ تم نے کرنا تھا۔ مجھے تم سے اسی کی وقع تھی۔''

اس نے مسکرا کر اپنے بیٹے کو داد دی اور اس کی طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اس نے اُردن سے عراق کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اب میں اپنی باقی زندگی غلاموں کی طرح بے بسوں کی طرح بے کسوں کی طرح نہیں گزار سکتا مجھے اب کچھ کرنا ہے بلکہ بہت کچھ کرنا ہے آخر کب تک خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ ہوتا دیکھتا رہوں گا اپنے شہر کو اپنے وطن کو اپنے لوگوں کو اس طرح بے بسی سے لٹتے اور کٹتے ہوئے دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں۔'' حماد نے کہا۔

''دیکھو بیٹا......! میں تمہارے جذبات سمجھتا ہوں میں تمہیں قطعاً یہ بات نہیں کہوں گا کہ تم کوئی مصلحت اختیار کرو اگر تم میری جان بچانے کے لئے بھی کوئی مصلحت اختیار کر رہے ہو تو مجھے

اس کی کوئی خوشی نہیں ہوگی میری جان چلی جائے اور تمہارا شمار اس ملک کے ان شعاروں میں ہوتو میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے لیکن میں زندگی کی تمام آسائشوں کے ساتھ زندہ رہوں اور میرا اور تمہارا شمار غداری میں ہو یہ بات میرے لئے ناقابل برداشت ہے تم اپنے خون کو پہچانتے ہو، مجھے بھی جانتے ہو اس لئے تمہیں مجھ سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں میں اجازت دیتا ہوں بیٹا...... ! تم وہی کرو جو آج ہر مسلمان نوجوان کرنا چاہتا ہے اور زندگی کے کسی مرحلے پر ایک لمحے کے لئے مجھے اپنے راستے کی رکاوٹ نہ سمجھنا۔'' کرنل واحد نے فیصلہ کن لہجے میں اپنے بیٹے سے کہا۔

''مجھے آپ سے یہی اُمید تھی ابو...... ! آپ یہ سمجھئے کہ فی الوقت میں ایک ڈسپلن کا حصہ ہوں، میرے منتظم نے مجھے حکم دیا ہے آپ کی رہائی اس کی تعمیل ہے مجھے کمانڈر ابوحسام نے فی الوقت یہی رُوپ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے ان لوگوں کو قصر جمہوریہ کے اندر کی معلومات چاہئیں وہ لوگ شاید میرے ذریعے ہی کرنل مائیک کی آئندہ پلاننگ سے باز رہنے کی کوشش کرتے ہیں شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح میں ان کے لئے زیادہ بہتر نتائج حاصل کرسکتا ہوں بہرحال وہ اس جہاد کے کمانڈر ہیں اور زیادہ بہتر فیصلہ وہی کرسکتے ہیں۔'' حماد نے اپنے والد کی طرف مشورہ طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا...... ! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو میں تو ایک فوجی ہوں، سولجر ہوں لیکن عام زندگی میں بھی آدمی کو اپنے ڈسپلن کا پابند ہونا چاہئے۔ خاص طور سے ان حالات میں اگر وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے وہ بہترین نتائج پیدا کرسکتے ہیں تو تم یہی کام کرو اور ہاں...... ! میری طرف سے انہیں ایک پیغام دینا کہ میری خدمات ان کے لئے حاضر ہیں۔ میں ایک لمحہ توقف کئے بغیر ان کا ساتھی بن کر ان کے ساتھ چل سکتا ہوں۔ میں نے عملی زندگی گزار دی ہے لیکن ممکن ہے میں ان کے لئے زیادہ بہتر منصوبہ بندی کرسکوں۔'' کرنل واحد نے کہا۔

''ٹھیک ہے ابو...... ! اگلی ملاقات پر میں آپ کی یہ بات ان کے گوش گزار کروں گا اور جو فیصلہ ہوگا اس سے آپ کو آگاہ کردوں گا فی الوقت ہمیں وہی مصلحت اختیار کرنی ہے جس کی ہمیں تلقین کی گئی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں امی اور لیلیٰ کو آپ کی رہائی کی خبر دے دوں جو کہ میں نے ابونافع سے وعدہ کیا ہے۔''

''ہاں ہاں...... !'' حماد نے اپنے والد سے اجازت لی۔

''کیوں نہیں بیٹا...... ! ظاہر ہے وہ بہت پریشان ہوں گے۔ انہوں نے بھی میری رہائی ر آمد کا بہت انتظار کیا ہوگا۔ خاص طور پر ان حالات میں۔'' کرنل واحد نے جواب دیا۔

دونوں باپ بیٹا کافی دیر تک باتیں کرتے رہے کرنل واحد اسے کچھ مشورے دیتا رہا جس ے بعد وہ گہری نیند سو گئے صبح فجر کی اذان کے ساتھ دونوں بیدار ہوئے ابوشعبان اس دوران ایک ن کے ذریعے موصل میں یہ اطلاع پہنچا چکا تھا کہ کرنل واحد کو رہا کردیا گیا ہے دونوں باپ بیٹا از سے فراغت کے بعد مسجد سے گھر واپس لوٹ رہے تھے کہ موصل سے ایک کار میں ابونافع کرنل احد کی بیوی اور بیٹی کے ساتھ بغداد کی طرف عازم سفر تھا قریب دو گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ غداد شریف پہنچ چکے تھے پورے خاندان کے اکٹھا ہونے کا یہ جذباتی منظر تھا یہ سب کی زندگی کا یک ناقابل فراموش لمحہ بن گیا تھا سب کی آنکھوں میں آنسو تھے سب مسکرا رہے تھے، سب ایک وسرے سے بہت کچھ کہنا چاہتے تھے بہت کچھ سننا چاہتے تھے لیکن وہاں کہنے سننے کے لئے تھا ہی کیا ایک یاسیت تھی ایک بے بسی تھی ایک احساس بے بسی تھا جو المنصور بغداد اور عراق کے ہر گلی محلے پر سایہ فگن تھا جس کیفیت سے عراق کے باقی شہری گزر رہے تھے وہی عالم ان لوگوں پر بھی طاری تھا۔ گزشتہ تقریباً ایک ماہ سے شعبان اور حماد مل جل کر گھر کی پرانی حالت کسی حد تک واپس انے میں کامیاب ہوگئے تھے اس دوران ابونافع بھی موصل سے کچھ قالین اور دوسرا سامان لے آیا تھا اب یہ گھر انسانوں کے رہنے کے قابل ہوگیا تھا، دو تین روز ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعارف کرنے میں ہی گزر گئے ابھی تک ان میں کسی کو اس بات کی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اب وہ کیا حکمت عملی اختیار کریں۔ کرنل واحد کاروبار کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے لیکن ان حالات میں کوئی کاروبار کرنا بھی ممکن نہیں تھا وہ پریکٹیکل انسان تھے۔ عملی زندگی کی دشواریوں سے مقابلہ کرنے کا ڈھنگ انہیں آتا تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی بے کار ہوکر گھر میں بیٹھنا ان کے لئے بے کار عادت تھی۔

وہ یہ بات سمجھتے تھے کہ اردن اور شام میں موجود اپنے دوستوں کی مدد سے کوشش کر کے کوئی نہ کوئی کاروبار شروع کرسکتے ہیں جس کے ذریعے وہ بڑی آسانی سے اپنے گھر کا دال دلیہ بھی چلاتے رہیں گے اور وہ سب کچھ بھی جو لٹ چکا تھا کسی حد تک واپس لانے میں کامیاب ہوجائیں

گے کچھ اسی قسم کے خیالات حماد کے بھی تھے۔فی الوقت دونوں ہی کچھ کرنے سے قاصر تھے حماد اور اس کے والد کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ اس وقت طے پا چکا تھا جس کی رو سے وہ دونوں ام لیلیٰ اور سلمیٰ تک کوئی ایسی اطلاع نہیں پہنچا رہے تھے جس سے ان کی وہ شناخت ان پر عیاں ہوں جس کا پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔رازداری' حالات سے بڑھ کر اس کا جہاد کا تقاضا تھا جس کا حصہ دونوں بن گئے تھے۔والد کی گھر آمد کے دوسرے ہی دن جب وہ قریبی مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا اچانک اس کے سامنے شرجیل آتا ہوا دکھائی دیا۔

دونوں راستے میں ہی بغل گیر ہو گئے اب المنصور کی مارکیٹیں اور ان میں موجود اِکّا دُکّا دُکانیں جو کسی طرح لٹنے سے بچ گئی تھیں کھلنے لگی تھیں۔ضروریات زندگی بھی میسر آنے لگی تھیں۔ دو تین اخبارات نے اشاعت کا آغاز کر دیا تھا مقامی ٹی وی سٹیشن جس پر اب امریکی قابض تھے اپنی پروپیگنڈہ نشریات شروع کر چکا تھا، ہمسایہ ممالک کے ٹی وی سٹیشن بھی اب عراقی گھروں کی ٹی وی سکرینوں پر جگمگانے لگے تھے زندگی آہستہ آہستہ اپنے معمول کی طرف لوٹ رہی تھی لیکن سہمے ہوئے خوفزدہ اور انتہائی محتاط، اس احتیاط کا تقاضا ہی تھا جس نے شرجیل اور حماد دونوں کو اپنے حصار میں جکڑا ہوا تھا دونوں محتاط انداز میں ہوٹل کے ایک کونے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔المنصور کی مشہور کباب شاپ تھی لیکن اب یہاں اکا دکا لوگ ہی دکھائی دیا کرتے تھے حماد نے کباب کی پلیٹ کا آرڈر دے کر ویٹر کو مطمئن کر دیا تھا اور دونوں دوست اب آنے والے حالات کے متعلق گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

شرجیل اس کے لئے ابوحسام کا پیغام لایا تھا اس پیغام میں اس نے حماد کو یہ سمجھانا تھا کہ اس مرتبہ وہ جب کرنل مائیک سے ملاقات کرے تو شرجیل کا غائبانہ تعارف انہیں اپنے قریبی دوست کی حیثیت سے کروا دے جس کے ساتھ بتا دے کہ وہ اس کے خیالات کا حامی ہے کہ انہوں نے شرجیل کو تمام ہدایات دے دی تھیں جس کے بعد مطمئن ہو گیا کہ کم از کم کرنل مائیک کو یہ اطمینان بھی حاصل ہو جائے گا کہ اپنے باپ کو رہا کروانے کے بعد حماد نے کوئی چال تو نہیں کھیلی اور اس کی مرضی کے مطابق کام شروع کر دیا ہے۔

حماد کے سر سے بہت بڑا بوجھ اُتر گیا تھا وہ جانتا تھا کہ کرنل مائیک اس سے جو توقعات وابستہ کر چکا ہے اس کا کوئی نہ کوئی عملی ثبوت اسے دینا ہی پڑے گا تب کہیں اس کی جان چھوٹنی تھی

ورت دیگر اس کے گھر والوں کے لئے بھی مسائل پیدا ہو سکتے تھے اس کی ساری گفتگو سننے کے د حماد نے ہمت کر کے شرجیل کے ذریعے درخواست ابوحسام تک پہنچائی تھی کہ وہ اس کے والد ے بھی ایک ملاقات کر لیں کیونکہ اس کے والد بھی ان کے ساتھی بننا چاہتے تھے۔

"انشاءاللہ...... ! میں تمہارا پیغام ابوحسام تک پہنچا دوں گا۔" شرجیل نے کہا۔

"مان جائیں گے کیا وہ......؟" حماد نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ابھی میں اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہوں ظاہر ہے ان کی دانش آگے کے حالات پر نظر رکھنا ہے اور ہم سے زیادہ بہتر انداز میں سوچتے ہیں میرے خیال سے اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو یہ ملاقات ضرور ہو جائے گی۔" شرجیل نے اپنا خیال ظاہر کیا اور حماد مطمئن ہو گیا۔

کوئی بھی ایسا کام نہیں جو تم کرنے کے بعد جب دونوں ہوٹل سے باہر آ رہے تھے تو دونوں کو بھی اس بات کا احساس نہیں تھا کہ المنصور میں اس کے گھر سے اس ہوٹل تک ایک مقامی شخص جو پہلے صدام کی پولیس کا ملازم تھا حماد کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا گو کہ اس نے حماد اور شرجیل کی گفتگو نہیں سنی تھی لیکن یہ رپورٹ اس کے پاس موجود تھی کہ حماد نے ایک نوجوان سے ملاقات کی ہے دونوں نے وہاں بیٹھ کے گفتگو بھی کی ہے تھوڑی دیر بعد یہ رپورٹ کرنل مائیک کی میز پر پہنچ چکی تھی۔

اگلے روز کرنل مائیک نے اسے ملاقات کا پیغام دیا اور معمول کی چیکنگ سے گزرنے کے بعد وہ کرنل مائیک کے سامنے پہنچ گیا پہلے کرنل مائیک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مطلب کی بات پر آتا۔حماد نے خود ہی اسے شرجیل کا غائبانہ تعارف بھی کروا دیا۔

"میرے ساتھ اُردن سے یہ نوجوان یہاں آیا تھا۔ہم وہاں اکٹھے پڑھتے تھے۔بہت دوست ہے میرا اور میرے خیالات کا حامی بھی...... کل میری ملاقات اس سے اچانک ہو گئی تھی...... وہ بھی کچھ کرنا چاہتا ہے میری طرح...... وہ بھی یہ چاہتا ہے آپ کی مدد سے ہم یہاں وہ حالات پیدا کریں جو عراق کو دُنیا کی ممتاز ممالک کی صف میں شامل کر دیں...... وہ بھی میری طرح عراق کو آگے بڑھتا دیکھنا چاہتا ہے...... میری طرح وہ بھی کھلے ذہن کا مالک ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے اس نے کرنل مائیک کی طرف دیکھا۔یہ بات سن کے پہلے تو کرنل مائیک کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور اگلا لمحہ حماد کے لئے نہایت ہی ڈرامائی تھا۔کرنل

مائیک نے اپنے میز کی دراز کھولی اس میں سے ایک تصویر نکالی اور حماد کی طرف بڑھادی۔ حماد نے تصویر کو دیکھا حیرت خوف اور پریشان کے ملے جلے جذبات اس پر غالب آ گئے۔ یہ تصویر دراصل اگلے ہی روز اس کی اور شرجیل کی اس ملاقات کی تھی۔ جو انہوں نے مقامی ہوٹل میں کی تھی اور جہاں دونوں نے آپس میں تبادلۂ خیالات بھی کیا تھا۔

''یہی نوجوان ہے شرجیل......؟'' کرنل مائیک نے دریافت کیا۔

''جی ہاں......! یہی ہے۔''

حماد نے اپنی بگڑتی نفسیاتی کیفیت پر قابو پا کر جواب دیا۔ یہ خوف اندر ہی اندر سے ڈسنے لگا تھا کہ یہ لوگ شرجیل کی اصلیت جانتے ہیں ......؟ اور کیا یہ میری اصلیت بھی جان جائیں گے......؟ فوری طور پر یہ دو بنیادی سوالات تھے جو اس کے دل و دماغ میں کلبلا رہے تھے لیکن کوئی نادیدہ قوت اسے تسلی بھی دے رہی تھی کہ ابھی صورتِ حال بگڑی نہیں اور اس کے قابو میں ہے۔

حماد نے وضاحت طلب نظروں سے کرنل مائیک کی طرف دیکھا۔

''دیکھو حماد......! تم یہ تصویر دیکھ کر حیران یا پریشان نہ ہونا ہمارا یہ طریقہ کار ہے ہم اپنے دُشمنوں اور دوستوں کو کبھی نہیں بھلاتے جب تک وہ زندہ رہیں ہم ان کی نگرانی اور حفاظت کرتے ہیں تم سے ملاقات کے بعد ہم نے تمہاری حفاظت شروع کر دی تھی تم جن لوگوں سے ملو گے جو لوگ تم سے ملیں گے ان سب پر ہماری نظر رہتی ہے یہ تصویر تمہیں یہ بات سمجھانے کے لئے میرے خیال سے کافی ہو لی۔ دیکھو حماد......! ہم ایسے ہرکارے رکھتے ہیں جو ہمیں اس بات سے آگاہ کر دیں کہ تم ہمارے متعلق کیا سوچ رہے ہو کیا کرنا چاہتے ہو اور کیا کرنے جا رہے ہو۔ آخر ہم دنیا پر حکومت کر رہے ہیں ہمیں اپنے مفادات کا خیال تو رکھنا پڑتا ہے ناں۔''

اس نے حماد کو سمجھانے کے انداز میں یہ بات کی تھی لیکن حماد یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ ایک وارننگ ہے جو اسے دی جا رہی ہے جس کے ذریعے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ نہ سمجھے کہ وہ کسی مرحلے پر ان لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔

''مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کرنل صاحب......!'' حماد نے کرنل کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جواب دیا۔

اس نے تیزی سے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا اور اب وہ نارمل انسان کی طرف کرنل مائیک

ے گفتگو کر رہا تھا اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ انہیں شرجیل کی اصلیت کا علم نہیں ہوا اور جیل کی تصویر بالکل اس انداز میں کھینچی گئی ہے جس انداز میں اسے ملنے والے لوگوں کی تصویر کھینچ ر شاید یہ لوگ محفوظ رکھتے ہیں۔ اس کی پریشانی اس بات پر تھی کہ کہیں ابو حسام کے ساتھ ملاقاتیں ان لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔ لیکن ابھی اس سوال کا جواب اس کے پاس ہاں یا ناں دونوں ورتوں میں موجود نہیں تھا۔

وہ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ کرنل اسے کیا پیغام دینا چاہتا ہے لیکن حیرت انگیز طور پر ابھی تک کرنل جیسا گھاگ اور زمانہ ساز انٹیلی جنس افسر حماد کی معصومیت کا سحر توڑنے میں کامیاب نہیں ہوا غا حماد نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ امریکن فوجیوں سے فرار کے وقت شاید ان کے اس شاید شرجیل کا ریکارڈ موجود نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا ذریعہ ہوگا کہ شرجیل کی تصویر یا تعارف اپنے پاس محفوظ رکھ سکے اگر ایسا ہوتا تو اس وقت صورتِ حال بالکل مختلف ہوتی یوں بھی آئے روز عراقیوں کو گھیر کر ایسے ٹرکوں میں بٹھا لیتے تھے جن میں کچھ لوگ بھاگ جاتے تھے، کچھ مارے جاتے تھے کچھ کو امریکن چھوڑ دیتے تھے اور کچھ کو جیلوں میں بند کر دیتے تھے۔ یہ یہاں معمول کی کارروائی تھی ان کا ریکارڈ یا تصویر محفوظ رکھنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا اور وہ یہ بات سمجھ رہا تھا کہ کچھ مخصوص لوگوں کو جو یہ اپنے دہشت گردوں کی فہرست میں پہلے سے شامل کر چکے ہیں ایسے مشکوک لوگوں کی تصاویر بھی امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس محفوظ ہوں گی۔

کرنل مائیک نے اس کے لئے کافی بنانی شروع کر دی تھی یہ اس کا معمول تھا کہ حماد جب بھی اس کے پاس آتا وہ اسے بھرپور پروٹوکول دیتا تھا اور اس کو یہ تاثر دینے کی بہت کوشش کی جاتی تھی کہ اس کی بہت عزت کی جاتی ہے اور یہ لوگ اس کے تعاون کے بہت شکر گزار تھے حماد یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں ان لوگوں کو جس طرح کا تعاون چاہئے، یہ اس کی بہت معمولی قیمت تھی اور اتنی کم قیمت پر کم از کم وہ اپنے آپ کو یا اپنے ملک و قوم کو ان کے ہاتھوں فروخت نہیں کر سکتا تھا۔

''ہمیں بہت خوشی ہو گی۔''

کرنل مائیک نے کافی کا گھونٹ اپنے حلق میں اُنڈیلتے ہوئے حماد سے کہا۔

''دیکھو حماد......! اگر تم ایسے نوجوانوں کا ایک گروپ بنا لو جو سیاسی طور پر ہمارے لئے

مددگار ثابت ہوں تو میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ آنے والی حکومت میں تمہارا اور تمہارے والد دونوں کا حصہ موجود ہوگا۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ عراق میں قائم ہونے والی حکومت تم جیسے آزاد خیال اور لبرل لوگوں پر مشتمل ہو رجعت پسند سخت گیر اور غیر مہذب لوگوں کی حکومت عراقی عوام ایک طویل عرصے سے برداشت کر رہے ہیں لیکن اب وہ اپنے انجام کو بھی پہنچ چکی ہے، اس انجام کی دعوت ہم لوگوں کو نہیں دی تھی ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم پوری دنیا کے تھانیدار بن کے رہیں ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ دُنیا میں امن رہے اور جو لوگ دُنیا کا امن تہہ و بالا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سرکوبی کرنا ایک سپر طاقت کی حیثیت سے ہمارا فرض تھا جو ہمیں ہر صورت ادا کرنا ہے اس فرض کے لئے ہم جو قربانیاں دے رہے ہیں اس پر ہمیں فخر ہے۔'' کرنل مائیک نے آخری بات کہتے ہوئے اپنی گردن کچھ زیادہ ہی اکڑا لی۔

''میں جانتا ہوں کرنل صاحب......!'' حماد نے کہنا شروع کیا۔

''آپ جو کچھ ہمارے لیے کر رہے ہیں اس پر میں ہی نہیں پورے عراق کے عوام آپ کے شکر گزار ہیں۔''

حماد نے اپنی بات مکمل کی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو الفاظ اس کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔یہ اس کی زبان ہے لیکن حالات واقعات نے اس میں اتنی منافقت پیدا کر دی تھی وہ کم از کم اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اس طرح کی زبان بولتا۔عملی زندگی میں وہ منافقانہ رویے کا سخت مخالف تھا اور یہ تربیت اسے اپنے باپ سے ملی تھی۔

''حماد......! اب کچھ کرنے کا وقت آ گیا ہے بہت عرصے تک ہم یہاں نہیں رہیں گے بہرحال ہمیں یہاں سے واپس جانا ہے لیکن جانے سے پہلے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے حالات بہتر ہو جائیں۔یہاں کے لوگ آزادی مسرت اور اپنے نظریات کے مطابق زندگی بسر کریں۔''

کرنل مائیک نے کافی کا خالی کپ ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''شکریہ کرنل صاحب......! آپ شاید یہ بات جانتے ہیں کہ ہم ابھی آپ کی طرح اپنے دوستوں اور دشمنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتے اور عراقی عوام اپنے دوستوں اور دشمنوں کی شناخت

تمیز بھی رکھتے ہیں۔''

اس نے کرنل مائیک سے کہا اور خود بھی ڈر گیا کہ کہیں کرنل مائیک اس بات کا وہ کوئی غلط مطلب نہ لے لے یہ خدشہ اس کے ذہن میں سر اٹھانے لگا تھا۔

کرنل مائیک نے تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اسے ایک پلان سمجھانا شروع کیا۔وہ چاہتا تھا کہ مرحلہ وار حماد اس پلان پر عمل کرے۔اس ضمن میں اس نے حماد کو پیسوں کی طرف سے مطمئن ہونے کی گارنٹی دی تھی اور کہا تھا کہ اگر وہ مثبت نتائج حاصل کر سکتا ہے تو اس کے لیے پیسوں کی کمی کوئی معنی نہیں رکھتی۔انہیں بہرحال اپنی مرضی کے نتائج سے غرض تھی اور نتائج حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ داؤ پر لگانا پڑتا ہے......؟ کیا کچھ لین دین کرنا پڑتا ہے......؟ ان کے لئے یہ کبھی کوئی پرابلم نہیں۔

''ابھی میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی اگر آپ اجازت دیں تو......'' اچانک ہی حماد نے کرنل مائیک سے کہا۔

کرنل مائیک نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں ہاں......! پوچھو......!'' کرنل مائیک نے کہا۔

''کیا میں اپنے والد کو نظر بند سمجھوں یا......؟''

''ارے......! کیسی بات کرتے ہو......؟'' کرنل مائیک نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تم سے کس نے کہہ دیا......؟ تمہارے والد ایک آزاد شہری ہیں وہ اپنی مرضی سے جہاں آئیں جہاں جائیں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔اگر کسی مرحلے پر ہم نے محسوس کیا کہ ان کی خدمات کی ہمیں ضرورت ہے تو ہم تمہارے ذریعے ان سے درخواست ضرور کریں گے اور اسے منظور کرنا یا نہ کرنا بھی ان کی مرضی پر منحصر ہے۔تم جانتے ہو کہ ہم کسی کو زبردستی اپنے کام کے لئے آمادہ نہیں کرتے۔'' کرنل مائیک نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دونوں اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور کرنل مائیک اس کے ساتھ چلتا ہوا پہلی مرتبہ اپنے آفس کے مین گیٹ تک آیا تھا۔یہاں معمول کے مطابق اسی نے گرمجوشی سے حماد کو رخصت کیا اور حماد جیپ میں بیٹھ کر حماد قصر جمہوریہ کے مین گیٹ تک پہنچا پھر وہ معمول کے مطابق ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گیا اس نے یہ بات اپنے لاشعور میں اچھی طرح بٹھالی تھی کہ ہر لمحہ اس کا

تعاقب کیا جاتا ہے اس پر نظر رکھی جاتی ہے اس نے جو کچھ بھی کرنا تھا یہ امکانات ذہن میں رکھ کر کرنا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

شیرازی کی موت کی خبر کرنل مائیک کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ابھی قابض افواج اس قابل نہیں ہوئیں کہ وہ اپنی مرضی کا نظام یا یہاں مسلط کر سکیں یا اپنی مرضی سے یہاں کے معاملات کو چلا سکیں اس کے لئے بہر حال انہیں عوام میں اپنی جگہ بنانی تھی اور عوام میں اپنی جگہ بنانے کا فریضہ کرنل مائیک کو سونپا گیا تھا شیرازی کی موت کی اطلاع پر اس نے کیپٹن سگو کے سامنے بے ساختہ تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا ہوا...... ! اس طرح کی کمیونٹی کو ہم ایک شہید دینے کے قابل ہوئے۔'' کیپٹن سگو کرنل کی اس بات پر حیران رہ گیا۔

''واقعی...... ! یہ شخص شیطانی ذہن کا مالک ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

کرنل مائیک نے اب یہی منصوبہ بنایا تھا اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ شیرازی کی موت کو کس طرح اپنے حق میں کیش کرائے گا اور اس کام کا آغاز اس نے اگلے ہی روز کر دیا جب شیرازی کی موت کے دو دن بعد بغداد کی گلیوں میں شاہراہوں پر بڑے بڑے اشتہار عربی زبان میں دیواروں پر دکھائی دے رہے تھے جن پہ لکھا گیا تھا کہ شیرازی کو دہشتگردوں نے تو اس لیے موت کے گھاٹ اُتارا ہے کہ وہ اپنی کمیونٹی کے لوگوں کی بہتری چاہتا تھا۔ گزشتہ پچاس سال سے ہونے والے مظالم کا حساب کتاب مانگ رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ یہ لوگ عراق کی آئندہ ہونے والی حکومت میں کوئی کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اس اشتہار کی عبارت اتنی زہریلی اور خطرناک تھی جس سے عام شخص کا متاثر ہوئے بغیر رہنا ناممکن تھا اور اس کا ملا جلا اثر بھی ہوا۔

اس کی خبر کرنل مائیک کو دوسرے روز شہر میں پھیلے ہوئے اپنے مخبروں سے مل گئی شہر کے مختلف مقامات پر ہونے والے تبصروں میں کچھ لوگ اگر شیرازی کے مخالف تھے تو بہت سے اس کے حق میں بھی تھے جو اسے مظلوم قرار دے رہے تھے اور بالکل اور واضح طور پر یہ بات کہہ رہے تھے کہ شیرازی کو محض اس لیے قتل کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق فریق مخالف سے تھا۔

کرنل مائیک چاہتا تھا کہ تعصب اور فرقہ واریت کی اس آگ کو پورے عراق میں پھیلا دے اس کا نشانہ خصوصاً عراق کے وہ جنوبی علاقے تھے جہاں شیعہ آبادی کی اکثریت تھی وہ چا

کہ ان علاقوں تک یہ وبا پھیلے اور...... اس طرح کا کوئی تصادم ضرور ہو جائے جس کے بعد وہ آسانی سے اپنے مذموم مقاصد پورے کر سکیں، اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے اسے ہر حال شیرازی جیسے لوگوں کی ضرورت تھی اور اس معاشرے میں اسے بہر حال ایسے لوگ میسر تھے۔ کرنل مائیک شیرازی کے اغوا موت اور اس کے بعد ہونے والی کارروائی سے یہ بات اچھی طرح جان لیا تھا کہ یہ زرقاوی کی ہی حرکت ہے۔ اتنے منظم طریقے سے پروپیگنڈہ کرنا زرقاوی کے علاوہ اور کسی کے بس کی بات نہ تھی کرنل مائیک یہاں صرف سی آئی اے کا ملازم بن کے کام نہیں کر رہا تھا ایک روایتی یہودی گھرانے سے تعلق اسرائیل سے وفاداری اور موساد سے خصوصی تعلق کی بنا پر وہ کئی ایسے کام بھی کرتا تھا جن کا تعلق بظاہر امریکی حکومت سے نہ بھی ہو لیکن جس کے احکامات اسے موساد کے ہیڈکوارٹر سے موصول ہوتے تھے اس کی حیثیت سی آئی اے میں دراصل موساد کے کورنگ ایجنٹ (Covering Agent) کی تھی اور اس کورنگ ایجنٹ کی حیثیت سے اس نے اپنے قدم بہت مضبوطی سے اور بہت اندر تک گاڑ لیئے تھے اسے عراق میں اسرائیل کے مفادات کی جنگ لڑنا تھی اور ایسا راستہ بنانا تھا جس پر چل کر اسرائیل آسانی سے عراق میں داخل ہو جائے اور عراقی تیل پر اسرائیلی قبضے کا پرانا خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے، وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ صدر صدام کا پہلا ٹارگٹ اسرائیل تھا یہ بات اب حقیقت بن چکی تھی کہ یہ سب افسانوی باتیں تھیں اور صدام کی طرف سے سوائے زبانی جمع خرچ اور دعووں کے کوئی عملی کارروائی نہیں کی گئی تھی یا عملی کاروائی کی گئی تو اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی اور جس کا بھرپور جواب اسرائیل کی طرف سے بروقت مل چکا تھا کرنل مائیک نے بھی امریکی صدر کی طرح پہلے یہی گمان کیا تھا کہ امریکی فوج کے لیے موجودہ جنگ ایک آسان پیش قدمی ثابت ہوگی۔ پہلے پہل تو بات کسی حد تک درست نکلی کیونکہ قابض افواج کی عراق میں آمد اور پیشقدمی کے راستے میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں تھی اور واقعی انہوں نے سارے عراق پر اپنا قبضہ مکمل کر لیا لیکن جیسے جیسے امریکی فوج عراق کے اندر داخل ہوئی۔ اب کرنل مائیک اور اس کے ساتھی محسوس کرنے لگے تھے کہ جیسے وہ ایک دلدل میں اندر ہی اندر دھنستے چلے جا رہے ہیں اور اپنے پیچھے کوئی راستہ اور کھڑکی کھلی نہیں چھوڑ رہے جہاں سے تازہ ہوا اندر آ سکے یا انہیں واپسی کا راستہ میسر آ سکے ان کے لئے اب صرف ایک ہی اُمید یہاں باقی رہ گئی تھی کہ کسی طرح عراق کے اندر ایسی رائے عامہ پیدا کر لیں جو ان کے

خیالات کی حامی ہو اور ان کی باعزت واپسی ممکن ہو سکے امریکن نہیں چاہتے تھے کہ عراق م
ویتنام کی تاریخ دہرائی جائے۔

کرنل مائیک کو ابھی بہت کچھ کرنا تھا شیرازی کا اغوا اور قتل اس کے لئے خود دھماکہ خیز صدم
تھا شیرازی جیسے وفادار اور زرخرید غلام اب انہیں عراق میں میسر آئیں گے یا نہیں یہ سوال اسے کبھ
کبھی بہت پریشان کرتا تھا اب تک تو تجربات نے یہ بتایا تھا کہ عراقی لوگ اس سے مخصوص
مفادات کے تحت تو تعاون کرتے ہیں لیکن ایک خاص حد سے آگے جانے پر تیار نہیں ہوتے اب
تک ایسے کئی عراقی ایجنٹ ان کی نظروں میں آئے تھے جنہوں نے امریکیوں سے وعدہ کرنے ک
بعد معاہدے کی کسی حد تک تو پابندی کی لیکن جیسے ہی انہیں موقع ملا وہ جال توڑ کر نکل گئے اب
شام اور اردن کے علاقوں میں کہیں غائب ہو چکے تھے کرنل مائیک کو شیرازی کی موت سے ہو
والے نقصان کا ازالہ کرنا تھا وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسی مثال قائم کرے کہ آئندہ اس طرح ک
واقعات کا اعادہ نہ ہو اور اب وہ اسی پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

* * *

حسین اسی روز اپنے گھر واپس آیا شیرازی کا اغواء اور قتل اس محلے کے لوگوں کے لئے کئی
ظ سے پریشان کن اور چونکا دینے والا تھا کچھ لوگ جو شروع سے شیرازی کے متعلق شک میں تھے
ن کے لئے تو امر باعث اطمینان تھا کہ بالآخر شیرازی اپنے انجام میں پہنچ گیا لیکن وہ لوگ جو
برازی کے وفادار تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ان کے لئے بہتری کے اسباب پیدا کرنے کے
لئے کوشاں ہے وہ اب اس بات کو محسوس کرنے لگے تھے کہ شیرازی کا قتل ایک سازش ہے کیونکہ
ہاں پر عربی زبان میں لگائے گئے اشتہارات جن میں شیرازی کے قتل کو بڑے بھیانک انداز
یں ایک مجرمانہ کارروائی قرار دیتے ہوئے بیان کیا گیا تھا اپنا اثر چھوڑنے لگے تھے۔

حسین اپنے گھر پہنچا تو اس کے ساتھی وہاں موجود تھے انہوں نے معمول کے مطابق حسین کا
یر مقدم کیا۔ ان دونوں کا تعلق بھی ابوحسام ہی کے گروپ سے تھا اور یہ لوگ حسین کے گھر کو محفوظ
سمجھ کر یہاں قیام پذیر تھے۔

"میرے جانے کے بعد صورتِ حال کیسی رہی ......؟" حسین نے ان سے دُعا سلام کے
بعد پہلا سوال یہی کیا۔

"خیریت ہے ابھی۔" اس کے ساتھی نے جواب دیا۔

"ابھی تک سوائے اس کی موت کے اس انداز میں فیصلہ کرنے کے کسی نے کوئی اور بات تو
کہی نہیں۔" اس کے دوسرے ساتھی نے جواب دیا۔

"ہاں ......! لوگ جلدی سے بھول جائیں گے۔" حسین نے بظاہر بڑے مطمئن انداز میں
جواب دیا۔

"ہاں ......! شاید ابھی امریکیوں نے اس بات کا نوٹس نہیں لیا۔" حسین کے ساتھی نے

رائے زنی کی۔

"تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو......؟" حسین نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی تک ہمیں کوئی پوچھنے نہیں آیا نہ ہی اردگرد کے مکانات سے کوئی انکوائری کے لئے آیا ہے تم جانتے ہو کہ اس علاقے میں کوئی ایسی واردات ہوتی ہے تو وہاں امریکن فوجی فوراً پہنچ جاتے ہیں اور اب تو انہوں نے قریباً ہر علاقے میں صدام کی سابق خفیہ پولیس کو بھی متحرک کر دیا ہے انہیں اس سے خاصے وفادار بھی مل گئے ہیں۔" اس کے ساتھی نے کہا۔

"میرے خیال سے ہمیں اس واقعے کو بھول جانا چاہئے۔"

حسین نے انہیں تلقین کی اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ تکریت سے بغداد تک کا سفر اس کے لئے بہت تھکا دینے والا تھا راستے میں اس نے دو تین جگہ رک کر بعض اہم امور انجام دیئے تھے جس کے بعد وہ اب یہاں پہنچا تھا شام ڈھل رہی تھی اور شام کے بعد کرفیو لگ گیا تھا۔ معمول کے مطابق بغداد کے اس نواحی علاقے کے محلے کے لوگ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھروں میں آئے اور اپنی معمول کی زندگی میں مصروف ہو گے لیکن آج خلاف توقع انہیں ایک نئی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ مغرب کی نماز کے خاتمے کے ساتھ ہی اس محلے کی طرف آنے والے تینوں راستوں سے امریکی فوجی محلے کے اندر داخل ہونا شروع ہو گئے۔ یہ لوگ بالکل حالت جنگ میں پیش قدمی کر رہے تھے ان کے آگے بکتر بند گاڑیاں اور ان کے پیچھے جدید ترین اسلحے سے مسلح امریکی فوجی تھے سارے محلے پر اچانک امریکیوں کی آمد سے دہشت طاری ہو گی حسین کو یہ اطلاع اپنے ساتھی سے ملی تھی جو مکان کی اوپری منزل پر کھڑا سامنے راستے سے آنے والے امریکیوں کو اندر داخل ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بھاگتا ہوا وہ نیچے آیا اور اس نے حسین کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"مجھے تو دال میں کچھ کالا دکھائی دے رہا ہے۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں حسین سے کہا۔

حسین کے کان امریکی بکتر گاڑیوں کی آواز سے عرصے سے مانوس ہو چکے تھے اور اس کو ایک ہی لمحے میں ان تمام باتوں کی سمجھ آ گئی جو اس کا ساتھی اس سے کہنا چاہتا تھا اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور اس سے کہا۔

"میرے عزیز......! وہ وقت آ گیا ہے جس کے لئے ہم کافی وقت سے تیاری کر رہے تھے بات اچھی طرح سمجھتے ہو کہ ہمیں آج کے دن کا ہمیشہ سے انتظار رہا ہے جاؤ اور اپنے دوسرے ں کو خبردار کرو ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے اور آخری دم تک مقابلہ کریں گے۔"

"انشاء اللہ......! انشاء اللہ......!" اس کے ساتھی نے جواب دیا اور بھاگتا ہوا اس ے کی طرف چلا گیا یہاں اس کا دوسرا ساتھی کسی کام میں مصروف تھا۔ سارے محلے پر دہشت ی تھی لوگ سہمے ہوئے اپنے گھروں میں سمٹ گئے تھے ماؤں نے اپنے بچوں کو اپنی گود میں چھپا فا اور اپنے گھروں میں موجود ہر اس ممکنہ شے کو آگے پیچھے کر رہے تھے جو امریکیوں کو کسی بھی ج کے شک میں مبتلا کرے اور ان کے متعلق ان کے غصے کو ہوا دینے کا باعث بن سکتی ی۔ یہاں پر ان شیعہ لیڈروں کی تصاویر موجود تھیں جنہوں نے بہت عرصہ پہلے امریکیوں کے ف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا اور اس محلے کے اکثر گھروں میں ان تصاویر کی موجودگی اس بات کو ہر کرنے کے لئے کافی تھی کہ یہ لوگ امریکیوں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں فوری طور ورتوں نے ان تصاویر کو غائب کرنا شروع کر دیا اور مرد آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے ئے ذہنی طور پر تیار ہونے لگے۔

حسین تیزی سے اپنے کمرے کی اس الماری کی طرف بڑھا جسے بہت عرصے سے تالہ لگا ہوا ا اس نے ایک مخصوص چابی سے جو اس کی جیب میں ہمیشہ موجود رہتی تھی تالے کو کھولا اور الماری ں کپڑوں کے نیچے رکھے ہوئے کچھ ڈیٹونیٹر نکال کر انہیں وہاں بیٹھے بیٹھے ٹائمنگ پر لگانے کے ند قریباً بھاگتا ہوا باہر آیا اب وہ مکان کی چار دیواری کے ساتھ پہلے سے مخصوص جگہوں پر ان یٹونیٹرز کو فٹ کر رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ پہلے سے ذہنی طور پر اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا اور شاید وہ آج بھی ان کا منتظر تھا کہ کب وہ دن آئے اور وہ انہیں استعمال کرے۔ ڈیٹونیٹر اپنی جگہ فٹ کرنے کے بعد وہ دوبارہ بھاگتا ہوا اندر آیا یہاں اس کے دونوں ساتھی اپنی اپنی گنیں ہاتھ میں تھامے ہوئے اس کے منتظر تھے اس نے دونوں کو اشاروں سے ان مخصوص پوزیشنوں کی طرف روانہ کر دیا یہاں ان کی موجودگی کا پہلے سے ہی تعین کیا جا چکا تھا دونوں قریباً بھاگتے ہوئے مکان کے دروازے سے لوگ اور سامنے گلی میں آڑ لے کر پہلے سے طے ان جگہوں پر بیٹھ گئے۔ یہاں سے انہیں اس بات کی امید تھی کہ مرنے سے پہلے کم از کم ایک دو

قابض فوجیوں کو ضرور اپنا نشانہ بنالیں گے۔

حسین گھر میں موجود تھا اس نے گھر کو اندر سے تالہ لگا دیا تھا امریکی فوجیوں نے محلے میں داخل ہوتے ہی اپنے ساتھ موجود عراقی مترجم کے ذریعے اپنی گاڑیوں پر لگے سپیکروں کے ذریعے اعلان کرانا شروع کر دیا کہ تمام لوگ اپنے گھروں کے اندر موجود رہیں کوئی شخص ہلنے جلنے کی کوشش نہ کرے اور امریکی فوجی ان تمام گھروں کی تلاشی لیں گے انہیں کچھ مشتبہ لوگوں کی تلاش ہے جنہیں گرفتار کر کے وہ لے جائیں گے انہوں نے سختی سے اس بات کی وارننگ دی تھی کہ جس نے احکامات کی خلاف ورزی کی کوشش کی تو امریکی فوجی اسے موقع پر گولی مار دیں گے۔ اعلان کے خاتمے کے ساتھ ہی چند فوجی بالکل جنگی انداز سے پیش قدمی کرتے ہوئے مکانات میں گھسنے لگے۔ ایسا پانچ فوجیوں پر مشتمل ایسا دستہ اگلے ہی لمحے حسین کے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا جس کی تمام لائٹس آف تھیں۔ دروازہ زور زور سے بجانے پر بھی جب دروازہ نہ کھلا تو ان میں سے ایک نے زور سے دروازے کو ٹھوکر ماری لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بکتر بند گاڑی کے آگے پہلے سے اس مقصد کے لئے لگائے گئے بڑے سے لوہے کے جنگلے کو دروازے دو مرتبہ ٹکرایا اور دروازہ تھوڑی سی اینٹوں سمیت اکھڑ کر زمین پر جا گرا جس کو پھلانگتے ہوئے امریکی دندناتے ہوئے اندر جا گھسے۔

لیکن ابھی بمشکل وہ سنبھل ہی پائے تھے جب برآمدے کی آڑ میں چھپے ہوئے حسین نے ان پر فائرنگ شروع کر دی اس کے سامنے آنے والے دونوں امریکی موقع پر ڈھیر ہوئے جبکہ ان کے ساتھیوں نے فوری طور پر پوزیشنیں سنبھال لیں اور اب وہ ان مقامات پر فائرنگ کر رہے تھے جہاں سے ان پر گولیاں برسائی جارہی تھیں بمشکل دو منٹ تک ان کا مقابلہ کرنے کے بعد حسین جام شہادت نوش کر چکا تھا امریکن فوجیوں کی آٹومیٹک گنوں سے نکلنے والی درجنوں گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو چکی تھیں۔ اسے بمشکل کلمہ پڑھنے کی مہلت نصیب ہوئی تھی۔ حسین کی موت سے مطمئن ہونے کے بعد امریکیوں نے بہت جارحانہ انداز میں گھر کی تلاشی لینی شروع کی۔ اب ان کے کچھ اور ساتھی بھی ان کی مدد کے لئے گھر میں گھس آتے تھے۔ پندرہ بیس مرلے کے اس پرانے گھر کے دروازے کے سامنے ایک امریکن بکتر بند گاڑی کھڑی تھی اور مکان کے صحن میں امریکن فوجی پوزیشنیں لئے بیٹھے تھے جب انہیں اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ اب مزاحمت دم توڑ چکی ہے

تو وہ مکان کے کمروں میں گھس گئے اور ان کی تلاشی لینی شروع کی، ابھی انہیں کام شروع کئے چار یا پانچ منٹ ہوئے تھے جب ٹائم پہ لگائے گئے ڈیٹونیٹر ایک ایک کر کے پھٹنے لگے اور وہاں ایک قیامت صغریٰ برپا ہو گئی اندر موجود قریباً بارہ امریکی فوجیوں میں سے تین چار موقع پر ہی ڈھیر ہو گئے جبکہ باقی شدید زخمی ہونے کی بعد کراہنے لگے تھے اور اپنے ساتھیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رہے تھے دوسری طرف حسین کے دونوں ساتھی بمشکل دو دو امریکیوں کو شکار کرنے کے بعد ان کی گولیوں کا نشانہ بن کر زندگی کا مقصد حاصل کر چکے تھے اور ان کی لاشوں کو ٹھوکریں مار کر قابض فوجی اپنا غصہ نکال رہے تھے۔

حسین اور اس کے ساتھیوں کی مزاحمت نے انہیں خاصا چوکنا کر دیا تھا اور اب وہ بڑے محتاط ہو کر بہت جارحانہ انداز میں تمام مکانوں پر یلغار کر رہے تھے انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ یہاں اور بھی دہشت گرد چھپے ہوئے ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ ہر مکان میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ کھلنے میں معمولی سے دیر ہونے پر بھی گولیاں برسانی شروع کر دیئے۔

اس فائرنگ سے غصے میں آنے والے تین چار نوجوان امریکی فوجیوں کی گولیاں کا شکار ہو چکے تھے یہ وہ نوجوان تھے جو چیختے چلاتے ہوئے یہ کہہ کر اپنے گھروں سے باہر نکل رہے تھے کہ فائرنگ بند کرو فائرنگ بند کرو لیکن امریکی ان کی بات سننے کے بجائے انہیں دہشت گرد سمجھ کر ان پر فائرنگ کر کے اپنے ساتھیوں کی موت کا غصہ اُتار رہے تھے یہ غصہ جلد ہی اُتر گیا جب مزاحمت مکمل بند ہو گئی اور امریکیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا جن لوگوں کو اب وہ مار رہے ہیں وہ دہشتگرد نہیں ہیں بلکہ مقامی شہری ہیں جو خوفزدہ ہو کر مکانوں کے باہر آ کر منت سماجت کر کے فائرنگ روکنے کی التجا کر رہے تھے۔ امریکیوں نے گھروں کی تلاشی لینی شروع کی تو حسین کا گھر ان کا ٹارگٹ تھا جیسے ہی حسین کے گھر میں دھماکوں کا سلسلہ ختم ہوا ایک بکتر بند گاڑی میں موجود امریکن سپیشل فورس کے ایک کیپٹن نے اپنے وائرلیس پر کیپٹن سگو کو جو محلے کے باہر ایک محفوظ مقام پر تھا۔ بکتر بند گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا یہاں ہونے والی مزاحمت اور تباہی کی رپورٹ دی جس کے بعد کیپٹن سگو تقریباً بھاگتا ہوا مکان تک آیا اور اب وہ اندر داخل ہو کر حسین اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کو شناخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور گلی کے دوسرے کونے میں موجود اس کے دونوں ساتھیوں کی تصویریں اتاریں اور اس کے بعد حسین کے کمرے میں موجود ہر قابل ذکر چیز اُٹھا کر

ایک ٹرک میں رکھی اور وہ ٹرک لے کر اپنے ہیڈکوارٹر کی طرف کرنل مائیک کو رپورٹ دینے کے لئے روانہ ہو گیا۔

کرنل مائیک بے چینی سے اس کا منتظر تھا اسے اس بات پر بہت افسوس ہو رہا تھا کہ حسین مارا گیا ہے وہ چاہتا تھا کہ حسین کو زندہ گرفتار کرے کیونکہ حسین ان کے پاس ایک ایسا واحد کلیو تھا جس کے ذریعے وہ دہشت گردوں کے کئی ٹھکانوں تک پہنچ سکتے تھے۔ حسین کے متعلق انہیں اس علاقے میں موجود ایک مخبر کے ذریعے اطلاع ملی تھی جس نے انہیں بتایا کہ آخری مرتبہ شیرازی نے حسین سے ملاقات کی تھی کیونکہ یہ مخبر شیرازی کا ایک پہریدار تھا جو اسی محلے میں رہتا تھا اور امریکیوں کے لئے کام کرتا تھا اس نے کرنل مائیک کو صرف یہ اطلاع دی تھی کہ حسین نامی ایک نوجوان اس سے ملنے کے لئے آیا تھا جس کی دعوت پر شیرازی کے گھر گیا تھا گو کہ شیرازی نے اس کی اطلاع نہیں دی تھی لیکن اپنی تربیت کے مطابق اور کرنل مائیک کی طرف سے ملنے والے احکامات کے مطابق اس نے شیرازی کا پیچھا حسین کے گھر تک کیا تھا جس کے بعد اس نے کرنل مائیک کو یہ اطلاع دی تھی کہ شیرازی حسین کے گھر گیا تھا۔ شیرازی کی موت کے بعد اپنے مخبروں کے ذریعے اس گھر کی نگرانی کرواتے رہے یہاں سے حسین غائب تھا انہیں اس بات کا انتظار تھا کہ حسین واپس آئے اور وہ اسے گرفتار کریں اور حسین واپس آیا تو امریکیوں کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ حسین کا تعلق ضرور دہشت گردوں کے اس گروہ سے ہے جو امریکیوں کے خلاف مزاحمت کر رہا ہے اور امریکی اس گروپ کے ذریعے ہی ان کے سرخیل تک پہنچنا چاہتے تھے لیکن ابتدا ہی میں ہونے والی ناکامی نے کرنل مائیک کو جھنجھلا کر رکھ دیا تھا۔

کیپٹن سگو جیسے ہی مخصوص کمرے میں داخل ہوا کرنل مائیک غصے سے کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔

"کیسے احمق لوگ ہیں یہ......؟" اس نے غصے سے ایک ہاتھ دوسرے پر مارتے ہوئے کیپٹن سگو کے بولنے سے پہلے کہا۔

"سر......! میں نے تو بڑی سختی سے ان لوگوں کو اس بات کی تلقین کی تھی کہ ہمیں ملزموں کو زندہ گرفتار کرنا ہے۔" کیپٹن سگو نے کہا۔

* * *

"لیکن یہ سب ہوا کیسے......؟" کرنل مائیک نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ا۔

"تم کہاں تھے......؟"

"سر......! میں آپ کی ہدایت کی مطابق کچھ فاصلے پر دوسری بکتر بند گاڑی میں بیٹھا پریشن کی نگرانی کر رہا تھا۔" سگو نے نظریں جھکاتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"جھک مار رہے تھے تم......؟" کرنل مائیک غصے سے جذباتی ہو رہا تھا۔

"کیا کر رہے تھے تم وہاں بیٹھ کے......؟ کیا تم اپنے سولجرز کو نہیں جانتے......؟ کیا تمہیں علم یں معمولی مزاحمت پر بھی وہ اپنے خلاف جنگ سمجھ لیتے ہیں......؟ اور فوری فائرنگ شروع کر یتے ہیں۔ کون ہے ان کا اوسی......؟ (Officer Commanding)۔" کرنل مائیک کا نصہ اپنے عروج کو چھو رہا تھا۔

کیپٹن سگو کے لئے یہ صورتِ حال بڑی تکلیف دہ تھی۔ وہ ایک پروفیشنل فوجی افسر تھا اور ب تک امریکی فوج کے ساتھ کئی ممالک میں فرائض انجام دے چکا تھا اور اسے اس بات سے بڑی تکلیف پہنچتی تھی کہ اس کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں پر شک کیا جائے۔

"سر......! میں نے آپ کے احکامات کی تعمیل کی ہے۔ جو کچھ بھی ہوا اچانک اور ناقابل یقین تھا۔" کیپٹن سگو نے اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا۔

"دیکھو کیپٹن......!" حیرت انگیز طور پر بدلے ہوئے لہجے میں کرنل مائیک اس سے مخاطب تھا۔

"میرے لئے یہ باتیں اہمیت نہیں رکھتیں کہ تم کتنے پیشہ ور فوجی ہو۔ تم نے ماضی میں کیا

کارنامے انجام دیئے یا جو لوگ تمہارے ساتھ گئے وہ کس اہلیت کے مالک تھے۔ مجھے اپنے احکامات کی تعمیل اس طرح چاہئے جس طرح میں یہ احکامات جاری کرتا ہوں۔ میری بات سمجھ گئے ہوناں......؟ مار دھاڑ کرنے والے فوجیوں اور ہمارے درمیان یہی فرق ہے کیپٹن......! وہ لوگ وہاں مرنے اور مارنے کے لئے جاتے ہیں، ہمیں اپنی تربیت کے مطابق کام کرنا ہے۔ ان لوگوں کے مطابق کام نہیں کرنا۔ میں نے تمہیں اس بات کی ہدایت کی تھی کہ بکتر بند گاڑی میں تم خود اسے گرفتار کرنے کے لئے جاؤ گے اور تم مجھے بتا رہے ہو کہ ایک محفوظ جگہ پہ بیٹھ کے اس کی گرفتاری کا انتظار کر رہے تھے۔" کرنل مائیک نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"سر......! میں بے قصور ہوں۔" کیپٹن سکو نے اپنی صفائی پیش کی۔

"میں ملزم نہیں ہوں یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرا ماضی کھلی کتاب کی طرح آپ پر عیاں ہے۔ لیکن جب آپ کسی کمانڈ میں جاتے ہیں تو وہاں کے او سی (Officer Commanding) کے حکم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے ایک مخصوص مقام سے آگے مجھے لے جانے سے انکار کر دیا تھا اور او سی نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس جگہ سے آگے میں اگلے حکم تک نہیں ہلوں گا۔ میرے لئے مقامی کمانڈر کے حکم کی پابندی لازم ہے سر......! میں ایک پیشہ ور فوجی ہوں اور مجھے یہی تربیت دی گئی ہے کہ مجھے مقامی کمانڈر کے احکامات کا پابند رہنا پڑے گا۔" کیپٹن سکو نے کرنل مائیک کو اپنی صفائی دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے......! ٹھیک ہے......! میرے خیال سے آئندہ اس نوعیت کے آپریشن کے لئے ہمیں اپنی فوج کو زحمت نہیں دینا چاہئے بلکہ میں اپنی سپیشل فورس کو اس کے لئے استعمال کروں گا۔"

کرنل مائیک قریباً اپنے آپ سے بڑبڑاتے ہوئے باتیں کرتا ہوا اس بغلی دروازے کی طرف جا رہا تھا جسے کھولتے ہوئے وہ کمرے میں چلا گیا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ حسین کے گھر سے کیا برآمد ہوا ہے۔ جب بڑا مجرم ہی اس کے قبضے میں نہیں آسکا اس کی چیزوں سے کیا لینا دینا۔ اب اسے نئی اور اگلی حکمت عملی تیار کرنی تھی۔

///

صالحہ اور شرجیل ایک ٹیکسی میں سوار المنصور کی طرف آئے تھے۔ حماد کے گھر سے کچھ فاصلے پر مسجد کے نزدیک وہ ٹیکسی سے اتر گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت قریباً ختم ہو رہا تھا اور مسجد خالی تھی۔ دونوں مسجد میں چلے گئے اور دونوں نے الگ الگ نماز ادا کی کیونکہ وہ سفر میں نماز ادا نہیں کر سکے تھے۔ اس کے بعد دونوں پیدل حماد کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صالحہ اور شرجیل دونوں بڑی محتاط نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ یہاں کچھ خفیہ آنکھیں ان کی نگرانی کر رہی ہیں لیکن ابھی تک انہیں کوئی ایسی شکل دکھائی نہیں پڑی تھی البتہ تین چار لوگ مختلف انداز میں ان کے دائیں بائیں سے گزرے ضرور تھے۔ یہ تمام عراقی تھے اور یہ بات دونوں جانتے تھے کہ ایسے کام امریکی خود نہیں کرتے کیونکہ امریکیوں کے لئے بغداد کی سڑکیں ابھی اتنی محفوظ نہیں ہوئیں کہ وہ اپنی مرضی سے سفر کر سکیں۔ ان کی زندگی ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور ان کے اپنے دفاتر تک محدود تھی یا پھر ان دو پوسٹوں تک جہاں وہ پہرہ دیا کرتے تھے۔

جو لوگ پٹرولنگ کی ڈیوٹی پر نکلتے تھے وہ بھی اپنے گرد آہنی حصار باندھ کے چلتے تھے۔ آتش و آہن کے ساتھ پٹرولنگ کرتے تھے کیونکہ ایسے کئی قلعے ان کی آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو چکے تھے۔ بغداد میں خودکش حملوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور کرنل مائیک کو یقین تھا کہ ان حملوں کی پشت پناہی زرقاوی کر رہا ہے اور زرقاوی ہی ان کے نزدیک اب خطرناک دہشت گرد تھا جو ان کے لئے مختلف نوعیت کے مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ وہ یہ بات سمجھتے تھے کہ عراق میں اگر مزاحمت کی سکت ہوتی تو صدام کی فوج ان کا کسی حد تک تو مقابل کرتی لیکن اب امریکنوں کو اس بات کی سمجھ بھی آنے لگی تھی کہ صدام کے ساتھی فوجی جو اپنا اسلحہ چھپانے میں کامیاب ہو گئے تھے ان دہشت گردوں کے ساتھی بن چکے ہیں جو امریکی فوجیوں کے لئے مستقل دردِ سر بن چکے تھے۔

صالحہ اور شرجیل اب المصور کے اس شاندار بنگلے کے سامنے کھڑے تھے جو چاروں اطراف سے درختوں میں گھرا ہوا تھا اور اس کے دروازے کے باہر کرنل واحد کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے کال بیل کا بٹن دبایا تو اندر سے شعبان برآمد ہوا۔ شعبان نے ان سے کچھ کہے سنے بغیر مین گیٹ کھول دیا اور انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ایک دوسرے کی سلامتی پوچھنے کے بعد شرجیل نے اپنا تعارف حماد کے دوست کی حیثیت سے کروایا اور اسے بتایا کہ وہ حماد سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس نے دوسرے کمرے میں حماد کو اطلاع دی جو وہاں کسی کام میں مصروف تھا۔ حماد کے لئے دونوں کی اچانک آمد خوشی اور حیرت کا باعث تھی۔ وہ قریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے سے ڈرائنگ روم تک پہنچا اور شرجیل سے لپٹ گیا۔

"اللہ کا شکر ہے......! تم لوگ آ گئے۔" اس نے دونوں کی باری باری سلامتی اور خیر کی دُعاؤں سے نوازتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے تم کھانے کا تکلف نہ کرنا ہم نے راستے سے کھانا کھا لیا تھا البتہ ہم فوری طور پہ قہوے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔"

صالحہ نے شعبان کی طرف دیکھتے ہوئے حماد سے کہا تھا۔ حماد اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ حماد نے مسکراتے ہوئے شعبان کو باہر جانے کی تلقین کی اور قہوے کے ساتھ کچھ کھجوریں لانے کے لئے بھی کہا۔

"کرنل صاحب گھر پر ہیں......؟" صالحہ نے حماد سے اگلا سوال کیا۔

"ابو آج ہی گھر سے نکلے ہیں اپنے دوستوں اور محلے داروں سے ملاقات کے لئے۔ ابھی تک تو وہ گھر میں موجود تھے لیکن گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہونے لگے تھے اور آج میرے روکنے کے باوجود وہ گھر سے چلے گئے ہیں شاید اب کسی دوست کے پاس بیٹھے گپ شپ کر رہے ہوں۔" حماد نے بتایا۔

"ٹھیک ہے......! میں نے یونہی پوچھ لیا تھا۔" صالحہ نے جواب دیا۔

"اگر آپ کہیں تو میں انہیں بلوا سکتا ہوں......؟" حماد نے پیش کش کی۔

"نہیں......! ابھی اس کی ضرورت نہیں۔" شرجیل نے جواب دیا۔

"ہاں......! اور کیسی رہی کرنل مائیک سے ملاقات......؟" صالحہ نے اگلا سوال پوچھا اور

جواب میں حماد نے کرنل مائیک سے ملاقات کی بلاکم و کاست تمام کہانی سنا دی جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ کرنل مائیک نے شرجیل اور اس کی ملاقات کی تصویر نکال کے اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

"میرے لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں حماد۔" صالحہ نے کہا۔

"اس نے دراصل تم پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے یہ حربہ استعمال کیا۔ آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے شہر میں مخبروں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ یہ وہی بے ضمیر اور بے غیرت لوگ ہیں جو اس سے پہلے صدام کی غلامی کرتے تھے اور اب امریکنوں کی غلامی کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ ان کا آقا کون ہے......؟ ان کو صرف اپنے مفادات سے غرض ہے۔ یہ مفادات کے بندے ہیں جو اس طرح کے گھٹیا کاموں میں ملوث ہیں لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ میرے خیال سے یہ سوائے ایک اتفاقیہ حادثے کے اور کچھ بھی نہیں۔ دیکھو حماد......! اگر ان لوگوں کو اس بات کا شک ہوتا کہ شرجیل ہمارا ساتھی ہے یا ان کی نظروں میں مشتبہ ہے تو تم قصر جمہوریہ سے اپنے گھر تک زندہ واپس نہیں آ سکتے تھے۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" صالحہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"لیکن...... یہ بھی تو ممکن ہے کہ کرنل مائیک میرے ذریعے آپ لوگوں تک پہنچنا چاہتا ہو......؟" حماد نے سوالیہ انداز میں صالحہ اور شرجیل کی طرف دیکھا۔

"ہاں......! اس کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔" شرجیل نے اپنی رائے پیش کی۔

"لیکن ایسا ممکن نہیں...... انشاء اللہ......! ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔" صالحہ نے پُر تلقین لہجے میں جواب دیا۔ جتنے اعتماد سے وہ بات کرتی تھی اس کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی تھی کہ اس معاملے میں کوئی شکوک و شبہات کسی کے ذہن میں رہ جائیں۔

حماد نے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ جب صالحہ جیسی بغداد کی بیٹیاں قابض افواج کے خلاف سرگرم عمل ہو جائیں تو پھر زیادہ دیر تک قابض فوج کا یہاں رکنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے لئے یہ حیرت اور خوشی کی بات تھی کہ ابھی اس کی قوم میں غیرت ملی اور غیرت ایمانی کی اتنی رمق باقی ہے کہ اس زمین پر صالحہ جیسی مسلمان لڑکیاں بھی موجود ہیں۔

"تم اگلی بار کرنل مائیک سے کب مل رہے ہو......؟" شرجیل نے اگلا سوال کیا۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اب وہ خود مجھ سے رابطہ کرے گا۔ بہت چالاک لوگ ہیں صرف اتنی بات کرتے ہیں جو ان کے لئے ضروری ہو اور اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مجھے موقع دیں کہ میں اُن سے ملوں۔" حماد نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"ہاں......! شروع شروع میں ایسا ہوتا ہے لیکن جلد ہی ایسا موقع آجائے گا جب تم بے تکلفی سے ان سے مل سکو گے۔ فی الوقت تم اس سے میرا تعارف بھی کراؤ گے اور میں شرجیل کے ایک آزاد خیال دوست کی حیثیت سے اس سے ملاقات کروں گی۔ تم اسے یہ بتاؤ گے کہ میں بھی تمہاری طرح لبرل اور آزاد خیال ہوں۔ میں بھی عراق میں جلد از جلد ایسی حکومت دیکھنا چاہتی ہوں جو عراق کو آزاد اور لبرل لوگوں کا ملک بنا دے۔ تم اسے کہہ سکتے ہو کہ میں مغربی تہذیب کی دلدادہ ہوں اور میں ایسا ہی روپ اختیار کرنے کی کوشش بھی کروں گی۔" صالحہ نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہ جانے کیوں حماد کو اس کی اس بات سے دُکھ سا ہوا۔ لیکن اس نے اپنے جذبات چھپا لیے اور مسکرا کر رہ گیا۔

"میرے دوست......! تم پریشان نہ ہونا...... ہماری یہ بہن مردوں سے بہت زیادہ مضبوط اور ہماری توقعات سے بڑھ کر مجاہدہ ہے۔" شرجیل نے حماد سے کہا۔

"لیکن...... بہر حال...... وہ...... غیر ملکی لوگ......" حماد کی ہچکچاہٹ بڑھ رہی تھی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟" صالحہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"وہ کوئی بھی ہوں دُشمن اپنے بھی ہوتے ہیں اور غیر بھی، جن لوگوں نے حسین کی مخبری کی وہ کیا امریکہ سے آئے تھے، جس مخبر نے تمہاری تصاویر اتاریں وہ کیا امریکہ سے یہاں آیا ہے اور وہ لوگ جو ہمارے ساتھیوں کے ٹھکانوں تک انہیں پہنچاتے ہیں جو ان کے ساتھ مترجم کے فرائض انجام دیتے ہیں جو ان کی خدمت پر مامور ہیں جو ان کے لئے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ کون ہیں......؟ ان سے تعاون کرنے والے سب عراقی ہی ہیں...... سب مسلمان ہی ہیں اپنی اپنی مجبوریاں ہیں...... اپنی اپنی مصلحتیں ہیں...... خدا جانے یہ مصلحت کوشی کب ختم ہوگی......؟ اللہ جانے ہمیں کب اس بات کا احساس ہوگا کہ ہم اپنے اور دُشمن کی تمیز کیے بغیر اس معرکے کو سر نہیں کر سکتے......؟" صالحہ نے تاسف بھرے انداز میں اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کے حوصلے کی داد دیتا ہوں صالحہ......!" حماد اس سے بہت متاثر نظر آرہا تھا۔

"اب اگلے ایک دو روز میں وہ تم سے ملاقات کرے گا۔ امریکیوں کو دو تین بڑے دھچکے لگ چکے ہیں اور نئی حکمت کے ساتھ میدان میں اُتریں گے۔" شرجیل نے اپنی رائے ظاہر کی۔

■ ■ ■

شعبان قہوہ اور کھجوریں لے آیا تھا۔ تینوں آپس میں گفتگو کرتے ہوئے اگلے حالات کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ صالحہ کے ذریعے اسے اس بات کا علم ہوا تھا کہ انہوں نے پانچ ایسے ساتھی پیدا کر لیے ہیں جو کرنل مائیک کی توقعات پہ بالکل پورا اتریں گے اور حماد کی پوزیشن بھی کرنل مائیک کی نظروں میں مستحکم ہو جائے گی۔ اب اسے کرنل مائیک کے اگلے حکم کا انتظار تھا۔ اس نے صالحہ اور شرجیل کو تلقین کی تھی وہ چاہتا تھا کہ رات کا کھانا وہ اس کے ساتھ ہی کھائیں لیکن دونوں شاید یہاں کوئی اور فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے حماد سے معذرت کی۔ صالحہ نے حماد کو نزدیکی آبادی ارادہ کے ایک گھر کا ایڈریس دے کر یہ کہا تھا کہ وہ جب کرنل مائیک سے ملاقات کرے اسے یہی بات بتائیں کہ اس کے دوست یہاں اسی ایڈریس پہ مل سکتے ہیں۔

شرجیل اور صالحہ دونوں کا قیام بھی یہیں پر ہوگا۔ اس نے حماد سے کہا تھا کہ وہ جب بھی چاہے ان سے اس ایڈریس پہ رابطہ کر سکتا ہے۔ حماد اس بات سے قدرے مطمئن ہو گیا تھا کیوں کہ اب تک اسے یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ کرنل مائیک نے اگر ان کا کوئی رابطہ ایڈریس مانگا تو اسے کیا جواب دے گا۔

"خدا کا شکر ہے......! میں تو کچھ پریشان تھا اس سلسلے میں۔" حماد نے بالآخر دوسری بات کہہ دی۔

"اور ہم نے تمہاری پریشانی دُور کر دی۔" صالحہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکریہ......! شکریہ......!" حماد نے جواب دیا۔

دونوں کی روانگی کے کچھ دیر بعد ہی کرنل واحد اپنے دوستوں سے مل کر گھر واپس آ گئے۔

"کون تھے یہ لوگ......؟" انہوں نے اپنے بیٹے سے دریافت کیا۔

"ہمارے ساتھی۔" حماد نے مختصر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے......!" کرنل واحد نے کہا۔

"اگر مناسب سمجھو تو ان سے میری ملاقات بھی کرا دو۔" کرنل واحد نے حماد سے کہا۔

"میں نے کہا تھا لیکن وہ رکے نہیں۔ کچھ اور ضروری کام بھی انہوں نے کرنے تھے۔ وہ آپ سے ضرور ملیں گے...... ابو......! وہ جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں......؟" حماد نے کہا۔

حماد کی توقعات کے عین مطابق اگلے ہی روز کرنل مائیک کی طرف سے اسے ملاقات کا پیغام مل گیا۔ ایک ٹیکسی اسے لینے کے لئے اس کے گھر آئی تھی۔ اس ٹیکسی میں بیٹھ کر ہی وہ قصر جمہوریہ پہنچا۔ یہاں معمول کے مراحل طے کر کے اب وہ کرنل مائیک سے ملاقات کر رہا تھا۔ اس مرتبہ کرنل مائیک ایک دوسرے کمرے میں اس سے ملا تھا اور یہاں کیپٹن سگو بھی اس کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ کرنل مائیک بالکل اکیلا اور قدرے تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے رات...... ساری رات وہ ڈھنگ کی نیند نہیں سو پایا تھا یا پھر زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔

"آؤ آؤ حماد کیسے ہو......؟" اس نے حماد کی شکل پہ نظر پڑتے ہی معمول کے مطابق خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔

"اللہ کا شکر ہے......! بہت اچھا ہوں اور آپ کے لئے بہت اچھی خبر بھی لایا ہوں۔" حماد نے جواب دیا۔

"اچھا......! وہ کیا......؟" کرنل مائیک نے اسے سامنے چھوٹے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود اس کے سامنے کا صوفہ سنبھال کے بیٹھ گیا۔ اس نے صوفے کی پشت پر رکھی کال بیل کا بٹن دبایا اور تھوڑی دیر بعد ایک مودب امریکن خاتون لیفٹیننٹ اس کے سامنے موجود تھی۔

"ہمارے دوست کے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔" اس نے خاتون سے کہا جو مسکراتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔ اس وقت حماد کا جی چاہا کہ کرنل مائیک سے کیپٹن سگو کے متعلق دریافت کرے کہ وہ آج کیوں دکھائی نہیں دے رہا کیونکہ عموماً یہ فرائض اس سے پہلے کیپٹن سگو ہی ادا کیا کرتا تھا اور بڑی خوش اسلوبی اور خوش دلی سے حماد سے ملتا بھی تھا۔ اب وہ حماد سے خاصا بے

کلف بھی ہو گیا تھا۔ حماد بھی اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر لیا کرتا تھا لیکن اس نے جان بوجھ کر یہ وال نہ کیا کیوں کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کسی سوال یا حرکت سے کرنل مائیک اس کے متعلق ک میں مبتلا ہو۔

"ہاں......! تو تم کیا کہہ رہے تھے......؟" کرنل مائیک نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"شرجیل اپنی ایک گرل فرینڈ کے ساتھ میرے گھر آیا تھا۔ کل...... کل شام ہی بہت بہادر ور سمجھدار لڑکی لگتی تھی مجھے۔ میں تو اس سے پہلی مرتبہ ملا ہوں۔" حماد نے کرنل مائیک کو اطلاع دی و پہلو بدل کر اب اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا......؟" کرنل مائیک نے پوچھا۔

"صالحہ......! صالحہ خاتون نام ہے اس کا...... بڑی پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہے۔ اس نے تو مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ یونیورسٹی میں بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہی خیالات رکھتی ہیں جن کی آپ کو تلاش ہے۔" حماد نے کرنل مائیک کو خوش کرنے کے لئے کہا۔

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟ ہمیں تو اس بات کا علم ہے۔ دیکھو حماد......! آج کی دُنیا سیٹلائٹ کی دُنیا ہے۔ اب ہم کسی سے کچھ چھپا نہیں سکتے۔ دُنیا میں اب کوئی ایسا پردہ نہیں رہ گیا جس کے پار چھپی ہوئی چیزیں ہم نہ دیکھ سکیں۔ اب تو ٹی وی سکرینوں پر دُنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ایک گلوبل ولیج بن کر رہ گئی ہے اور لوگ یہ خاص طور سے دُنیا بھر کے نوجوان خصوصاً مسلمان نوجوان یہ بات اچھی طرح جاننے لگے ہیں کہ ان کو دھوکے میں رکھا گیا تھا...... انہیں غلط بتایا گیا تھا...... انہیں ہمارے متعلق غلط اطلاعات دی گئی تھیں۔ اب انہیں اچھائی اور برائی کا علم اور احساس ہونے لگا ہے حماد......! تم ہمت کرو اور ان سب لوگوں کو اپنے گرد جمع کرو...... اپنی ایک جماعت بناؤ...... ایک پروگریسو پارٹی بناؤ...... معاشرے میں پھیل جاؤ...... لوگوں تک پہنچو...... انہیں یہ بتاؤ کہ تمہاری نجات ایٹمی اسلحہ بنانے یا فوجیں کھڑی کرنے میں نہیں، عراق کے عوام کو سڑکیں چاہئیں...... گھر چاہئیں...... پینے کا پانی...... کھانے کو روٹی چاہئے...... تعلیم چاہئے اور اچھا مستقبل چاہئے۔ یہی تمہارے نعرے ہونے چاہئیں۔ لوگوں کو یہی بتاؤ...... انہیں اس دلدل سے نکالو حماد......! ورنہ تمہاری قوم ایسی گہری تاریک غار میں داخل ہو جائے گی کہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ بھی اسے دکھائی نہیں دے گا۔" کرنل مائیک بڑے جوشیلے انداز

میں اسے سمجھا رہا تھا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کی باتیں میرے دل کو بہت لگتی ہیں۔" حماد نے کہا۔

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟" کرنل مائیک نے کہا۔

"لیکن آپ یہ بات بھی جانتے ہیں کہ ابھی تک صدام کے ساتھی اس شہر میں موجود ہیں۔ یہ لوگ جو دہشت گردی کر رہے ہیں آپ جانتے ہیں ناں انہیں۔ میرے خیال میں تو یہی وہی ہوں گے صدام کے ساتھی۔ یہ لوگ ہمارا وجود کیسے برداشت کریں گے۔ وہ تو ہمیں مارنے کے لئے دوڑیں گے...... ہمیں مار ڈالیں گے۔ یہی شک صالحہ ظاہر کر رہی تھی اسی شبہے میں شرجیل مبتلا ہے۔" اس نے کرنل مائیک سے کہا۔

"بے فکر ہو جاؤ۔ کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ تمہیں اسلحہ دیں گے، تمہیں تربیت دیں گے۔ ہم تمہیں پہلے کیمونی کیشن (Communication) کے بہترین ذرائع فراہم کریں گے۔ پیسہ دیں گے ایک اچھے مقصد کے لئے یہ سب ہم تمہیں ایک اچھے مقصد کے لئے دیں گے۔ تم صبح سے ہی اپنا کام شروع کرو میں تمہاری ملاقات ابھی لیفٹیننٹ مارتھا سے کرواتا ہوں...... مارتھا پولیٹیکل سائنس کی سٹوڈنٹ ہے۔ اس نے پولیٹیکل سائنس میں ماسٹرز کیا ہے اور تاریخ سے اس کا گہرا شغف ہے۔ تم اس سے مل کے بہت خوش ہو گے۔ مارتھا تمہاری رہنمائی کرے گی وہ تمہیں بتائے گی کہ نئی لبرل اور پروگریسو پارٹی کیسے بناؤ گے۔ وہ تمہیں بتائے گی کہ تم لوگوں کو کس طرح اپروچ کرو گے۔ ان تک کس طرح پہنچو گے اور تمہیں تمام وسائل مہیا کرنے کی پابند ہو گی۔" کرنل مائیک نے حماد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بالکل......! بالکل آپ مجھے اس سے ملائیے۔" حماد کو اپنی اداکاری پر خود ہی رشک آنے لگا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ ایسا کامیاب ایکٹر بنے گا۔ قدرت نے اسے امریکنوں سے وسائل کیمونی کیشن کے آلات اور اسلحہ حاصل کرنے کا جو بہترین موقع فراہم کیا تھا وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان سب چیزوں کی اس کے ساتھیوں کو بہت ضرورت ہے۔

"ٹھیک ہے......! میں ابھی بلاتا ہوں اسے۔" کرنل مائیک نے یہ کہہ کر اپنی کرسی کے

دائیں چھوٹی تپائی پہ رکھا انٹر کام اٹھایا اور اس کا ایک بٹن دبا کر لیفٹیننٹ مارتھا کو اپنے پاس بلایا۔

مارتھا اسی نوجوان لڑکی کا نام تھا جو تھوڑی دیر پہلے ان کے لئے کافی اور لوازمات لے کر آئی تھی۔

"آؤ......! ہمارے ساتھ بیٹھ کر کافی پیئو۔" اس نے مارتھا کو اشارے سے حماد کے پاس بیٹھنے کو کہا۔ مارتھا حماد کے اتنا نزدیک بیٹھی تھی کہ اس کی قربت حماد کے حواس معطل کرنے کے لئے کافی تھی، لیکن ذہنی طور پر پہلے سے کسی بھی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار حماد مضبوط اعصاب کے ساتھ اپنی جگہ جم کے بیٹھا رہا۔

"یہ ہیں ہمارے نئے دوست حماد...... بہت جینئس نوجوان ہے...... بہت بہادر نوجوان، بڑا انقلابی ذہن ہے اس کا...... یہ چاہتا ہے کہ عراق کے نوجوانوں کا مستقبل شاندار ہو...... ان کے ماضی کی طرح تاریک اور تباہ کن نہیں۔" کرنل مائیک نے حماد کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ میں محسوس کر سکتی ہوں۔ میں نے تو اس کی شکل پہ ایک نظر پڑنے کے بعد ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ روشن پیشانی اور خوبصورت آنکھوں والا یہ نوجوان خوبصورت دل و دماغ کا مالک بھی ہے۔ واہ آپ نے تو میرے خدشات کی تصدیق کر دی۔"

اس نے مائیک سے یہ بات کہتے ہوئے مسکرا کر حماد کی طرف دیکھا۔ اس مسکراہٹ کے پس پردہ ایک دعوت موجود تھی جس کو حماد جیسا نوجوان بھی سمجھ سکتا تھا۔ لیکن فی الوقت اس کے پاس ایسی باتیں سوچنے کے لئے وقت ہی نہیں تھا۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے کرنل صاحب نے بتایا ہے کہ آپ پولیٹیکل سائنس کی سٹوڈنٹ ہیں اور ہماری بھلائی چاہتی ہیں۔ میں ان تمام لوگوں کو بہت پسند کرتا ہوں جو ہمارا بھلا چاہتے ہیں۔ دیکھئے ناں......! اس مرتی مارتی اور انتہائی مصروف دُنیا میں بھلا یہ کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ دوسروں کی بھلائی کے متعلق سوچے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کا بڑا پن ہے کہ آپ ہمارے متعلق ایسا اچھا سوچتے ہیں اور ایسے اچھے نظریات بھی رکھتے ہیں۔" حماد نے اس کے نہلے پہ دہلا مارتے ہوئے کہا۔

گفتگو اس اعتماد سے کر رہا تھا کہ کرنل مائیک اور لیفٹیننٹ مارتھا دونوں کے لئے اس کی کسی

بات پہ شک کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں تھی۔

"مجھے تم جیسے نوجوانوں کے ساتھ کام کر کے بڑی خوشی ہوگی۔ آرمی جوائن کرنے سے پہلے میں سوشل ورکر تھی۔ مجھے سماجی کام کر کے بہت خوشی ہوتی ہے۔"

"اچھا مجھے اب کباب میں ہڈی بننے کی بجائے یہاں سے اٹھ جانا چاہئے۔" اچانک کرنل مائیک نے عجیب وغریب اور بدلے ہوئے لہجے میں حماد کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں سر......! آپ بیٹھیے۔" حماد کی فطری شرماہٹ غالب تھی۔

"ناں بھئی ناں......! کم از کم دو نوجوانوں کے درمیان بیٹھنا امریکی روایات کے خلاف ہے۔ اگر تم اس بات کو برداشت کرتے رہے تو شاید ہماری نوجوان لیفٹیننٹ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔"

کرنل مائیک نے مزاحیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ اس قہقہے میں لیفٹیننٹ مارتھا نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔

"اچھا......! میں چلوں تم مارتھا سے اگلا پروگرام طے کر لو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے جلد ہی ایک بڑی پریس کانفرنس کا اہتمام کیا جائے جس میں تم اور تمہارے ساتھی نوجوانوں کی اس پارٹی کے قیام کا اعلان کریں اور اپنا کام شروع کر دو۔ باقی کی باتیں تفصیلاً مارتھا تم سے کر لے گی۔"

یہ کہہ کر کرنل مائیک کھڑا ہوا اور دونوں کی طرف مسکراہٹ اچھال کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

"لگتا ہے کرنل صاحب خاصے عقل مند آدمی ہیں۔" کرنل کے جاتے ہی بے تکلفانہ انداز میں حماد کی ٹانگ پر ہاتھ مارتے ہوئے مارتھا نے کہا۔

حماد کو یوں لگا کہ مارتھا کا ہاتھ اس کے جسم کو چھوتے ہی اس کے جسم میں ایک برقی رو سرایت کر گئی ہے۔ لیکن اس نے خود کو نارمل رکھا۔

"کیا کرتے ہیں آپ......؟" مارتھا نے اگلا سوال کیا۔

"ابھی تو کچھ نہیں کرتا۔ اُردن میں انجینئرنگ کر رہا تھا۔ انجینئرنگ مکمل ہوئے ابھی تین چار ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی یونیورسٹی سے ڈگری بھی جاری نہیں ہوئی اور عراق کے حالات نے مجھے یہاں واپس آنے پر مجبور کر دیا۔ فی الوقت تو میں یہی سوچتا رہتا ہوں کہ کیا کروں۔" حماد نے جواب دیا۔

"چلو اچھا ہوا...... کرنے کے لئے تمہیں ایک اچھا کام مل گیا۔ انجینئر تو ویسے بھی بہت اچھے

منظم ہوتے ہیں۔ تنظیم کے ساتھ کام کرنے کی عادت ہوتی ہے انہیں۔ اتفاق سے مجھے بھی اپنی انجینئر کور کے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے۔ بڑے ڈسپلنڈ لوگ ہوتے ہیں۔ تم بھی ایسے تو نہیں۔" مارتھا نے اس کی طرف قریباً جھکتے ہوئے کہا۔

"بس ایسا ہی سمجھئے...... لیکن اتنا ڈسپلنڈ بھی نہیں۔ زندگی میں بہت زیادہ ترتیب کا میں قائل نہیں۔" حماد نے مسکراہٹ اچھالی۔

"ہاں......! بے ترتیبی کا بھی اپنا حسن ہوتا ہے۔"

مارتھا ہنسی تھی۔ اس کے ہنسنے کا انداز، جسم کی حرکات وسکنات اور چال ڈھال سب کچھ حماد کو سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ مارتھا امریکن آرمی کور لیے ہوئے ہے۔ دراصل اس کا تعلق اسی گروپ کے لوگوں سے ہے جس کی نمائندگی کرنل مائیک کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان کے دشمنوں کو مسلمانوں کی ان کمزوریوں کا شدت سے احساس اور علم ہے جس سے وہ ماضی میں فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اب بھی وہ انہیں ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں اُترے ہیں۔

"آپ کے خیال میں کیا ہم یہ سب کچھ کر سکیں گے......؟" حماد نے سوالیہ نظروں سے مارتھا کی طرف دیکھا۔

"ارے......! کیوں نہیں......؟ بس......! سب سے پہلے کوئی کام سوچا جاتا ہے پھر منصوبہ بنتا ہے۔ کچھ دوست مل بیٹھتے ہیں اور بہت بڑے بڑے کام کر گزرتے ہیں۔ دُنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ دُنیا میں جتنی بڑی بڑی تحریکیں چلیں، سب سے پہلے کسی نے سوچا تھا پھر ہم خیال لوگ اکٹھے ہوئے اور بات چل نکلی۔" مارتھا نے اُس کے اور نزدیک آتے ہوئے کہا۔

حماد کو اُس کی موجودگی اب کھلنے لگی تھی اور وہ دُعا کر رہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو مارتھا یہاں سے چلی جائے جبکہ مارتھا کسی اور مشن پر تھی۔ اُسے یہی سکھایا اور پڑھایا گیا تھا کہ مسلمان نوجوانوں کو قابو کرنے کا بہترین حربہ یہی ہے۔ انہیں اپنے جسمانی خطوط اور لچھے دار باتوں کے جال میں پھنسا کر اُن سے کچھ بھی منوایا جا سکتا ہے۔

بالآخر دونوں الگ ہو گئے۔ جہاں حماد اُس سے الگ ہونے پر اللہ کا شکر گزار تھا وہاں مارتھا دل ہی دل میں یہ سمجھ رہی تھی کہ اُس نے میدان مار لیا ہے اور اب حماد اس سے بچ کر نہیں جا سکتا۔

///

شیرازی کی موت کوئی ایسی خفیہ خبر نہیں تھی جو ابو سرمد تک نہ پہنچتی۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی۔ ایک بے نام سا خوف اس کے اندر سمٹ آیا تھا اور ابو سرمد خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگا تھا۔ اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت تو نہیں تھا کہ شیرازی کس کے لئے کام کر رہا تھا......؟ یا شیرازی کون تھا......؟ لیکن اس کے تجربے نے اسے یہ سمجھا دیا تھا کہ شیرازی بھی اسی میدان کا کھلاڑی ہے جس میدان کا کھلاڑی وہ بن چکا ہے اور وہ بھی اسی طرح کی مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھا جس طرح کی سرگرمیوں میں ابو سرمد ملوث ہے۔

مجاہدین کی طرف سے شیرازی کا اغواء شیرازی کی موت اور اس کی موت کے ساتھ جاری ہونے والی فلم اور مجاہدین کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ جو شیعہ اور سنی دونوں مسلمانوں کے ذمہ دار حلقوں میں پہنچائے گئے تھے۔ ان سب کے ذریعے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ شیرازی کسی اور کا کھیل کھیل رہا تھا اور یہ سب کچھ ابو سرمد کو سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ وہ بھی یہی کھیل کھیل رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ اسے بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ ابو سرمد انٹیلی جنس کے میدان کا پرانا کھلاڑی تھا وہ طویل عرصے سے امریکیوں کے لئے خدمات انجام دے رہا تھا اور یہ بات اس کے لاشعور میں عرصہ سے محفوظ رہی تھی کہ ایک روز ایسا ضرور آئے گا جب اسے اپنے ان اعمال کی جواب دہی اپنے ضمیر اور امریکیوں کے سامنے بھی کرنی پڑے گی۔

وہ جانتا تھا کہ جس دلدل میں اُتر چکا ہے اس میں واپسی کا راستہ بند ہوگیا ہے۔ اس کے لئے یہاں سے لوٹ کر واپس جانا کسی طرح ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ اب تو ایک ہی صورت باقی تھی کہ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرے اور یہ کفارہ ایسا ہو جو کم از کم اس کے لئے توشۂ آخرت بن جائے۔

ابو سرمد یہی کچھ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا جب اس کے خادم نے مقامی نوجوان

ر

ری آمد کی اطلاع دی۔ ناصر اس سے پہلے اس کے لئے خدمات انجام دے چکا تھا۔ ناصر کا شمار رمد کے ان ساتھیوں میں ہوتا تھا جنہیں وہ اپنے لئے قابلِ اعتماد سمجھتا تھا۔

''لے آؤ......! لے آؤ......! اسے اندر لے آؤ......!'' اس نے اپنے خادم سے کہا اور ری دیر بعد ناصر اس کے سامنے موجود تھا۔

''آپ نے یہ پمفلٹ پڑھا ہے......؟'' ناصر نے سلام دُعا لینے کے فوراً بعد اپنی قمیص کی لمبی ب سے تڑا مڑا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں......! میں پڑھ چکا ہوں...... میں دیکھ چکا ہوں۔'' ابو سرمد نے جواب دیا۔

''آپ کے خیال سے کیا اس میں لکھی ہوئی باتیں صحیح ہیں......؟'' ناصر نے اگلا سوال کیا۔

ناصر کے سوال نے ابو سرمد کو چونکا دیا اور وہ جان گیا کہ ناصر بھی اس کیفیت کا شکار ہے جس یفیت سے وہ خود گزر رہا ہے۔

''تمہارا کیا خیال ہے......؟'' اس نے ناصر کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اُلٹا اس سے سوال کیا۔

''مجھے تو یہ سب کچھ صحیح لگتا ہے۔ مجھے تو دکھائی دیتا ہے جیسے جو کام ہم امریکیوں کے لئے کر رہے ہیں یہی کچھ شیرازی کیا کرتا تھا۔'' ناصر نے جواب دیا۔

''ہاں......! تم ایسا کہہ سکتے ہو۔'' ابو سرمد نے کہا۔

''وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابھی کھل کے اپنا مدعا بیان کرے۔ وہ بہت محتاط آدمی تھا۔ جب تک ں کے سامنے موجود شخص کے اندر کی بات باہر نہ آتی اس کی ٹریننگ اجازت نہیں دیتی تھی کہ اپنے ندر کی بات باہر نکالے۔

''تمام لوگ آج مسجد میں یہی بات کرتے رہے ہیں۔ شہر میں یہی موضوع آج زیر بحث ہے اور ان لوگوں کو اب اس بات کا یقین ہونے لگا ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ شیعہ اور سنی مسلمانوں کے درمیان فساد پیدا کرنے کے لئے اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں۔ یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ جس طرح ہم امریکیوں کے لئے کام کر رہے ہیں اس طرح بغداد میں ہزاروں ہم جیسے مسلمان ان مجاہدین کے لئے بھی کام کر رہے ہیں۔ ہمارے اور ان کے کام میں بہت بڑا فرق بھی ہے شیخ......!'' ناصر نے اپنی بات اُدھوری چھوڑ کر ابو سرمد کی طرف دیکھا۔

"کیا......؟" ابوسرمد نے پہلی مرتبہ اس سے آنکھیں ملا کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ وہ لوگ اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق کام کر رہے ہیں جبکہ ہمارے ایمان اور ضمیر دونوں کو شاید ہم نے خود ہی سُلا دیا ہے۔" ناصر نے بے ساختہ کہا۔

"یار......! تم کیسی باتیں کر رہے ہو......؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں......؟" ابوسرمد نے اس سے نظریں ملائے بغیر سوال کیا۔

"ہاں ہاں......! بالکل ٹھیک ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ میرا دماغ ابھی ٹھیک ہوا ہے۔ اس سے پہلے شاید جو کچھ میں کرتا رہا ہوں وہ سب تو بہت غلط تھا۔" ناصر آج بالکل بدلے ہوئے رنگ میں اس کے سامنے موجود تھا۔

"تم جانتے ہو تمہاری اس گفتگو کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے......؟ ممکن ہے میں تمہیں معاف کر دوں۔ اگر کرنل مائیک کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی کہ تمہارے نظریات میں ایسا انقلاب آچکا ہے تو وہ کیا کچھ نہیں کر گزرے گا......؟" ابوسرمد نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں شیخ......! کیا کرے گا وہ......؟ مار ڈالے گا......؟ آپ جانتے ہیں بغداد کی سڑکوں پہ روزانہ درجنوں لوگ مارے جاتے ہیں۔ ان مرنے والوں میں دو طرح کے لوگ شامل ہیں ایک وہ جو قابض فوجوں کے لئے کام کرتے ہوئے مر رہے ہیں...... ایک وہ جو اپنی آزادی اور ایمان کی سلامتی کے لئے موت کو گلے لگاتے ہیں۔ آپ کے خیال سے ان دونوں میں کون سے لوگ صحیح ہو سکتے ہیں......؟" ناصر نے قدرے اُونچی آواز میں ابوسرمد کی طرف دیکھ کر کہا۔

ناصر کا یہ بدلہ ہوا لہجہ اور آواز کا قہر ابوسرمد کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ ناصر کے اندر کوئی بڑی تبدیلی آچکی ہے۔ اس تبدیلی کا محرک شیرازی کی موت تھی، مجاہدین کی طرف سے جاری کردہ فلم تھی جس کی سینکڑوں کاپیاں بغداد میں تقسیم ہو چکی تھیں یا وہ اشتہارات اور پمفلٹ تھے جو مجاہدین کے ہمدرد ہاتھوں سے لکھ کر یا کسی بھی طرح پریس سے چھپوا کر لوگوں کے گھروں میں پھینک رہے تھے۔ اس کا سبب کچھ بھی رہا ہو لیکن یہ بات ظاہر تھی کہ اب ناصر موت کے خوف سے بے نیاز ہو کر اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق بات کرنے اور کام کرنے پر تُل چکا ہے۔

"دیکھو ناصر......!" ابوسرمد نے اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میرا اور تمہارا ساتھ بہت پرانا ہے۔ میں تمہیں یہ بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرے پاس نہ تنے ذرائع ہیں اور نہ اتنی طاقت کہ امریکیوں کا مقابلہ کر سکوں یا ان کی طرف سے تمہارے خلاف ہونے والی کارروائی کے راستے میں کوئی رکاوٹ ڈال سکوں۔ تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ آج تک ہم نے جو کچھ بھی کیا اس کی قیمت وصول کی۔ اپنی مرضی سے کیا۔ ہم پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ یہ راستہ ہم نے خود اختیار کیا اور اگر اب ہم اس راستے سے ہٹ جائیں گے اگر ہم امریکیوں کی اطاعت سے دستبردار ہو جائیں گے تو تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم بھی اس انجام سے دوچار ہوں گے جس انجام سے تمہارے خیال کے مطابق شیرازی دوچار ہوا تھا۔ میں نے شیرازی کا صرف نام ہی سنا تھا۔ مجھے اس بات کا علم نہیں کہ وہ امریکیوں کے لئے کام کر رہا ہے نہ ہی کرنل مائیک نے میرے سامنے اس کا ذکر کیا تھا اور وہ اس کا ذکر کرتا بھی کیوں......؟ ظاہر ہے اس کھیل کے اپنے کچھ اُصول ہوتے ہیں اپنے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جنہیں پورا کرنا ہی پڑتا ہے اور اس کھیل کا سب سے بڑا اُصول یہ ہے کہ یہاں ایک کھلاڑی کو دوسرے کھلاڑی کے متعلق کچھ خبر نہیں ہونی چاہئے۔ کیا تم اس انجام کے لئے تیار ہو......؟" اس نے اپنی آواز میں تلخی پیدا کرتے ہوئے ناصر سے سوال کیا۔

"ہاں......! بالکل تیار ہوں لیکن میں ایسی بے بسی کی موت نہیں مروں گا۔ میں اس سے پہلے کچھ کر گزروں گا۔" ناصر نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"کیا کر گزرو گے......؟" ابوسرمد نے غصے سے پوچھا۔

"میں آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا لیکن بہت جلد آپ کی اس کی خبر مل جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو میں کرنے جا رہا ہوں وہ آپ کے لئے بالکل نئی چیز ہو۔ مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں اور اپنے ضمیر پر پڑا ہوا وہ بوجھ اُٹھاؤں جس نے مجھے زندہ درگور کر دیا ہے۔" ناصر کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"دیکھو ناصر......! تم میرے برے وقت کے ساتھی ہو۔ ایک بزرگ اور دوست کی حیثیت سے میں تمہیں پھر یہ بات کہوں گا کہ تم کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے اس کے متعلق سوچ لینا۔ ہم اکیلے اس معاشرے میں زندہ نہیں ہیں ہمارے ساتھ اور بھی کچھ زندگیاں وابستہ ہیں۔

تمہاری بیوی ہے...... بچے ہیں...... ماں باپ ہیں...... بہن بھائی ہیں۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہمارے کسی بھی عمل کا ردِعمل جب ہمارے آقاؤں کی طرف سے ہوگا تو وہ ممکن ہے ایسا نہ ہو جیسا کہ ہم سوچتے ہیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں......؟" ابوسرمد نے اسے سچائیوں کا ادراک دلانے کی کوشش کی۔

"میں آپ کی بات بالکل سمجھ گیا ہوں شیخ......! اور آپ کچھ بھی کہیں میں بچہ نہیں ہوں...... میں بھی آپ کی دُنیا کا مسافر ہوں...... میں بھی آپ کے راستے کا مسافر ہوں...... میرا تعلق بھی اسی محکمے سے رہا ہے جس سے آپ کا تھا...... یہ ٹھیک ہے کہ آپ بڑے عہدے پر فائز تھے اور میں چھوٹے اہلکار کی حیثیت سے اپنا کام کرتا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں ہمارا انجام کیا ہوگا......؟ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس راستے میں اگر میں مارا جاؤں تو میرے بعد لوگ کس عذاب سے گزریں گے لیکن مجھے اب اس سب کچھ کی کوئی پروا نہیں...... مجھے اپنا فرض ادا کرنا ہے اور میں آپ کو یہی بتانے کے لئے آیا ہوں۔"

ناصر نے اس مرتبہ جس انداز سے بات کی تھی اس کے لہجے سے جو قہر ٹپک رہا تھا اس کی سمجھ ابوسرمد کو نہیں آسکی تھی۔ لیکن جب وہ سمجھا تو اس نے ایک مرتبہ ابوسرمد کو ہلا کے رکھ دیا۔ ابوسرمد کے لئے عجیب وغریب صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ وہ نہ تو ناصر کو فوری طور پر اس کام سے روک سکتا تھا جو وہ کرنے جا رہا تھا اور جس کا ابوسرمد کو علم بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ کرنل مائیک کو اس کے عزائم سے متعلق خبردار کر سکتا تھا۔

■ ■ ■

ابوسرمد نے اپنی دانست میں ناصر کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ چپ چاپ وہی کچھ کرتا رہے جو آج تک وہ کرتے آئے ہیں لیکن ناصر نے اس کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا اور معذرت کرتا ہوا چپ چاپ جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس لوٹ گیا۔ ابوسرمد کے لئے بڑی عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ اگر وہ امریکیوں کو ناصر کے بدلے ہوئے عزائم سے خبردار کرتا تو کرنل مائیک اسے بھی قصوروار گردانتا اور ناصر کی کسی ممکنہ کارروائی کے لئے بھی ابوسرمد کو سزا کا مستحق سمجھتا کیونکہ وہ یہ بات کبھی تسلیم نہ کرتا کہ یہ سب کچھ ابوسرمد کے علم میں لائے بغیر کیا گیا ہے اور اگر ابوسرمد کا کوئی ساتھی امریکیوں کے خلاف کوئی اقدام کرتا ہے تو اس بات کا ذمہ دار بھی کرنل

مائیک ابوسرمد کو ہی سمجھتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ خود ناصر کو مار دے یا مروا ڈالے یا اسے پکڑ کر امریکیوں کے حوالے کر دے۔ گو کہ ابوسرمد جیسے بے ضمیر شخص کے لئے یہ سب کچھ ناممکن نہیں تھا لیکن آج نہ جانے اسے کیوں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔ ایک بے نام سی خلش نے اسے جکڑ لیا تھا اس کا ضمیر بار بار اسے کچوکے دے رہا تھا۔

شراب کی بوتلیں جو کرنل مائیک کی طرف سے اسے فراہم کی جاتی تھیں آج اس پر بے اثر ثابت ہو رہی تھیں۔ اسے یوں لگا جیسے اچانک اس کی کایا پلٹ گئی ہو۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ناصر جو کچھ کرنے جا رہا ہے وہ دراصل ابوسرمد کو کرنا چاہیے تھا لیکن وہ بے بس تھا۔ وہ اتنا بے بس تھا کہ ناصر کو نہ تو کچھ کرنے سے روک سکتا تھا جو ناصر نے کرنا تھا اور نہ ہی اس کے بدلے ہوئے عزائم کی اطلاع اپنے آقاؤں کو دے سکتا تھا۔ خاموشی سے وہ ناصر کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

■ ■ ■

کرنل مائیک کا کام کرنے کا انداز اس کے اپنے ساتھیوں کی سمجھ سے بھی بالاتر تھا۔ ایک ہی وقت میں مختلف انداز سے ایک ہی کام کو انجام دیتا تھا۔ اس نے ابوسرمد، شیرازی اور ان جیسے جتنے بھی لوگ بغداد میں انتشار پھیلانے کے لئے بھرتی کئے تھے ان سب کو گو کہ بلیک میلنگ کے ذریعے بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو ایسے چنگل میں پھنسا دیا تھا جہاں سے ان کا فرار ہونا بھی ناممکن تھا اور انہیں اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ ان کی طرف سے اگر کرنل مائیک کے کسی بھی حکم کی سرتابی کی گئی تو اس کا خمیازہ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے خاندان کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

عام حالات میں ایسا ممکن نہیں تھا کہ ایک مرتبہ کرنل مائیک کے قابو آ جانے والا کوئی بھی شخص اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر سکے۔ لیکن اس کی تربیت نے سب سے پہلے اسے یہی سمجھایا تھا کہ اس دُنیا میں کوئی بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ اسے موساد کی اکیڈمی میں پڑھایا جانے والا بنیادی سبق یاد تھا۔ وہ موساد کے اس قول By way of Deception یعنی دھوکے سے اپنا کام نکلوانے کا شدت سے قائل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے شکار کے پیچھے ایک اور شکار لگا دیتا تھا۔ اس نے ابوسرمد کی نگرانی کے لئے ناصر کو مقرر کیا تھا۔ ابوسرمد کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ

ناصر بھی اس طرح کرنل مائیک کو عزیز ہے۔ جس طرح وہ خود۔ وہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے اردگرد جتنے بھی لوگ موجود ہیں ان کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں ہے اور نہ کبھی کرنل مائیک نے اس سے ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات دریافت کی تھیں۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اس کا کام ابوسرمد کو کام سونپنا اس کی ادائیگی کرنا اور اس کے بدلے میں بہترین رزلٹ حاصل کرنا تھا۔

آج بھی ناصر کو کرنل مائیک نے طلب کیا تھا لیکن اس کے لئے قصر جمہوریہ میں نہیں بلکہ بغداد میں ہی ایک اور سیف ہاؤس کا انتخاب کیا گیا تھا۔ وہ اپنے شکار کے لئے ایک ہی جگہ منتخب نہیں کرتا تھا۔ اس نے ایسے دوسرے متعدد ٹھکانے تیار کر رکھے تھے جہاں وہ ان لوگوں سے الگ الگ حیثیت سے الگ الگ ناموں سے الگ الگ شناخت کے ساتھ ملاقاتیں کرتا تھا۔ یہ بات اگر ابوسرمد کے علم میں آتی تو شاید پریشان ہو جاتا کہ جس شخص کو وہ کرنل مائیک سمجھ رہا ہے ناصر اسے کرنل مائیک کے بجائے میجر مارٹن سمجھتا تھا۔

میجر مارٹن جس کا تعلق سی آئی اے سے ہے اور جو اپنے کام کے لئے لوگوں کو ترغیب دلاتا تھا، انہیں پیسے دیتا تھا، ان کی حفاظت کرتا تھا، ان کی مدد کرتا تھا اور مطلوبہ رزلٹ دینے کی صورت میں ان کے لئے بہترین انعامات بھی موجود تھے۔ ابوسرمد نے اپنے حلقۂ احباب میں کرنل مائیک کا صرف غائبانہ تعارف کرایا تھا۔ اس کے ساتھی یہ بات تو جانتے تھے کہ ابوسرمد امریکیوں سے ملاقاتیں کرتا ہے لیکن کرنل مائیک کی شکل کیسی ہے......؟ اسے کس کس نے دیکھا ہے......؟ ان سوالات کے جوابات کسی کے پاس نہیں تھے۔

دوسری طرف یہی کرنل مائیک تھا جو میجر مارٹن کی حیثیت سے ناصر کو قابو کرنے کے بعد اس سے ابوسرمد کی جاسوسی کا کام لے رہا تھا۔

ایک روز جب ناصر نے میجر مارٹن کو بتایا کہ ابوسرمد تو پہلے بھی کسی کرنل مائیک کے لئے کام کرتا ہے تو اس نے ناصر کو قریباً ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ یہ اس کا موضوع نہیں ہے۔ اسے جس کام کے پیسے دیئے جاتے ہیں وہ صرف اس سے متعلق بات کیا کرے اور اپنے کام پر توجہ رکھے۔ اسے پیسے اس بات کے دیئے جاتے ہیں کہ ابوسرمد کی نگرانی کرے۔ ابوسرمد کے پل پل کی خبر رکھے۔ اس نے ناصر کو یہ بات باور کرا دی تھی کہ یہاں امریکیوں کی ایک ایجنسی نہیں کئی ایجنسیاں کام کر رہی ہیں اور جس ایجنسی کے لئے ابوسرمد کام کر رہا ہے میجر مارٹن کا تعلق اس ایجنسی سے نہیں ہے۔

ں کے بعد ناصر نے بھی یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے چیک اینڈ بیلنس کا ایک مضبوط سسٹم بنانے کے بعد ہی ایک کام شروع کرتے ہیں۔ یہ بات ں کے لئے قطعی حیران کن نہیں تھی کہ امریکیوں کی یہاں کئی ایجنسیاں کام کر رہی تھیں۔

اسے صدام حکومت کی ملازمت میں یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ عراق میں ایک ہی وقت میں سات اٹھ قسم کی مختلف نوعیت کی انٹیلی جینس ایجنسیاں کام آتی تھیں اور وہ لوگ ایک دوسرے کے کام پر بھی نظر رکھتے تھے۔ شاید ان لوگوں کے کام کرنے کا طریقہ بھی یہ ہے۔ اس نے سوچا اور اس بات کو نظرانداز کر دیا۔ آج وہ میجر مارٹن سے خصوصی ملاقات کے لئے جا رہا تھا اور اس ملاقات کی تیاری اس نے کل رات سے شروع کر دی تھی۔ یہ بات ابوسرمد یا میجر مارٹن (کرنل مائیک) کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ ناصر کے اندر کتنی تیزی سے کیا انقلاب برپا ہوا ہے۔

اس کا رابطہ مجاہدین کے کس گروپ سے ہوا......؟

کب ہوا......؟

کن حالات میں ہوا......؟

اسے اپنے افعال پہ شرمندگی کیسے محسوس ہوئی......؟

اور جو کچھ وہ کرنے جا رہا تھا اس کے لئے سامانِ موت اسے کس نے مہیا کیا......؟

ان میں سے کسی سوال کا جواب بھی ابوسرمد یا امریکیوں کے پاس موجود نہیں تھا۔ ایک طے شدہ طریقہ کار کے مطابق ناصر نے اپنے آقا میجر مارٹن کو پیغام پہنچایا تھا کہ آج شام وہ اس سے بہت ضروری ملاقات کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایک اہم اطلاع ہے جو بذریعہ فون یا کسی اور ذریعے سے میجر مارٹن کو نہیں دے سکتا۔ کرنل مائیک کو پہلی مرتبہ ناصر کی طرف سے اس نوعیت کا پیغام ملا تھا۔ اس سے پہلے اس نے ناصر کو کوئی بھی پیغام پہنچانے کے لئے انٹیلی جینس میں درج دو طریقے کار بتا رکھے تھے اور ان دونوں طریقوں کے مطابق وہ آسانی سے رپورٹ حاصل کر لیتا تھا لیکن آج جب اسے ناصر کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ بہ نفسِ نفیس اس سے ملنا اور اپنی بات پہنچانا چاہتا ہے تو کرنل مائیک کا ماتھا ٹھنکا۔

وہ پیدائشی یہودی تھا۔ سی آئی اے کا ایک اعلیٰ افسر جو اس کے علاوہ بنیادی طور پر موساد کے لئے کام کر رہا تھا۔ اس نے موساد کے ساتھ کئی جوائنٹ ایڈونچر کیے تھے اور اس کی تربیت میں کہیں

نہ کہیں موساد کا بھی ہاتھ کارفرما تھا۔ اس تربیت کا تقاضا تھا کہ وہ بہرصورت اپنے مخبر پہ شک کرے اور اس کی طرف سے ملنے والے ایسے پیغام کو شک کی نظروں سے دیکھے۔ یہی شاید وہ تربیت تھی جو کرنل مائیک کے کام آئی۔ اس نے ناصر کو یہ پیغام دیا تھا کہ پہلے سے مقرر کردہ سیف ہاؤس میں اس کا منتظر ہے اور ناصر اس وقت اس سیف ہاؤس کی طرف جا رہا تھا۔

عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اس نے اپنی گاڑی نکالی اور اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ سیف ہاؤس دراصل امریکی فوج کی ایک پوسٹ تھی جو بغداد کی ایک معروف شاہراہ کے آخری کونے پہ بنی ہوئی تھی اور اس پوسٹ کے بالکل سامنے موجود ایک بڑی کوٹھی جہاں پہلے کوئی سرکاری دفتر تھا اب امریکی فوجیوں کے زیر استعمال تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں میجر مارٹن (کرنل مائیک) اس سے ملاقات کیا کرتا تھا اور آج وہ اس طرف جا رہا تھا۔

پوسٹ کے نزدیک پہنچ کر اس نے اپنی گاڑی روکی۔ معمول کے مطابق ایک مسلح اور چوکس امریکی سولجر اس کی طرف آیا اور ناصر نے اپنے ڈیش بورڈ پہ رکھا ہوا ایک کارڈ کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ کارڈ نظر آتے ہی سولجر ایک طرف ہو گیا۔ اس نے بڑے احترام سے کارڈ اُسے واپس کیا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کر دیا۔ اب وہ متعلقہ سیف ہاؤس کے گیٹ پہ پہنچ چکا تھا۔ مین گیٹ پر تین مسلح فوجی اس کے منتظر تھے۔ ان لوگوں کے لئے یہ گاڑی یا اس میں موجود شخص اجنبی نہیں تھا۔ انہوں نے ناصر کی شکل پر نظر پڑتے ہی مین گیٹ کھولا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ اب وہ اس برآمدے تک پہنچ گیا تھا جس کے سامنے کمرے میں میجر مارٹن یا کرنل مائیک سے ملاقات کیا کرتا تھا۔

کرنل مائیک کو اس بات کا شک تو تھا کہ ناصر کوئی غلط حرکت بھی کر سکتا ہے۔ وہ ناصر سے یہ توقع تو رکھ سکتا تھا کہ ناصر اسے قتل کرنے کے لئے بھی آ سکتا ہے لیکن جو کچھ ناصر کرنے جا رہا تھا وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کرنل مائیک نے جو اس سیف ہاؤس کی بجائے اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا یہ ہدایات بھیج دی تھیں کہ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس کی تلاشی لی جائے۔ ایسا پہلی مرتبہ ہو رہا تھا اور یہ ناصر کے لئے نئی اور چونکا دینے والی بات تھی۔ جب ایک امریکی فوجی اس کی طرف ہاتھ میں سنسر پکڑ کر بڑھا تو ناصر ٹھٹک کر رُک گیا۔

"کیا کرنے جا رہے ہو......؟ کیا چاہتے ہو تم......؟" اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں امریکی فوجی سے پوچھا۔

"معاف کیجئے...... نئے سیکورٹی احکامات کے تحت ہم کرنل مائیک کے کسی بھی ملاقاتی کو خواہ اس کا تعلق ہماری آرمی ہی سے کیوں نہ ہو، تلاشی لئے بغیر ان کے آفس میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔" امریکی سولجر نے پہلے سے سمجھائی گئی بات دُہرائی۔

"لیکن تم میری تلاشی نہیں لے سکتے۔" ناصر نے قدرے گھبراہٹ سے کہا۔

"کیوں نہیں لے سکتا......؟" امریکی فوجی اس کی طرف بڑھا۔ اب وہ بھی ناصر کو مشکوک سمجھنے لگا تھا۔ جیسے ہی اس نے اپنا سنسر اس کی طرف بڑھایا۔ ناصر نے قمیص کی آستین کے نیچے چھپا ہوا بٹن دبایا۔ اس کے بڑے سے چوغہ نما کُرتے کے نیچے چھپی ہوئی بارود سے بھری ہوئی بیلٹ پھٹی۔ ناصر کا جسم پُرزے پُرزے ہو کر ہوا میں بکھر گیا۔ زوردار دھماکہ ہوا اور وہاں موجود تینوں امریکی سولجر بھی اس کے ساتھ ہی مارے گئے۔

کسی سیف ہاؤس کے اندر ہونے والا دھماکہ امریکیوں کے لئے ایک اعصابی ٹائم بم کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس قدر محفوظ سیف ہاؤس کے اندر بھی کوئی خودکش حملہ کر سکتا ہے لیکن ایسا ہو چکا تھا۔ ناصر وہ کر گزرا تھا جس کا گمان ابوسرمد اور کرنل مائیک کو بھی نہیں تھا۔ کرنل مائیک کے ذہن میں یہ شک تو موجود تھا کہ ناصر کچھ نہ کچھ کرنے والا ہے لیکن وہ اس حد تک پہنچ جائے گا کہ خودکش حملہ کرے گا یہ بات اس نے کبھی نہیں سوچی تھی۔ جب اسے اپنے خصوصی گارڈ کی طرف سے ناصر کی اس حرکت کی اطلاع ملی تو اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ آج اس کی تربیت نے اسے مرنے سے بچا لیا۔ بے گناہ مرنے والے تین امریکی فوجیوں میں سے شاید وہ بھی ایک ہوتا۔ کرنل مائیک کو ناصر کی اس حرکت سے زبردست ذہنی دھچکا لگا تھا۔ وہ سخت پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

کرنل مائیک نے جاسوسی کا ایسا جال بچھا رکھا تھا جس میں اس بات کی گنجائش موجود نہیں تھی کہ براہِ راست ابوسرمد سے ناصر کے متعلق کوئی سوال کرتا کیونکہ اس نے ابوسرمد کو کبھی یہ بات نہیں بتائی تھی کہ اس کے اپنے ساتھیوں میں بھی اس کی جاسوسی کرنے والے لوگ موجود ہیں جو کرنل مائیک کے لئے کام کر رہے ہیں اور کرنل مائیک کوئی بھی اس نوعیت کی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا

جس کارروائی کے بعد ابوسرمد ہوشیار ہو جاتا اور اس پر شک کرنے لگتا یا اس کے متعلق کسی بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا۔

یہ سب کچھ کرنل مائیک کے لئے ممکن تو نہیں تھا لیکن کرنل مائیک کو ناصر کی اس حرکت نے پریشان کر کے رکھ دیا تھا اور اسے پہلی مرتبہ بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ مجاہدین عراق کے ہر شعبۂ زندگی کے لوگوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر چکے ہیں اور آج بھی ان لوگوں کی بے پناہ کوششوں پراپیگنڈہ پیسے کی تقسیم لالچ، ہوس اور ہتھیار استعمال کرنے کے باوجود عراقی عوام ان کے متعلق اپنے نظریات تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ ناصر کو یقیناً کسی نے ورغلایا ہوگا۔ لیکن ناصر تک ان لوگوں نے رسائی کیسے حاصل کی یہ بات اس کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔

اب کرنل مائیک کو اس بات کی اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ مجاہدین نے ابوسرمد کو بھی مارک کر لیا ہے اور جلد یا بدیر وہ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو شیرازی کے ساتھ کر چکے ہیں اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ جو لوگ ناصر کی سرگرمیوں سے باخبر تھے وہ ابوسرمد کو نہ جانتے ہوں یا ناصر نے ان لوگوں کا ساتھی بننے کے بعد ابوسرمد کے متعلق نہ بتایا ہو۔ گو کہ ناصر کے ساتھ تمام معاملات تین چار دن میں ہی طے پا گئے تھے۔ ابوشیرازی کی موت کے بعد جب اس نے اپنے گھر میں پھینکا گیا پمفلٹ پڑھا اور صورتِ حال پر اپنی بیوی والدہ اور بھائیوں کا تبصرہ سنا۔ ان کے دلوں میں موجود قابض فوج کے لئے نفرت کا اندازہ لگایا اور وہ اسی روز سے اپنے آپ کو مجرم محسوس کرنے لگا تھا۔

وہ ان لوگوں کو کس منہ سے بتاتا کہ وہ کس حیثیت میں اور کیا کام کر رہا ہے......؟ اور اپنے ہی ملک کے خلاف اپنے ہی لوگوں کے خلاف کتنی گھناؤنی سازش کا حصہ بن چکا ہے۔ لیکن وہ اپنی حیثیت میں اپنے گناہوں کا کفارہ تو ادا کر سکتا تھا اور کفارہ ادا کرنے کے لئے اس نے یہ صورت تلاش کی تھی۔ اس نے کسی طرح ابوحسام تک رسائی حاصل کرنے کے بعد اسے درخواست کی تھی کہ وہ ناصر کو خودکش حملے کی اجازت دیں۔ ابوحسام نے ناصر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن ناصر کے جذبے اور قوتِ فیصلہ کے سامنے بالآخر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور انہوں نے ناصر کو خودکش حملے کے لئے استعمال ہونے والی بارودی بیلٹ فراہم کر دی تھی۔

یہ بات ابوحسام اور اس کے ساتھی جس روز ناصر سے ملاقات ہوئی اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ جس صورتِ حال کا ناصر شکار ہے اور جس طرح کے جذبات اور احساسات اس پر طاری ہیں ن کے بعد شاید ناصر کے لئے کچھ اور ممکن بھی نہ ہو۔ وہ ضمیر کی ملامت کا بری طرح شکار تھا۔ وہ پنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے جلد از جلد کچھ بھی کر گزرنا چاہتا تھا اور ناصر کی دانست میں ہترین صورت یہی تھی۔

روانگی سے پہلے اس نے حسبِ معمول غسل کرنے کے بعد نوافل شکرانہ ادا کئے اور اپنا آخری پیغام ریکارڈ کروایا تھا۔ اس آخری پیغام میں اس نے ابوسرمد کی تمام کارروائیوں کا پردہ چاک کیا تھا اور یہ بتایا تھا کہ کس طرح وہ لوگ امریکیوں کا آلہ کار بن کے اپنے ہی بھائیوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں اور ایک دوسرے کا دشمن بنانے کے لئے دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں۔ اس نے اپنے تمام عراقی مسلمان بھائیوں سے اپیل کی تھی کہ آج کے بعد کسی بھی امام بارگاہ یا مسجد پر ہونے والا حملہ وہ ہرگز کسی مکتبہ ی طرف سے ہونے والا حملہ نہ سمجھیں بلکہ اسے سازش کا حصہ سمجھیں جس کا وہ سب لوگ شکار چکے ہیں اور کچھ آستین کے سانپ جو چند سکوں کے لئے اپنا ضمیر گروی رکھ چکے ہیں۔ اس ش کو بروئے کار لانے کے لئے دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

اس نے ابوسرمد اور اپنے ان تمام ساتھیوں کے نام بھی بتا دیئے تھے جو اس کھیل کا حصہ تھے ن ابھی تک اس کی شہادت کے بعد بھی ابوحسام اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے اس اعترافی ن کو منظرِ عام پر نہیں لایا گیا تھا کیونکہ ابھی ان کے کرنے کے لئے کچھ اور کام باقی تھا اور یہ کام ناصر کی شہادت کے اگلے ہی روز شروع ہو گیا۔

کرنل مائیک اور ابوسرمد دونوں کے لئے یہ بات بہت ہی پریشان کن تھی کہ انہیں اگلے تین میں سولہ ایسی لاشوں کے تختے مل چکے تھے جن کے گلے میں ان کے جرائم کی فہرست ہوتی اور تایا جاتا کہ یہ لوگ کیا کام کر رہے تھے اور ان کو کس بات کی سزا دی گئی ہے۔ یہ تمام وہ لوگ تھے ن کا انکشاف ناصر نے کیا تھا۔ یہ سب ابوسرمد کے ساتھی تھے اور اب ابوسرمد اکیلا ہی مجاہدین کی رس سے آزاد تھا۔

اس کی وجہ ابوسرمد کا فرار تھا۔ ابوسرمد کو ناصر کی موت کی اطلاع کرنل مائیک کے اپنے ہی

ایک ساتھی سے ملی تھی۔ ان لوگوں نے کسی دھماکے میں کسی کی شہادت کا ذکر کیا تھا جس کے بعد ابوسرمد کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص کون ہو سکتا ہے۔

اس نے جان لیا تھا کہ ناصر کا مشن مکمل ہو چکا ہے اور اب وہ اس کے تابع نہیں رہا۔ لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اس کے روابط مجاہدین سے استوار ہو چکے تھے اور ان سے اس نے بارودی بیلٹ بھی حاصل کر لی تھی اور وہ خودکش حملہ بھی کرے گا۔

اس سے پہلے کہ کرنل مائیک ابوسرمد تک پہنچتا اور اپنے جرم کے آخری نشان کو اپنے ہاتھوں مٹا دیتا، ابوسرمد رات کی تاریکی میں خاموشی سے اپنا اسبابِ راہ سمیٹ کر کے اپنے گھر سے فرار ہو گیا۔ اس کے لئے بغداد شہر میں ایسے درجنوں ٹھکانے موجود تھے جو اس نے آنے والے وقت کے لئے پہلے سے تیار کر رکھے تھے اور اب کام کر رہے تھے۔

ابوسرمد سابق انٹیلی جنس افسر تھا۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ سی آئی اے کے لئے کام کر کے اسے اس کی توقعات سے بڑھ کر پیسے مل رہے تھے لیکن اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ جب یہ لوگ اس سے ناراض ہوئے یا اس کی کوئی نالائقی ان کے سامنے آگئی یا انہوں نے اسے اپنے لئے خطر محسوس کیا تو اسے مارنے کے لئے ایک لمحے کا توقف بھی نہیں کریں گے۔ یہ سب کچھ اس گھناؤنے کھیل کا حصہ تھا جس کا ایک کھلاڑی وہ خود بھی بن چکا تھا۔ شاید اپنے لاشعور میں پہلے سے محفوظ اس خوف کے تحت اس نے اپنی حفاظت کے بندوبست بھی کر رکھے تھے۔

جس رات ناصر کی شہادت ہوئی اس سے اگلی صبح ابوسرمد اپنے گھر میں موجود نہیں تھا۔ اس نے فرار کے لئے جو طریقہ اختیار کیا وہ مجاہدین اور امریکیوں دونوں کی سمجھ سے بالاتر تھا اور دونوں میں سے کوئی بھی اس کی گرد کو نہ پا سکا۔ ابوسرمد کسی نہ کسی طرح راتوں رات بغداد سے نکل چکا تھا اور اگلے پانچ یا سات دن کے بعد وہ عراق کی سرحد پار کر کے کسی ہمسایہ ملک میں اپنے دیرینہ ساتھی کے پاس پناہ حاصل کر چکا تھا۔

دو متحارب نقطہ نظر کے ایسے لوگوں کا اچانک پردہ سکرین سے ہٹ جانا جو امریکی اور امریکہ سے زیادہ اسرائیلی مفادات کے لئے کام کر رہے تھے۔ امریکہ کے لئے، سی آئی اے کے لئے تو حیران کن تھا ہی لیکن موساد کی پریشانی سب سے زیادہ تھی۔ بریگیڈیئر شمعون کے سامنے جب

انہ پیش کی جانے والی رپورٹ متعلقہ انچارج کے کمنٹس کے ساتھ پہنچی تو اس نے اپنا سر پیٹ ۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ آخر ابوسرمد کرنل مائیک کی گرفت سے بچ کر کیسے نکل گیا۔ سے اس بات کا افسوس نہیں تھا کہ شیرازی اور ابوسرمد پردہ سکرین سے ہٹ گئے ہیں کیونکہ اس کو یہ ت اچھی طرح سمجھ میں آچکی تھی کہ جس بدقسمت قوم سے ان کا سامنا ہے وہاں غداروں کی کبھی کمی یں رہی۔ چند ٹکوں تھوڑے لالچ اور ذہنی طور پر گمراہ ہونے کے بعد یہ لوگ بڑے سے بڑا کام رنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے تو زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ ان کے ترین ایجنٹ کرنل مائیک نے جو کٹھ پتلیاں ان کے اشاروں پر ناچنے کے لئے عراق میں تیار کی یں اور خصوصاً جن کی وجہ سے یہ اُمید پیدا ہو چکی تھی کہ بغداد میں جلد از جلد شیعہ اور سنی مسلمان پس میں ٹکرا جائیں گے۔ وہ دونوں پردہ سکرین سے ہٹ گئیں۔

اب اس مقصد کے لئے کرنل مائیک نئے لوگ بھرتی کرے گا یا پہلے سے اس کے پاس کوئی آپشن موجود ہیں، یہ بعد کی باتیں تھیں لیکن فی الوقت اسرائیل کے لئے یہ بہت بڑا دھچکا تھا کیونکہ اسرائیلی یہ بات کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ عراق میں امن ہو اور عراق پر قابض فوجوں کو یہاں سے واپس جانے کا کوئی بہانہ مل جائے۔ اسرائیل کی بہترین کوشش یہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو قابض افواج کو عراق پھنسائے رکھیں اور اس کے لئے وہ عراق میں مسلسل ایسے حالات پیدا کر رہے تھے جن کے تحت عراق میں امن و امان کی صورتِ حال بدتر رہے اور قابض افواج کو یہاں رہنے کا موقع ملے۔ اسرائیلی حکومت یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ اپنے مفادات تب ہی عراق میں حاصل کر سکتی ہے جب انہیں مفادات حاصل کرنے کے لئے امریکہ اور برطانیہ کی چھتری میسر رہے۔ اس کے بغیر ان کا داخلہ عراق میں ممکن ہی نہیں تھا۔

بریگیڈیئر شمعون اپنے ان قریبی رفقاء کے ساتھ مشاورت کر رہا تھا جو عراقی اُمور کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ یہ سب لوگ رات دیر گئے تک دو اہم فیصلے کر چکے تھے۔ انہوں نے کرنل مائیک کو تو اپنا کام کرنے کی اجازت دے ہی دی تھی اور اس کے متعلق کوئی سزا تجویز نہیں کی کیونکہ موساد کے لئے کرنل مائیک کی خدمات ناقابلِ فراموش تھیں اور اپنے ایسے پرانے خادم، نسلی اور نظریاتی یہودی کو موساد اپنے ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ بصورتِ دیگر اپنے نالائق ایجنٹ کے لئے ساد کی ڈکشنری میں معافی نام کا لفظ شامل نہیں تھا۔

دوسرا اہم فیصلہ جو بریگیڈیئر شمعون کی زیرِ قیادت اس اہم کمیٹی نے کیا تھا وہ ان متبادل آپشنز کی تلاش تھی جو عراق میں امن و امان کی صورتِ حال کو خراب کئے رکھیں جو بین الاقوامی دُنیا کو اس وہم میں مبتلا کئے رکھیں کہ اگر امریکی فوجی یہاں سے نکل گئے تو عراق میں موجود دہشت گرد پوری دُنیا کا امن تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ جنگ کی ابتدا ہی سے بہت سے یورپی ممالک اور دُنیا کی ایک بہت بڑی رائے عامہ اس کے مخالف رہی تھی لیکن امریکیوں کی ضد اور رعونت کے سامنے کسی کی ایک نہ چلی۔

امریکیوں کی ضد اور رعونت کے پسِ پردہ کارفرما اسرائیلی حکمتِ عملی اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ اب بھی دُنیا کے بیشتر ممالک میں عراق پر قابض فوجوں کی موجودگی کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری تھا۔ موساد کی کوشش یہ تھی کہ ایسے تمام ممالک جو قابض افواج کی عراق میں موجودگی کو غلط سمجھتے ہیں ان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ قابض افواج کی موجودگی کو عراق میں ضروری جاننے لگیں اور امریکہ کی مخالفت کرنے کی بجائے اس کا ہاتھ بٹائیں اور اسرائیلی عزائم کے لئے راہ ہموار کریں۔ اسرائیلی عزائم کے پورا ہونے کے لئے راستہ ہموار کریں۔

اس سلسلے میں جو نئی حکمتِ عملی طے پائی تھی اس میں انہوں نے کرنل مائیک کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ موساد کے لئے کرنل مائیک یا اس سے بھی بڑے عہدے پر فائز دُنیا کے کسی بھی بااثر شخص کی کبھی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے کام کرنے کے لئے متبادل ذرائع رکھتے تھے اور یہ متبادل ذرائع ایجنٹوں اور ان کے لئے کام کرنے والے کو یہ احساس دلائے رکھتے تھے کہ وہ موساد کے لئے ناگزیر نہیں ہیں۔

بریگیڈیئر شمعون نے کرنل مائیک کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کو اس کی خدمات سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ بات اس نے طے کر لی تھی کہ کرنل مائیک کو ضرور اس بات کا احساس دلائے گا کہ موساد کا گورکھ دھندہ صرف اس کے بل بوتے پر نہیں چل رہا اس طرح کے کئی احمق دُنیا کی اور بھی قوموں میں موجود ہیں اور ان میں سے ایک میجر ڈگلس تھا۔

■ ■ ■

میجر ڈگلس شام کا باشندہ تھا۔ شام کے عیسائی گھرانے میں پیدا ہونے والا ڈگلس کبھی آرمی میں نہیں گیا تھا۔ اس کا اصلی نام کیا تھا اس کا علم صرف موساد کی اعلیٰ سطح کی قیادت کو ہی تھا لیکن

موساد کی فائلوں میں اسے ڈگلس ہی کہا جاتا تھا۔ میجر ڈگلس کی بدبختی کا آغاز تب ہوا جب وہ اپنے دورِ طالب علمی میں انگلینڈ گیا تھا۔ یہاں لندن میں وہ یہودی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوا۔ یہ یہودی لڑکی موساد کی تربیت یافتہ ایجنٹ تھی جس نے اپنی زُلفوں میں ڈگلس کو اُلجھا کر اسے اچھا خاصا اُلو بنا لیا تھا۔ اب وہ جی جان سے موساد کی خدمت کر رہا تھا۔

موساد کی اعلیٰ قیادت نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ڈگلس ان کی توقع سے بڑھ کر وفادار، ذہین، بہادر اور ایڈونچر کا شوقین ہے۔ ڈگلس کو برطانوی شہریت مل چکی تھی۔ موساد میں شامل ہو جانے کے باوجود وہ برطانیہ کا ایک معزز شہری تھا اور گزشتہ دس سال سے موساد کے لئے خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس دوران موساد نے اسے اپنے وہ بہترین کورسز مکمل کروائے تھے جو صرف خاص ایجنٹوں اور بسا اوقات موساد کے کیسٹا (Kasta) کو ہی کروائے جاتے تھے۔ وہ حرب و ضرب کا ماہر، زہر خورانی، اغواء اور تخریب کاری میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ یہ سب اسے موساد کی طرف سے بتایا سمجھایا اور سکھلایا گیا تھا اور وہ موساد کی توقعات پہ بالکل پورا اُتر رہا تھا۔ اگر یہودی مذہب میں کنورشن کی اجازت ہوتی تو شاید ڈگلس اب تک یہودی بن چکا ہوتا لیکن یہودی چونکہ صرف پیدائشی ہی یہودی ہو سکتا ہے اس لئے وہ ابھی تک عیسائی تھا۔ اسے جلد اس بات کا علم بھی ہو گیا تھا کہ ریٹا نامی جس خوبصورت لڑکی کے عشق میں پھنس کے وہ موساد کے ہاتھوں میں پہنچا تھا۔ وہ بھی ایک یہودن ہونے کے ناطے موساد ہی کے لئے کام کر رہی تھی اور اب اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔

دونوں دو بچوں کے والدین بھی بن چکے تھے اور دونوں موساد کے لئے جی جان سے خدمات بھی انجام دے رہے تھے۔ اس دوران متعدد مرتبہ انہیں اسرائیل جانے کا موقع ملا تھا اور برطانوی شہری ہونے کے ناطے وہ دُنیا کے ہر ملک میں بآسانی جا آ سکتے تھے۔ ڈگلس کو شام کے علاوہ عراق اور اُردن میں بھی کافی عرصہ گزارنے کا موقع ملا تھا اور اب وہ جس نوعیت کے بزنس سے منسلک تھا اس میں اسے زیادہ سے زیادہ یہ مواقع مہیا کئے جاتے تھے کہ وہ خصوصاً اُردن شام اور عراق میں گھومتا پھرتا رہے۔ اس وقت وہ نہایت اہم میٹنگ کے لئے مقامی کیسٹا سیف ہاؤس کی طرف جا رہا تھا یہ سیف ہاؤس دراصل اسرائیلی ایئر لائن کا دفتر تھا جس کے ایک کمرے میں ڈگلس کی ملاقات اپنے انچارج کیسٹا سے ہونی تھی جو اسے اگلی ہدایات دیتا۔ یہیں اس کی کارکردگی

اس تک پہنچتی اور یہیں سے ڈگلس کو اس کی خدمات کا عوضانہ بھی دیا جاتا تھا۔ اس کی بیوی اسی ایئر لائن میں ایک عہدے پر کام کر رہی تھی، زیادہ تر میٹنگز اسی کے آفس میں ہوئی تھیں۔ اس مرتبہ ڈگلس کو جو ذمے داری سونپی گئی تھی گو کہ اس نے اس سے پہلے اس نوعیت کی خدمات انجام نہیں دی تھیں لیکن اس کے لئے یہ کوئی چونکا دینے والی بات نہیں تھی۔

وہ ذہنی طور پر اس قسم کی خدمات انجام دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ اگلے روز رات کی برٹش ایئرویز کی فلائٹ سے ڈگلس لندن سے اومان جا رہا تھا۔ یہاں مقامی ہوٹل میں اس کے لئے کمرہ پہلے سے ہی بک تھا۔ طے شدہ وقت کے مطابق وہ اپنے کمرے تک پہنچ گیا، یہاں موساد کی طرف سے دو مقامی عراقی موجود تھے جنہوں نے ان کے کہنے پہ مخصوص خدمات انجام دینا تھیں اور وہ اس سے پہلے اس نوعیت کے کام کرتے رہتے تھے۔ یہ وہ جرائم پیشہ عراقی نوجوان تھے جو ہر ملک کے معاشرے میں موجود ہوتے ہیں اور جنہیں عموماً متحارب حکومتیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ ڈگلس نے عراق کا آخری دورہ آج سے قریباً آٹھ نو ماہ قبل کیا تھا لیکن حالات اب بھی جوں کے توں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ آٹھ ماہ پہلے عراق کی شاہراہوں پر عراقی فوج گشت کیا کرتی تھی اور آج وہاں قابض فوج کے دستے دندناتے پھر رہے تھے۔

خوف و ہراس، بے چینی، بدامنی اور قانون شکنی کی صورتِ حال پہلے سے بہت بدتر تھی۔ صدام کے زمانے میں لوگ پولیس کے خوف سے بہت سے ایسے کام نہیں کر پاتے تھے جو آج وہ آسانی سے کر لیتے تھے۔ یہ آئیڈیل صورتِ حال تھی جو ڈگلس کو درکار تھی۔

ڈگلس نے دونوں ساتھیوں کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور ان سے اپنی مادری زبان عربی میں گفتگو کی۔ اس نے اپنا نام بھی عربی رکھا ہوا تھا اور اس کی کسی بھی حرکت سے اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ شخص کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے نہ اس کے ساتھیوں نے ضرورت محسوس کی تھی کہ اس کا جغرافیہ جانیں۔ انہیں یہ سخت ہدایات دی گئی تھیں کہ موساد کی طرف سے بھیجی جانے والی کسی شخصیت کے متعلق کبھی بھی ضرورت زیادہ جاننے کی کوشش نہ کریں۔ دونوں عراقی یہ بات جانتے تھے کہ اس سے پہلے جس کسی نے بھی ایسی کوشش کی۔ اسے برے انجام سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ موساد کی لغت میں اس کے کسی بھی کام کسی بھی ایجنسی کسی بھی جاسوس کے متعلق گفتگو کرنا انتہائی گھناؤنا اور ناقابلِ معافی جرم سمجھا جاتا تھا اور اس جرم کی سزا موساد کی طرف سے ہر اس شخص کو ملتی

ی جو اس کا مرتکب پایا جاتا تھا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے بغداد کے اس نواحی علاقے کی نشان دہی کی۔ جہاں ادھر سے
انے والے ٹرک اور کویت سے آنے والے ٹرالرز کا کرتے تھے۔ یہاں مال برداری کا سامان
نارا جاتا تھا۔ نزدیک ہی دو چھوٹے ہوٹل اور قیام گاہیں موجود تھیں۔ یہاں ان ٹرکوں کے ڈرائیور
ام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا پہلا شکار ایک جاپانی ٹرالر کو کرنا تھا جس کے متعلق ان دونوں
کے پاس پہلے ہی بڑی انفارمیشن موجود تھی۔ یہ وہ جاپانی ٹرالر تھے جو کویت سے سامان رسد لے کر
ابض افواج کے لئے بغداد آیا کرتے تھے۔ دونوں جاپانی اس کمپنی میں اعلیٰ عہدیدار تھے۔ یہ کمپنی
ل برداری کا کاروبار کرتی تھی جس کی خدمات قابض افواج نے حاصل کر رکھی تھیں۔ اگلی صبح ایک
ی ایم ڈبلیو کے ذریعے تینوں اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے ڈگلس کے قیام
کے لئے پہلے سے ایک گھر تلاش کر رکھا تھا یہاں بیٹھ کر ڈگلس نے اگلی منصوبہ بندی کرنا تھی اور اس
کو عملی جامہ پہنانا تھا۔

امریکی اور قابض افواج کی عراق میں آمد کے فوراً بعد گو کہ مقامی سطح پر ٹرانسپورٹ انڈسٹری بالکل منجمد ہو کر رہ گئی تھی لیکن یہاں پر موجود افواج کی ضروریات فضائی راستوں سے پوری کرنا ممکن نہیں تھا اور امریکی اور برطانوی فوج نے سب سے پہلے عراق پر قابض ہونے کے بعد زمینی راستوں کو مال برداری اور ٹرکوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دیا تھا۔ یہاں سے ان کے لئے سامان رسد عراق کے مختلف علاقوں میں پہنچایا جا رہا تھا۔ یہ سامان رسد زیادہ تر گلف اور کویت کے راستے سے پہنچتا تھا۔ گو کہ شام سے بھی ٹریفک عراق کی طرف آتی تھی لیکن بعض تحفظات اور سیکورٹی انتظامات کے تحت یہ ٹریفک بہت ہی محدود اور ان شہریوں پر مشتمل ہوتی تھی جو عراق سے شام یا شام سے عراق آتے تھے۔ انہیں تلاشی کے کڑے اور سخت مراحل سے گزرنے کے بعد یہاں داخل ہونے کی اجازت ملتی تھی۔ ایسے متعدد واقعات اب تک سامنے آ چکے تھے کہ اتحادی افواج نے معمولی شک ہونے پر شام کی طرف سے عراق میں داخل ہونے والی کسی بھی کار یا کوچ پر فائرنگ کی اور بہت سے لوگ اس سلسلے میں اپنی جانیں گنوا چکے تھے۔

عراقی شامی سرحد کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے والے امریکی ہیلی کاپٹروں کی طرف سے احساس عدم تحفظ کے تحت کی جانے والی فائرنگ کی زد میں آ کر بہت سے بے گناہ عراقی اور شامی اپنی جان گنوا چکے تھے اور شام کے سرحدی علاقوں میں خصوصاً جو سرحدی علاقے عراق کے ساتھ تھے اتحادی افواج کی طرف سے معمولی سے شک پر بھی گولہ باری یا ہیلی کاپٹروں کے ذریعے فائرنگ اب اخبارات کی خبروں کا معمول بن چکا تھا۔ آج بھی جاپانی ٹرالر معمول کے مطابق کویت سے امریکی افواج کے لئے اشیائے خورد و نوش لے کر پہنچا تھا جس میں جاپانی ٹرانسپورٹ کمپنی کے دو منیجر بھی موجود تھے جو اپنے مقامی ایجنٹ سے حساب کتاب بے باق کرنے کے لئے اپنے ٹرالر

کے ساتھ آئے تھے۔ یہ دونوں منیجر اپنے معمول کے مطابق ہر پندرہ روز بعد کویت سے بغداد آتے و حساب بے باق کرنے کے بعد واپس کویت چلے جایا کرتے تھے۔ انہیں اپنی کمپنی کی جانب سے بغداد میں کام کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ محدود قیام ان کے لئے ناگزیر تھا بصورتِ دیگر اس کا خطرہ بھی مول نہ لیا جاتا۔

آج دونوں معمول کے مطابق اپنے ہوٹل کے کمرے میں پہنچے۔ مغرب کے بعد جب کرفیو لگا تو ہوٹل بالکل سنسان ہو گیا۔ یہ بہت بڑا ہوٹل نہیں تھا۔ یہ ایک سرائے تھی۔ جہاں ڈرائیور قیام کیا کرتے تھے۔ ان کے کمرے کا ایک دروازہ سامنے اور ایک ہوٹل کے پچھواڑ میں کھلتا تھا۔

رات کا ایک پہر بیت چکا تھا جب چار مسلح افراد ہوٹل کے پچھواڑے سے بڑے محتاط انداز میں کمرے کے پچھلے دروازے تک پہنچے۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے اپنے پاس موجود چابی کے ذریعے پچھلا دروازہ کھولا۔ ایسے دکھائی دیتا تھا کہ اس سرگرمی میں ہوٹل کا مالک ان کے ساتھ شامل ہے۔ چاروں کمرے میں داخل ہوئے شراب کے نشے میں مدہوش سوئے ہوئے جاپانیوں کو اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ کب ان کے منہ پر کلوروفارم رکھ کر ان کی نیند کو مزید گہرا کر دیا گیا۔ اگلے تین چار منٹ بعد کپڑے کی چادروں میں لپٹے بنڈلوں کی صورت میں کندھوں پر لدے ہوئے تھے۔ انہیں اُٹھا کر وہ چاروں جس طرح یہاں تک آئے تھے اسی طرح چپ چاپ سامنے شاہراہ عبور کر کے اس وین تک پہنچ گئے جو پہلے سے ان کی منتظر تھی۔ اس وین کی لائٹس آف تھیں لیکن اس کا ڈرائیور اندھیرے میں دُور تک دیکھنے کی مہارت رکھتا تھا۔ وین نے اندھیرے میں اپنا سفر شروع کیا اور کچے پکے، ٹیڑھے میڑھے راستوں پر سفر کرتی ہوئی بغداد کے نواحی علاقے میں پہنچ گئی۔

■ ■ ■

جس کمرے میں دونوں جاپانیوں کو چارپائیوں پر لٹا دیا گیا یہ کمرہ ایسی جگہ تھا جہاں شور مچانے پر بھی آواز یہاں سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اس کمرے کا انتخاب ''موساد'' کے مقامی ایجنٹوں نے پہلے ہی سے کر لیا تھا۔

دونوں جاپانیوں کے اغواء کا علم کرنل مائیک اور ابوحسام دونوں کو تب ہوا جب اگلے روز انٹرنیشنل پریس کی طرف سے اغواء کنندگان کا ایک پیغام نشر کیا گیا۔ اس پیغام میں کچھ ایسے مطالبات دُہرائے گئے تھے جن کے پورا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اغواء کرنے والوں

نے ایسا ایک نام نہاد جہادی گروپ بھی بنا لیا تھا اور اس وقت کرنل مائیک اپنے ہیڈ کوارٹر میں پریشانی کے عالم میں ٹہلتا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے......؟ کرنل مائیک کے لئے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے مجاہدین اس طرح کا طریقہ اختیار کریں گے۔ اگر یہ سلسلہ ایک مرتبہ شروع ہو گیا تو پھر اس کے ختم ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

ایسی کوئی ہدایت اس نے اپنے لوگوں کو جاری نہیں کی تھی گو کہ اس کی طرف سے عراق میں بدامنی پیدا کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جارہی تھیں لیکن جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا وہ اس کا نہیں تھا اور یہ بات اس کے لئے پریشان کن تھی۔ کرنل مائیک اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر یہ حرکت زرقاوی کی طرف سے کی جاتی تو وہ لازماً اس کی ذمہ داری قبول کرتا جبکہ اس نے ذمہ داری قبول نہیں کی تو پھر آخر وہ تیسرا شخص کون ہو سکتا ہے۔ جس کی طرف سے اس نوعیت کی کارروائی کی جا رہی ہے۔ کیا بغداد میں برسرِ اقتدار مختلف گروپوں کے علاوہ کوئی اور بھی جہادی گروپ ایسا ہے۔ جس کی خبر ابھی تک کرنل مائیک کو نہیں پہنچی۔ یہ جہادی گروپ کہاں سے اچانک نمودار ہوا اور اتنی بڑی کارروائی کر گزرا۔ اس بات کے امکانات بڑے معدوم دکھائی دیتے تھے۔

کرنل مائیک نے دُھوپ میں بال سفید نہیں کئے تھے۔ اس کی پوری زندگی جوڑ توڑ میں گزری تھی۔ وہ یہ بات اچھی طرح جان سکتا تھا کہ پہلے سے اس معاشرے میں اپنی جڑیں رکھنے کے علاوہ کوئی شخص اچانک اس طرح کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کافی دیر تک سوچ و بچار کرنے کے بعد اس کے ذہن نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس حرکت کا مرتکب زرقاوی یا کوئی اور جہادی گروپ ہے اسے اب دوسرے امکانات پر غور کرنا تھا اور دوسرا امکان سوائے موساد کے اور کوئی نہیں تھا۔ ایک طویل عرصے یہودی ہونے کے ناطے موساد کے ساتھ کام کرنے کے بعد کرنل مائیک کو موساد کے متعلق کوئی خوش فہمی اور غلط فہمی نہیں رہی تھی۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ لوگ اپنا کام کرنے کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور آج بھی انہوں نے شاید یہی طریقہ اپنایا تھا۔

''کیا بریگیڈیئر شمعون مجھ سے ناراض ہے......؟''

''کیا یہ لوگ مجھ سے مایوس ہو چکے ہیں......؟''

یہ دو ایسے سوالات تھے جن کا مثبت جواب کرنل مائیک کے لئے کسی اعصابی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ یہ بات سی آئی اے کا ایک انتہائی شاطر ایجنٹ اور افسر ہونے کے ناطے اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر موساد اس سے ناراض ہو گئی اور وہ ان کا ٹارگٹ بن گیا تو پھر اس کے لئے بھی زندگی سے ہاتھ دھونے کے علاوہ کوئی اور راستہ باقی نہیں بچے گا۔ اسے بہر حال اپنے آپ کو بچانا تھا۔

کرنل مائیک کے لئے اُمید کی ایک کرن جو اس کے ذہنی اندھیروں میں معاون ثابت ہو سکتی تھی کہ اس نے اب تک جو خدمات موساد کے لئے انجام دی ہیں اس کے بعد اس کا وجود موساد کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے۔ عین ممکن ہے کہ انہوں نے یہ کام کرنل مائیک سے کروانا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اچانک ایک خوش فہمی سی اس کے دل و دماغ میں جم گئی۔ آخر وہ بھی تو اسی طرح کی کارروائیاں کرتے ہیں وہ بھی تو ایک ہی وقت میں مختلف لوگوں سے مختلف قسم کے کام لیتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے باخبر بھی نہیں رکھتے۔ یہی تھی ایک اُمید افزا سوچ جس نے کرنل مائیک کو قدرے مطمئن کر دیا تھا۔ اب وہ یہ اندازہ تو قائم کر چکا تھا کہ یہ کارروائی موساد کی ہے لیکن اسے اس بات کا اطمینان ضرور مل گیا کہ موساد نے ابھی اس کو اپنا ٹارگٹ نہیں بنایا اور ممکن ہے موساد کی اعلیٰ قیادت نے اسے مزید خطرے میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا یا اس مرحلے پر انہیں کسی اور نوعیت کی خدمات درکار ہوں۔ لیکن اس صورتِ حال کا ایک منفی پہلو بھی تھا اور وہ یہ کہ اب تک اس کی کی جانے والی کارروائیوں سے شاید بریگیڈیئر شمعون مطمئن نہیں تھا۔ اگر وہ مطمئن ہوتا تو ایک نئی طرح کی تخریبی سرگرمی کا آغاز بغداد میں نہ کرواتا۔

■ ■ ■

کرنل مائیک کے لئے ابوسرمد کے فرار کے بعد دوسری دھماکہ خیز اور پریشان کن خبر یہی تھی لیکن اس نے مایوس ہونا نہیں سیکھا تھا۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ زندگی کی جس بساط پر وہ اپنے مہرے آگے بڑھا رہا ہے یہاں توقع کے مطابق نتائج کبھی کبھی ہی ملتے ہیں اور عموماً صورتِ حال ایسی نہیں ہوتی جس کا تصور کیا جائے۔ اب اسے کچھ کرنا تھا۔ جلد از جلد کچھ کر گزرنا تھا جو بریگیڈیئر شمعون کو مطمئن کر سکے۔ اس کے لئے اس کے ذہن میں جو ایک اہم نام آتا تھا وہ حماد کا نام تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ لیفٹیننٹ مارتھا، حماد کی میٹنگ کے بعد اب حماد کے لئے فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں بچا۔ مارتھا، حماد سے کرنل مائیک کے حکم پر چمٹ گئی تھی اس نے پچھلے تین دنوں میں سات آٹھ

مرتبہ حماد سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ مسلم معاشرے کی شرم و حیا کی وجہ سے ممکن ہے کہ حماد اسے نظر انداز کر رہا ہو بصورتِ دیگر تو وہ اس کی زلفوں کا مکمل اسیر ہو چکا ہے۔

مارتھا کی بہرحال یہ کوشش تھی کہ وہ حماد کو اپنے جسمانی فریب کے جال میں جکڑے اور پھر اسے ہمیشہ کے لئے اپنا محتاج بنا لے، یہی ایک صورت تھی جو اس کے لئے اگلی کامیابیوں کا راستہ ہموار کرے لیکن اس کے بغیر بھی اگر حماد کام کرنے پر راضی ہے اور ان کی توقعات پر پورا اُترتا ہے تو پھر وہ اتنا تردّد بھی کیوں کرے۔ مارتھا نے سوچا۔

کرنل مائیک اس وقت اپنے کمرے کی مخصوص میز پر موجود تھا۔ کیپٹن سگو کے ساتھ گزشتہ میٹنگ میں اسے یہ بات سمجھ آ گئی تھی کہ سگو بالآخر ایک روایتی سولجر ہے اور ابھی تک اس نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو سی آئی اے کا ایجنٹ تسلیم نہیں کیا۔ وہ شاید یہی سمجھ رہا ہے کہ دوسرے امریکی فوجیوں کی طرح کچھ عرصے کے لئے اس کی خدمات بھی سی آئی اے نے مستعار لی ہیں۔ اب اسے اپنا کھیل مارتھا کے ذریعے آگے بڑھانا تھا اور اسی سلسلے میں اس نے اطلاعی گھنٹی بجا کے مارتھا کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

''کیسا جا رہا ہے تمہارا شکار......؟'' اس نے مارتھا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مطمئن رہیں سر......! میری گرفت سے کہاں جائے گا......؟ میں نے اس کے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔'' مارتھا نے جواب دیا۔

''اچھا......؟'' کرنل مائیک نے رومانوی انداز میں مسکراتے ہوئے مارتھا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یس سر......!'' مارتھا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کرنل مائیک کے لئے مارتھا اُمید کی آخری کرن تھی۔

''ٹھیک ہے......! آج سے اپنا کام شروع کر دو۔ میں براہِ راست اس کے ساتھیوں سے ملنے کے حق میں نہیں ہوں۔ تم ان دونوں سے ملاقات کرو۔ کیا نام بتایا تھا اس نے ان کا...... شرجیل اور لڑکی کا نام صالحہ تھا......؟''

''یس سر......! میرے ذہن میں محفوظ ہیں دونوں نام۔'' مارتھا نے جواب دیا۔

''ویل ڈن......! شاباش......! میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی سطح پر کسی نوجوان عراقی خاتون کا تمہارے ساتھ شامل ہونا ہمارے لئے نیک شگون ہے۔'' کرنل مائیک نے اُمید افزا نظروں سے مارتھا کی طرف دیکھا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سر......! لیکن یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ آپ شاید یہ بات نہ مانیں کہ بہت تیزی سے دُنیا میں آنے والے سیٹلائٹ کے انقلاب نے ان لوگوں کو بھی متاثر کیا ہے اور کیسے نہ کرتے سر......! اب تک انہیں کچھ دیکھنے یا سمجھنے کا موقع ہی کب ملا تھا۔ ان کی دُنیا تو ان کے گھروں درس گاہوں اور مختلف نوعیت کے مذہبی اداروں تک ہی محدود رہی ہے۔'' مارتھا نے جواب دیا۔

''ہاں......! لیکن یہ بات اپنے ذہن سے کبھی نہ نکالنا کہ ان کا دماغ کسی بھی مرحلے پر خراب ہو سکتا ہے۔ تم ابھی اس کھیل کی نئی کھلاڑی ہو۔ میری ساری زندگی اسی کھیل کی نذر ہو گئی اور میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ کسی بھی مرحلے پر ان میں اچانک ایسی تبدیلی آتی ہے جو سب کچھ تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔''

یہ بات کرتے ہوئے کرنل مائیک کا ذہن ناصر کی طرف گیا جس نے اس کی توقعات کے بالکل برعکس ایسی حرکت کی تھی جس نے پورے ہیڈ کوارٹر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ناصر کی طرف سے ہونے والے خودکش حملے میں امریکی سٹرٹیجک فورسز کو نئی حکمتِ عملی اپنانے پر مجبور کر دیا تھا اور اب ان لوگوں کو اپنے حفاظتی اقدامات کے سلسلے میں کئی گنا زیادہ اخراجات کرنے پڑتے تھے۔

''آپ یہ سمجھئے کہ میرا کام آج سے شروع ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر بعد حماد اور اس کے ساتھیوں سے ملاقات کروں گی اور اگلے دس پندرہ روز میں ان لوگوں کی باقاعدہ کارروائیوں کا آغاز ہو جائے گا۔ آپ میری طرف سے بہت جلد بہترین نتائج وصول کریں گے۔'' مارتھا نے بڑے پُرعزم لہجے میں کرنل مائیک سے کہا۔

''او۔کے......! وِش یو آل دا بیسٹ......!'' کرنل مائیک نے کہا۔

مارتھا سمجھ گئی تھی کہ یہ اس کے لئے باہر جانے کا اشارہ ہے۔ اس نے کرنل مائیک کو سیلوٹ کیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

■ ■ ■

ابوحسام اور زرقاوی اپنی اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھے صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ دونوں کے لئے یہ بات کسی عجوبے سے کم نہیں تھی کہ کسی نے دو جاپانی ڈرائیوروں کو اغواء کر کے عجیب وغریب ایسے مطالبات کی فہرست پیش کردی ہے جو ناقابل عمل ہے۔

"مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آرہی کہ یہ کون لوگ ہیں......؟" ابوحسام نے زرقاوی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بات سمجھنے کے لئے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں۔" زرقاوی نے چند لمحے سوچنے کے بعد اپنی بات شروع کی۔

"آپ صرف اس ایک بات سے ان لوگوں کی اصلیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کی طرف سے مطالبات کی جو فہرست پیش کی گئی ہے وہ کسی بھی صورت قابلِ عمل نہیں اور نہ ہی انہوں نے سودے بازی کی کوئی گنجائش چھوڑی ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو......؟" کیا مطلب ہے تمہارا......؟" ابوحسام نے سوالیہ نظروں سے زرقاوی کی طرف دیکھا۔

"بات سیدھی اور صاف ہے شیخ......! کہ یہ حرکت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس سے ہمیں پہلے واسطہ پڑ چکا ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں ناں......؟" اس مرتبہ زرقاوی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اوہ......! تو یہ بات ہے......؟" ابوحسام نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا ذہن کس طرف جاتا ہے......؟" ابوحسام نے سوالیہ انداز میں زرقاوی کی طرف دیکھا۔

"یہ موساد کا کام ہے۔" زرقاوی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا جس پر ابوحسام چونک گیا۔

"کیا......؟ موساد کا......؟ لیکن ابھی تک ان لوگوں کی یہاں موجودگی کا کوئی ثبوت تو نہیں ملا۔" ابوحسام نے یقین اور غیر یقینی کے ملے جلے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ لوگ اپنی موجودگی کا ثبوت اسی طرح دیتے ہیں میں طویل عرصے سے ان کے خلاف جنگ کر رہا ہوں مجھے بیروت سے پیرس تک اور لندن سے تل ابیب تک کئی مرتبہ میدانِ عمل میں اُتر کر ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی ہے۔ جس کرنل مائیک کا ذکر حماد ہم سے

کرتا ہے جو یہاں سی آئی اے کے سٹیشن چیف کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ شاید آپ کے لئے یہ بات عجوبے سے کم نہ ہو کہ اس کی حیثیت موساد کے ایک ایجنٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔" زرقاوی نے آخری بات کر کے ابوحسام کو چونکا دیا۔

ابوحسام سیدھا سادہ مجاہد تھا۔ انٹیلی جنس کی ہیرا پھیریاں جاسوسی کی فریب کاریاں اس کا موضوع کبھی نہیں رہا تھا۔ اس نے طویل عرصہ عراق کی فوج میں خدمات انجام دینے کے بعد فوج چھوڑ دی تھی اور عراق پر غیر ملکی افواج قابض ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر بادلِ نخواستہ ہتھیار اُٹھا لئے تھے تاکہ اپنی سرزمین کو دُشمن کے پنجے سے رہائی دلانے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ وہ اس سے پہلے زرقاوی کو بھی نہیں جانتا تھا اس نے زرقاوی کا صرف نام سنا تھا۔ زرقاوی نے کسی ذریعے سے ابوحسام سے رابطہ قائم کیا تھا اور ابوحسام کو کسی بھی ایسے باعمل مجاہد کی بغداد آمد پر کوئی اعتراض نہیں تھا جو ان کے جہاد کو آگے بڑھائے اور ان کی مدد کرتا۔ لیکن کچھ عرصہ زرقاوی کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ یہ بات اچھی طرح جان گیا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی شخص ہے اور اب تک اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ہی موساد اور سی آئی اے کے شکنجے سے بچا ہوا ہے ورنہ تو زرقاوی کے خلاف دُنیا بھر میں دُنیا کی بڑی بڑی ایجنسیوں نے جال پھیلائے ہوئے تھے۔ کسی نہ کسی جال میں اس کا پھنس جانا کسی بھی صورت ممکن ہو سکتا تھا۔

"میں ان لوگوں کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں ان کے کام کرنے کے طریقے اب میرے لئے بہت پرانے ہو چکے ہیں۔ مجھے اس بات کا پہلے سے یقین تھا کہ عراق ہی نہیں اُردن شام غرض اس خطے میں موجود کوئی بھی ایسا مسلم ملک مجھے دکھائی نہیں دیتا جہاں موساد نے بہت مضبوطی سے اپنے پنجے نہ گاڑ رکھے ہوں۔" اُس نے رُک کر ابوحسام کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ضمیر فروش، وطن فروش، نام نہاد مسلمان کہاں نہیں اور اپنی قوم کی کمزوریوں سے کیا آپ بھی میری طرح آگاہ نہیں......؟ کیا ہماری یہ تاریخ نہیں کہ ان کمزوریوں کے ہاتھوں ماضی میں ہم کس طرح رُسوا ہوتے رہے ہیں......؟ اور یہ بھی ہماری تاریخ کا المیہ ہے کہ ہم نے تاریخ سے کبھی سبق نہیں سیکھا۔ آج بھی ہم اسی صورتِ حال سے دوچار ہیں یا شیخ......! یہ کام موساد نے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے کروایا ہے۔ وہ لوگ آسمان سے نازل نہیں ہوئے وہ اسی ملک اور عین ممکن ہے کہ اسی شہر کے باشندے ہوں......اور ہاں......! یہ بھی ممکن ہے کہ ہم میں سے بھی کوئی ہوں۔

آپ میری بات سے پریشان نہ ہوں۔ لیکن جب مقابلہ موساد سے ہو تو کسی بھی امکان کو نظرانداز کرنے کی حماقت کبھی نہ کیجئے۔''

زرقاوی نے آخری بات اس انداز سے کہی تھی جس نے ابوحسام کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسے اندازہ ہونے لگا تھا کہ دُشمن ان کے لئے لڑائی کا میدان وسیع کرتا جا رہا ہے اور یہی وہ کامیاب حکمتِ عملی ہے جس کے بل بوتے پر اس نے پوری دُنیا کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ ایک کے بعد ایک نیا محاذ کھل رہا تھا۔ پہلے لاء اینڈ آرڈر کو تباہ کر کے لوٹ مار کے ذریعے عراقی معاشرے کی کور (Core) کو توڑنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن زمین میں اپنی جڑیں گہری رکھنے والا مسلم معاشرہ جھٹکے کو برداشت کر گیا جس کے بعد فرقہ واریت کا زہر پھیلایا جا رہا تھا۔ اس کے بھی متوقع نتائج ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوئے تھے اور اب قابض افواج کے خلاف برسرِ جہاد سرفروشوں کو اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے بدظن کرنے، ان کے خلاف عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے اور مختلف ممالک کے لوگوں کو اغوا کر کے ان کا الزام مجاہدین کے سر تھوپنے کی کوششیں شروع کر دی گئی تھیں تاکہ پوری دُنیا میں مجاہدین کے خلاف نفرت پیدا کی جا سکے۔

اسرائیل کے شہ دماغوں کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ عالمی رائے عامہ میں عراق پر حملے کے خلاف زبردست نفرت کی جا رہی ہے۔ عراق پر قبضے کے بعد امریکہ اور یورپ میں لاکھوں کی تعداد میں نکلنے والے جلوس اس بات کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی تھے کہ یہ جنگ امریکہ اور اسرائیل کی جنگ تو ہو سکتی ہے ساری دُنیا کی جنگ نہیں ہے۔ اور اسرائیل کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ اس جنگ کو ساری دُنیا میں پھیلا دے۔ اس کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے، کیا ہتھکنڈے اپنائے جائیں اور کن لوگوں کو اس کا ایندھن بنایا جائے اس کا فیصلہ ابھی انہوں نے خود بھی کرنا تھا۔

''یہ تو بڑی پریشان کن بات ہے۔ اس طرح تو ہم پوری دُنیا میں رُسوا ہو کر رہ جائیں گے۔ ہمارے پاس تو اپنی بات دُنیا تک پہنچانے کے لئے کوئی موثر ذریعہ بھی موجود نہیں میرا مطلب ہے جتنے مضبوط نشریاتی ادارے دُشمن کے پاس موجود ہیں ہم تو ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' ابوحسام نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

''ہاں......! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس بات کا مجھ سے زیادہ علم اور احساس کسے ہو سکتا ہے

جو خود اس سازش کا شکار ہے اور میرے جیسے کچھ اور لوگ جنہیں عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے میڈیا ٹرائل کیا جا رہا ہے اس کی بہترین مثال ہے آپ ہمارے ساتھی ہیں آپ ہمارے نظریات اور ہمارے جہاد سے اچھی طرح آگاہ ہیں اس میں ایسی اوچھی حرکتوں کی گنجائش نہیں۔ ہم سروں پر کفن باندھ کے میدانِ جہاد میں اُترے ہیں۔ ہمارا مقصود اپنے لوگوں کی آزادی ہے اپنی آزادی ہے اس کے لئے بھلا ہم کمزور، بے بس اور سویلین لوگوں کو اپنا نشانہ کیوں بنائیں گے......؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم خودکش حملے نہیں کرتے، ظاہر ہے کسی بھی مجبور اور بے بس انسان کا یہ آخری ہتھیار ہو سکتا ہے۔ آخر اپنے مقصد کے حصول کے لئے آپ اپنی جان ہی دے سکتے ہیں لیکن یہ بات میں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ ہم اغواء کی واردات میں ملوث ہیں۔ بہرحال ایک بات تو طے ہو گئی کہ مجھے اپنے جس دُشمن کی تلاش تھی وہ ڈھونڈتا ہوا خود بھی میرے پیچھے یہاں آ گیا ہے اور اب جلد ہی ہم ایک دوسرے سے دو دو ہاتھ کریں گے۔'' زرقاوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہتے ہو تم میرے دوست......! اب ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟'' ابوحسام نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا کرنا چاہئے......؟ آپ اس کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں کہ اپنی حیثیت میں اپنا وضاحتی بیان عالمی میڈیا تک پہنچا دیں......؟ جس میں اغوا سے لاتعلقی کا اعلان کیا جائے اور دُنیا کو سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ ہم ایسے اوچھے ہتھکنڈوں کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بے بس، نہتے اور بے گناہ انسانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ ہمارا مقابلہ سویلین اور بے گناہ لوگوں سے نہیں، ہمارا مقابلہ اپنے بے چارے احکامات کے پابند فوجیوں سے بھی نہیں جو مجبوراً ہمارے سروں پر مسلط ہیں، ہمارا مقابلہ تو ان شیطانی ذہن رکھنے والے انسان نما درندوں سے ہے جو ہمیں روند ڈالنے اور یہاں حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور جن کے خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوں گے۔'' زرقاوی نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے......! میں ابھی اس کا اہتمام کرتا ہوں۔'' ابوحسام یہ کہتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں پہنچ کر اس نے زرقاوی کی تجویز پہ عمل کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

صالحہ، شرجیل اور حماد یہ اس وقت مارتھا کے ساتھ موجود تھے۔ مارتھا ان تینوں کو پستول چلانے کی تربیت دے رہی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان لوگوں نے اگلے دس منٹ میں پستول لوڈ اور ان لوڈ کرنے اور فائر کرنے پر دسترس حاصل کر لی تھی۔ نشانہ بازی اُن کے لئے معمول کا معاملہ تھا۔ فی الوقت اسے اسی سے آغاز کرنا تھا۔ اس نے تینوں کو گولیوں کے ساتھ پستول اور مخصوص شناخت نامے دے دیئے تھے جو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش تھی کہ وہ اب ان کے ساتھی بن چکے ہیں اور انہیں اس مقہور معاشرے میں امتیازی حیثیت ہو چکی ہے۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں انہیں لیفٹیننٹ مارتھا کی مکمل پشت پناہی حاصل رہے گی۔

''تمہاری یونیورسٹی میں کلاسوں کا آغاز ہو چکا ہے۔'' اس نے صالحہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اور میں یہ چاہتی ہوں کہ تم جتنی جلدی ممکن ہو اپنے کچھ اور دوستوں کو ساتھ ملاؤ تاکہ ہم اپنے اس مشن کا جلد از جلد آغاز کریں۔''

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟'' صالحہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''تم اس بات سے مطمئن رہو۔ میرے دوست کرنل صاحب سے ملنے کے بہت خواہش مند ہیں۔'' اچانک حماد نے کہا۔

مارتھا نے چند ثانیے حماد کی طرف دیکھا۔ شاید وہ اپنی مخصوص پیشہ ورانہ تربیت کی بنیاد پر پیدا ہونے والے خدشات کا جائزہ لے رہی تھی لیکن خود بھی اس نے یہ رائے قائم کی کہ حماد کا اس کے علاوہ کوئی اور مطلب نہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو اس بات کا یقین دلا سکے کہ امریکی فوج کے بڑے بڑے افسران کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور انہیں ان لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ممکن ہے وہ اپنے ساتھیوں پہ اثر انداز ہونے کے لئے کرنل مائیک سے انہیں ملوانا چاہتا ہے۔

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟ آج کل کرنل صاحب ذرا مصروف ہیں وہ کچھ دنوں کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔ جب واپس آئیں گے تو فوراً تمہاری ملاقات ان سے کروا دی جائے گی اور اس کے لئے میری ضرورت بھی کیا ہے وہ خود تم سے بہت محبت کرتے

ں۔ تمہیں تو اس بات کا اندازہ ہونا چاہئے۔'' اس نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! میں ان کا شکر گزار ہوں۔'' حماد نے جواب دیا۔

پانچ روز تک مارتھا ان لوگوں سے ایک مخصوص دفتر میں ملاقات کرتی رہی۔ انہیں تربیت کے مختلف مراحل سے گزارتی رہی۔ اس بات کا اندازہ اسے کبھی نہ ہو سکا کہ جو تربیت وہ حماد، رجیل اور صالحہ کو دے رہی ہے کم از کم صالحہ اور شرجیل وہ تربیت پہلے بھی حاصل کر چکے ہیں۔

البتہ انہیں کمیونی کیشن کے جدید ترین ذرائع میسر تھے۔ انہیں بہترین ہتھیاروں سے لیس کر دیا گیا تھا اور بہت سے ہتھیار اور گولہ بارود ان کے لئے تیار تھا۔ ان پانچ سات دنوں میں بوحسام نے بہت ہوشیاری کے ساتھ دس اور اپنے ساتھیوں کو اس گروپ میں شامل کروا دیا تھا۔ یہ نام وہ لوگ تھے جو مجاہدین کے ساتھی تھے لیکن اب وہ سب کرنل مائیک کے ساتھی بن چکے تھے۔

بوحسام کرنل مائیک کی سازش کا مقابلہ زرقاوی کی معاونت سے اپنی سطح پر کرنے جا رہا تھا اور وہ دن رات اس بات کے لئے دُعا گو رہتا تھا کہ جن بچوں کو اس نے دُشمن کے ٹھکانے پہ بھیج دیا ہے وہ دُشمن کے شر سے محفوظ رہیں۔ اسے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ یہ لوگ کتنے تربیت یافتہ ہیں لیکن وہ جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے کسی بات کا خوف ہو جو زندگی میں سوائے عراق کی آزادی کے اور کسی بات کا خواہش مند ہو اور اس آزادی کے لئے کوئی بھی قیمت ادا کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اب انہیں اس خاص مرحلے کا انتظار تھا جس کی وہ دن رات دُعائیں مانگا کرتے تھے۔

ابوحسام کے ساتھ زرقاوی کو بھی اس خاص موقع اور مرحلے کا انتظار تھا جب وہ اپنی ریمنگٹن رائفل کو جسے حاصل کرنے کے لئے اس نے کافی پاپڑ بیلے تھے، استعمال میں لا سکے۔ یہ رائفل اسے استعمال تو اسرائیل میں کرنی تھی لیکن اس کے ذرائع نے ایسی خبریں دینی شروع کر دی تھیں کہ اس کا موقع اسے عراق میں بھی مل جائے گا۔ زرقاوی بہت ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک تھا۔ وہ منصوبہ بندی کے بعد صبر اور برداشت کے ساتھ طویل انتظار کا قائل تھا۔ اسے گزشتہ تین سال سے کرنل مائیک اور بریگیڈیئر شمعون کا انتظار تھا۔ بریگیڈیئر شمعون سے اس کا تعارف تب ہوا تھا جب شمعون کرنل کی حیثیت سے موساد کے اعلیٰ عہدے پہ فائز تھا اور اسے سیدون میں اس کے ہاتھوں زک اُٹھانی پڑی تھی۔

کرنل شمعون نے اچانک حملہ کر کے زرقاوی کے چھ ساتھیوں کو مار ڈالا تھا۔ یہ اس کے بہت قریبی دوست تھے۔ زرقاوی کی زندگی صرف اس لئے محفوظ رہی کہ وہ لمحات جب اسرائیل کمانڈوز نے سیدون میں ان کی محفوظ پناہ گاہ پر ان کے متحارب گروپ کی مدد سے حملہ کیا تو زرقاوی کسی کام کے سلسلے میں اس پناہ گاہ کے کچھ فاصلے پر دوسری پناہ گاہ میں موجود تھا۔ اسے اپنے ان پیارے ساتھیوں کی شہادت کی خبر ملی جو زرقاوی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ موساد شکاری کتے کی طرح بیروت میں اس کی بو سونگھتی پھر رہی ہے۔ ان کے متحارب گروپوں کے ذریعے وہ لوگ زرقاوی اور اس کے ساتھیوں کو چن چن کے مار رہے تھے۔ اس نے فوری طور پر بیروت سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ زرقاوی بیروت سے نکلا اور آئرلینڈ پہنچ گیا۔

یہاں ایک محفوظ پناہ گاہ میں اس نے ایک سال کا عرصہ خاموشی سے گزارہ۔ اس دوران اس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اپنی منتشر قوت کو جمع کیا۔ اپنے زخم خوردہ

ساتھیوں کے زخموں پر مرہم رکھا۔ ان کے ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو اُمید دلائی اور اپنے ہمدرد ساتھیوں کے تعاون سے جن میں صرف مسلمان ہی نہیں اس کے عیسائی ہمدرد بھی شامل تھے، اپنے گروپ کو منظم کیا اور یہ لوگ اس قابل ہو گئے کہ موساد نے ان پر جو بہت بڑا قرض مسلسل چڑھایا، اس کا کم از کم کچھ حصہ سود سمیت ادا کر سکیں۔ سیدون سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والا زرقاوی جب ڈیڑھ سال بعد واپس بیروت پہنچا تو وہ ایک مکمل تبدیل شدہ مجاہد تھا۔

آئرش ری پبلکن آرمی نے اسے تربیتی کیمپوں میں عسکری تربیت کے ایسے سخت مراحل سے گزارا تھا جس سے شاید اسرائیلی کمانڈوز بھی نہیں گزرے اور اسے انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے پھیلائے جانے والے دلفریب جال سے بچنے کی تربیت حاصل ہو چکی تھی۔ آئرش آزادی پسندوں کے ساتھ دو تین بڑی مہمات میں حصہ لینے کے بعد نہ صرف اسے اُن کی مکمل ہمدردی حاصل ہو گئی تھی بلکہ اس بات کا بھی پتہ چل گیا تھا کہ قابض اور غاصب افواج کے صرف مشینی دستوں سے ہی انہیں جنگ نہیں لڑنی پڑتی بلکہ انہیں متحرک رکھنے والے شیطانی ذہنوں سے بھی چوکس رہنا پڑتا ہے جو دراصل ان کے اصلی دُشمن تھے۔ زرقاوی نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ ان دُشمنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارے گا۔ اس نے اپنے کام کا آغاز سیدون سے کیا۔ سیدون واپس آنے کے بعد اس نے بڑی تگ و دو کرنے کے بعد اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ وہ کون ہیں جنہوں نے اس کے ساتھیوں کی مخبری کی تھی۔ یہ لوگ اب بیروت میں بڑی خوش حال زندگی گزار رہے تھے تعداد میں بہت کم ہونے کے باوجود زرقاوی کو ایسے ساتھیوں کی مدد حاصل تھی جو اس کے ایک اشارے پر جان پر کھیلنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اپنے ان ساتھیوں کی مدد سے اس نے ان دو مخبروں کو ڈھونڈ نکالا جن کے لگائے زخموں کو ابھی تک اس نے اپنے دل میں بسایا ہوا تھا۔ ان دونوں کو باری باری ایک اذیت ناک موت سے ہمکنار کرنے کے بعد اس نے ان کی لاشیں اور مرنے سے پہلے تفتیشی مراحل کی فلمیں اور ان کے بیانات ریکارڈ کرنے کے بعد موساد اور دُنیا بھر کے ان ذرائع تک پہنچا دی تھیں۔ جہاں سے اس کا پیغام پوری دُنیا میں پھیل سکتا تھا۔ اس نے موساد کو یہ پیغام پہنچا دیا کہ اب وہ پہلے والا سیدھا سادہ مجاہد زرقاوی نہیں رہا بلکہ ان کی طرح ایک شاطر چال باز، انتہائی چوکنا اور بہت کچھ کر گزرنے والا زرقاوی بن چکا ہے۔

اس نے اپنا کبھی کوئی مستقل ٹھکانا نہیں رکھا تھا اور یہی اب تک اس کی زندگی کا راز بھی تھا۔

اس کا دُشمن بھی یہ بات جانتا تھا کہ زرقاوی اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اپنے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے انہوں نے متعدد مرتبہ زرقاوی پر حملے کئے تھے لیکن عموماً یہی ہوتا کہ کہیں وہ ایک دن پہلے اور کہیں دو تین گھنٹے پہلے نکل جاتا تھا۔ زرقاوی کا تعاقب موساد نے پوری دُنیا میں کیا اور زرقاوی نے بھی یورپ کے ہر اہم ملک میں موساد کے ایسے دُشمن تلاش کر لئے تھے جو اسے محفوظ پناہ گاہیں فراہم کرتے اور وہ لوگ مل کر اپنے مشن کو آگے بڑھاتے تھے۔ یہ سب موساد کے زخم خوردہ لوگ تھے جو اب زرقاوی کے قدرتی حلیف بن گئے تھے۔ زرقاوی کو بڑی شدت سے کرنل شمعون کی تلاش تھی جو اب بریگیڈیئر شمعون بن کر موساد کے ایک اہم عہدے پر فائز تھا اور اس کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق جس کا آنا جانا اُردن اور شام میں لگا رہتا تھا۔

زرقاوی یہ چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح وہ اُردن شام یا عراق میں آئے اور دونوں آمنے سامنے ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ اسے زندگی سے زندہ رہنے سے کوئی ایسا لگاؤ نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ بریگیڈیئر شمعون سے اپنے ان ساتھیوں کی موت کا انتقام لے سکے جسے اس کے درندوں نے بے رحمی سے سیدون میں مارا تھا۔ اس سے پہلے صابرہ اور شیطلہ کے کیمپوں میں اسرائیلی فوج کے ہاتھوں اس کے والدین اور بہن بھائی اذیت ناک موت مر چکے تھے۔ رہی سہی کسر بریگیڈیئر شمعون نے پوری کر دی تھی۔ اب وہ دُنیا بھر میں بریگیڈیئر شمعون کو ڈھونڈتا پھرتا تھا جبکہ بریگیڈیئر شمعون دُنیا بھر میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہے تھے۔ دونوں اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ دونوں کبھی نہ کبھی ایک دوسرے کا شکار ہو جائیں گے۔

ابوحسام اور زرقاوی کی توقعات کے عین مطابق اغوا کنندگان نے اپنی ڈیمانڈ میں کمی کرنے سے انکار کرتے ہوئے صرف 70 گھنٹے کے بعد دونوں بے گناہ جاپانیوں کو اذیت ناک موت سے دوچار کر دیا۔ ان دونوں کے قتل کی باقاعدہ ویڈیو بنائی گئی۔ ویڈیو عالمی پریس کے لئے جاری کی گئی جس میں ان نام نہاد مجاہدین کی طرف سے یہ دھمکی موجود تھی کہ اگر دُنیا کے دوسرے ممالک نے بھی قابض فوجوں کی مدد سے انکار نہ کیا اور کسی بھی حوالے سے وہ مدد کرتے رہے تو وہ ان کے شہریوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ اس دھمکی میں خطرناک حصہ وہ تھا جس میں کہا گیا تھا

کہ جنگ عراق تک محدود نہیں رہے گی بلکہ وہ متعلقہ ممالک کے خلاف دہشت گردی کے لئے ان ملکوں میں اپنے لوگوں کو داخل کر دیں گے۔ جاپانی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنے مقامی ذرائع کے حوالے سے اور اپنی تربیت کے بل بوتے پر جلدی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بھی دھوکے کا شکار ہو گئے ہیں۔ گو کہ ابھی تک براہِ راست انہوں نے موساد پر اُنگلی نہیں اُٹھائی تھی لیکن اپنی حکومت کو پیش کی جانے والی رپورٹ میں یہ بات اشارتاً بتا دی گئی تھی کہ یہ حرکت مجاہدین نے نہیں بلکہ مجاہدین کے دُشمنوں نے کی ہے۔

ابوحسام اور اس کے ساتھی پہلی ہی وارننگ جاری ہونے کے بعد سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ جاپانیوں کے قتل کے بعد از خرابی بسیار وہ مختلف شواہد تلاش کرتے کرتے بالآخر اس سڑک تک پہنچ گئے تھے جہاں جاپانیوں نے قیام کیا تھا۔ اس سرائے کا مالک ایک سزا یافتہ سابقہ عراقی فوجی تھا۔ جو بہت عرصے سے دُنیا کی مختلف ایجنسیوں کے لئے اس نوعیت کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ ابو مروان کے نام سے شہرت یافتہ اس سابقہ فوجی کو صدام کے دور میں متعدد مرتبہ جیل آنا جانا پڑا تھا۔ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث پولیس میں اس کا پرانا ریکارڈ موجود تھا۔ اس شخص کا بھی اس گھناؤنے کھیل میں کہیں نہ کہیں ہاتھ ضرور تھا۔

وہ اپنے معمول کے مطابق رات کو اپنے ماتحت کو سرائے کی ذمہ داریاں سونپ کر سرائے سے نکل کر پیدل ہی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرائے اور گھر کے درمیان قریباً ایک ڈیڑھ کلو میٹر کا فاصلہ تھا جو مروان پیدل ہی طے کیا کرتا تھا۔ اسے ایک اُجاڑ اور بیابان صحرائی علاقے سے گزر کر اپنے گھر پہنچنا پڑتا تھا۔ یہاں سے اس کے گھر کی طرف جانے والی جو سڑک صحرا میں سے گزرتی تھی شام کے بعد ٹریفک کے لئے عملاً بند ہو جاتی تھی۔ اس چھوٹی سڑک پر علی الصبح معمولی ٹریفک کا آغاز ہوتا اور اِکا دُکا گاڑیاں ہی اس طرف سے گزرتی تھیں۔ یہ سڑک نزدیک کے دو تین دیہاتوں کو بھی بڑی سڑک سے ملاتی تھی۔ ابو مروان ابھی آدھے راستے میں ہی پہنچا تھا جب اچانک اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے میجر ڈگلس نے یہ بات سمجھائی تھی کہ اب وہ محتاط رہا کرے کیونکہ انہیں اس بات کا شک ہے کہ زرقاوی اس علاقے میں موجود ہے اور زرقاوی ان کی پلاننگ سے آگاہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ اسے کسی مرحلے پر زرقاوی کا سامنا کرنا پڑے لیکن ابو مروان نے کسی بھی نوعیت کی کوئی احتیاطی تدبیر اختیار کرنے سے انکار کرتے ہوئے اپنی جلت

کے مطابق اپنی ضد قائم رکھی اور میجر ڈگلس کی بات پہ ہنستے ہوئے اس نے کہا تھا کہ شاید وہ ڈر گیا ہے۔

ابو مروان کے لئے کسی کو مار دینا یا کسی کے ہاتھوں مر جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسی ایسی گھناؤنی وارداتیں کی تھیں جن کی ہوا بھی کبھی عراقی انٹیلی جنس کو نہیں لگی تھی۔ جرائم کی دُنیا میں اس کا ایک اہم مقام تھا۔ آج بھی وہ اپنا پستول لگائے معمول کے مطابق اپنے گھر جا رہا تھا جب اس پر اچانک قیامت ٹوٹی اور صحرائی جھاڑیوں سے نکل کر تین مسلح نوجوان اس کے سامنے آ گئے۔ اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ اپنے پستول پر پہنچتا، ایک نوجوان کے ہاتھ کی زوردار ضرب اور دوسرے کی کلاشنکوف کا بٹ ایک ہی وقت میں اس کے جسم کے دو حصوں پر لگے اور وہ بے بس ہو کر زمین پہ گر پڑا تو جس نوجوان نے اسے ضرب لگائی اس نے بڑی پھرتی سے مروان کا پستول نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ مروان کو کسی بات کی سمجھ آئے اس کے سر کے پچھلے حصے پہ لگنے والی ایک ضرب نے اسے ہوش وخرد سے بیگانہ کر دیا۔

* * *

بغداد کی شاہراہِ غوث ان دنوں جب بغداد کسی بھی حوالے سے محفوظ تصور نہیں کیا جاتا تھا، ان تمام غیر ملکیوں کے لئے قدرے محفوظ بنا دی گئی تھی جو اس شاہراہ پر واقع بڑے بڑے ہوٹلوں میں قیام پذیر رہتے تھے۔ یہ ہوٹل صدام دور میں تعمیر کئے گئے تھے اور کسی بھی لحاظ سے ان کا شمار یورپ کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں حاصل سہولیات سے کیا جا سکتا تھا۔ شاہراہ کو آنے والے دو یا تین جتنے بھی راستے تھے ان پر امریکی بکتر بند گاڑیاں مسلح فوجیوں کے ساتھ گشت کرتی رہتی تھیں اور ہر اہم ہوٹل کے سامنے ایک یا دو بکتر بند گاڑیاں کسی بھی ناگہانی آفت سے نمٹنے کے لئے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔

ہوٹل الحیات اور ہوٹل سندباد ایک ہی رو میں واقع تھے۔ دونوں ہوٹلوں کی پارکنگ قریباً ایک ہی تھی اور دونوں کے درمیان بمشکل سوا یا ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ تھا۔ ہوٹل الحیات کی مشرقی سمت واقع کھڑکیاں ہوٹل سندباد کی مغربی کھڑکیوں کے سامنے کھلتی تھیں۔ اس وقت گو کہ ناشتے کا دور چل رہا تھا ہوٹلوں میں مقیم غیر ملکی نمائندے یو این او کے مختلف عہدیدار اور مختلف حوالوں سے بغداد میں کام کرنے والی تنظیموں کے نمائندے اپنے اپنے کمروں سے اُٹھ کر ڈائننگ ہال کا رُخ کر رہے

تھے۔ قریباً دو ماہ کی بندش کے بعد گزشتہ آٹھ روز سے ان ہوٹلوں کے حالات کچھ قدرے بہتر ہو گئے تھے۔

اس سے پہلے یہاں مہمانوں کو بڑا مختصر مینو فراہم کیا جاتا تھا اور ڈھنگ سے صبح کے ناشتے کا بندوبست بھی نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ بغداد کے حالات تھے۔ تمام قابل ذکر مارکیٹیں مکمل طور پر تباہ و برباد ہو چکی تھیں یا انہیں لٹیروں نے لوٹ لیا تھا یا امریکی گولہ باری اور بمباری کی نذر ہو گئی تھیں۔ اب پندرہ بیس روز سے اِکا دُکا دکانیں کھلنے لگی تھیں۔ وہی بغداد کے شہریوں کے لئے اشیائے ضرورت فراہم کر رہی تھیں۔

سندباد ہوٹل کا کمرہ نمبر 22 بطورِ خاص ابو احمد کے لئے بک ہوا تھا اس کی وجہ اس ہوٹل کے استقبالیہ ڈیوٹی پر موجود اس کا دیرینہ دوست تھا جو ابو احمد کو اُردن کے تاجر کی حیثیت سے جانتا اور اس کے لئے طویل عرصے سے مختلف نوعیت کی سہولیات فراہم کرتا آ رہا تھا۔ ابو احمد جس وقت اپنے کمرے میں موجود کافی سے دل بہلا رہا تھا اس کی نظریں بار بار ہوٹل الحیات کی طرف جاتیں۔ پھر وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر اپنے ہوٹل اور الحیات ہوٹل کے درمیان پارکنگ کو دیکھنے لگ جاتا جس میں بمشکل دو یا تین کاریں کھڑی تھیں۔ اس کا مہمان ابھی تک نہیں آیا تھا۔

''کہیں دیئے ہوئے وقت سے وہ لیٹ تو نہیں ہوا۔'' ابو احمد نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''لیکن ابھی اس کے پہنچنے میں پانچ چھ منٹ باقی ہیں۔'' گھڑی کی طرف دیکھ کر اسے خیال آیا اور دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اپنے دروازے کی کھڑکی بند کر کے وہ دوبارہ اسی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا جس کے سامنے کچھ فاصلے پر موجود ٹی وی پر ابھی دو تین چینل شروع ہوئے تھے جن میں سی این این بھی ایک چینل تھا اور وہ احمد کے لئے کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی کہ یہاں تین ماہ کی بندش کے بعد شروع ہونے والے چینلز میں غیر ملکی چینل ہی زیادہ اہمیت کے حامل تھے۔ بغداد کا ایک مقامی چینل شروع کیا گیا جس پر سوائے قابض افواج کے حق میں پروپیگنڈہ اور صدام دور کے ظلم کی کہانی سنانے کے اور کچھ دیکھنے اور سننے کو نہیں ملتا تھا۔ خبریں ختم ہونے پر اس نے ٹی وی کا سوئچ آف کیا اور جیسے ہی دوبارہ اس نے اپنا ہاتھ کافی کے مگ کی طرف بڑھایا دروازے پر آہٹ ہوئی اور ابو احمد چونک کر کھڑا ہو گیا۔ دروازے کے نزدیک جا کر اس نے دروازے میں نصب باریک سوراخ سے باہر جھانکا، اس کا مہمان آ گیا تھا۔ بے اختیار ابو احمد نے کمرے کا دروازہ کھولا۔

"اہلاً وسہلاً مرحبا......!" وہ آگے بڑھا اور راہ داری میں موجود زرقاوی سے معانقہ کرنے لگا۔

"کیف حالک کا......!" زرقاوی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دونوں اب اندر آگئے تھے۔

"الحمدللہ......!" ابواحمد نے مختصر جواب دیا اور دونوں مخصوص جگہ پر آکے بیٹھ گئے۔ ابواحمد نے زرقاوی سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ جانتا تھا کہ زرقاوی سوال کرنے والے اپنے دوستوں کو پسند نہیں کرتا۔ دونوں اطمینان سے پہلے سے موجود گرم پانی سے اپنے اپنے لئے کافی تیار کرنے لگے۔

"میں نے آپ کے لئے پانی ٹھنڈا نہیں ہونے دیا۔" ابواحمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے علم ہے آپ قہوہ کافی بہت گرم پیتے ہیں۔" اس نے کافی کا مگ زرقاوی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں......!" زرقاوی مسکرایا۔

"بہت گرم......کبھی کبھی تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میرا منہ ہی نہ جل جائے۔" دونوں ہنس پڑے۔

دونوں دوست تقریباً چھ ماہ بعد اکٹھے ہوتے تھے۔ زرقاوی اور ابواحمد کا نو سال پرانا ساتھ تھا۔ دونوں نے کئی مہمات اکٹھے سر کی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے بھلے برے وقت کے ساتھی تھے۔ ابواحمد کو زرقاوی جیسی شہرت حاصل نہیں تھی۔ اس کی بڑی وجہ اس کا بے پناہ احتیاطی رویہ تھا زندگی کے بیشتر معاملات میں وہ زرقاوی سے زیادہ محتاط دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہاتھ سے بنے ہوئے سکیچ تو موساد کے پاس موجود تھے لیکن ابھی تک موساد کا کوئی ایجنٹ اس کی تصویر حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس کی یوں تو کئی وجوہات ہوسکتی تھیں لیکن ایک اہم وجہ ابواحمد کی ٹھکانے بدلنے کی عادت اور قدرت کی طرف سے عطا کردہ اس کی چھٹی حس تھی۔

فرانس، اٹلی اور آئرلینڈ میں تین مرتبہ ایسے واقعات ہوچکے تھے جب زرقاوی اور ابواحمد موساد کے ایجنٹوں کے حملہ آور ہونے سے بمشکل پانچ یا دس منٹ پہلے اپنی قیام گاہ سے نکل گئے تھے اور اس کی وجہ کوئی خاص اطلاع یا ان کا جاسوسی نظام نہیں تھا بلکہ ابواحمد کی یہ چھٹی حس تھی جو

ایسے موقعوں پر ہمیشہ بیدار ہوجایا کرتی تھی۔ گزشتہ تین سال سے ابواحمد اُس کام پر مامور تھا جو اس کے دوست زرقاوی نے اسے سونپا تھا۔

یہ بظاہر بہت جان لیوا اور کٹھن کام تھا لیکن انہیں یہ کام بہرحال کرنا تھا۔ سیدون میں اپنے ساتھیوں کی شہادت کا بدلہ لینے کے لئے انہیں ابھی کچھ اہم لوگوں کی تلاش تھی۔ قریباً ڈیڑھ دو سال پہلے ایک روز اٹلی کے کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ اگر موساد ان تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنے ایجنٹ ان کی تنظیم میں داخل کرسکتی ہے تو وہ ایسا کیوں نہیں کرسکتے۔ زرقاوی کو اپنے ساتھیوں میں ایک ابواحمد ایسا نظر آیا تھا جو موساد تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ جس روز اس نے ابواحمد کے سامنے اپنے اس منصوبے کا اظہار کیا، ابواحمد مسکرادیا تھا۔

"شاید تمہیں یہ بات بہت عجیب لگے لیکن میں گزشتہ سات آٹھ روز سے اسی مسئلے پر سوچ بچار کررہا ہوں۔" ابواحمد نے کہا۔

"اچھا......؟" زرقاوی نے حیران ہوکر پوچھا۔

"تم نے پہلے ہی پلاننگ شروع کردی ہے۔" دونوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"نہیں میرے دوست......! لیکن میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں اب ہمیں دُشمن کے گھر میں داخل ہوکر اس سے نمٹنا پڑے گا۔"

"ابواحمد......! میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ زیادتی ہے تم جیسے اپنے طالع آزما اور بہترین دوست کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنانا میرے لئے بہت مشکل فیصلہ ہے۔ لیکن یہ بات تم بھی اچھی طرح سمجھتے ہو کہ سوائے اس کے کوئی چارہ بھی نہیں۔ اپنے ساتھیوں میں یہ اہم ذمہ داری تم ادا کرسکتے ہو یا میں تمہارا ایک دوست اور تمہارے اس مشن کا پرانا ساتھی ہونے کے ناطے میں ایمانداری سے اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ تم سے زیادہ اس کام کے لئے اور کوئی مناسب نہیں۔" زرقاوی نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم اس کام کے لئے کسی کے انتخاب کا فیصلہ مجھ پہ چھوڑتے تو میرا فیصلہ بھی یہی ہوتا جو تمہارا فیصلہ ہے۔ دیکھو زرقاوی......! ہم لوگ جس راستے پر گامزن ہیں اس میں جلد یا بدیر شہادت ہی ہمارا مقدر ہے۔ ہمیں بہرحال ایک بڑے مقصد کے لئے جان دینی ہے جس کے لئے ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہمارے کتنے پیارے دوست گزشتہ تین چار سال میں ایک ایک کرکے

ہم سے الگ ہوئے۔ صابرہ، شطیلہ اور سیدون میں ہم نے اپنے کتنے پیاروں کو گنوا دیا۔ کسی دن ہم بھی انشاءاللہ......! ان کے ساتھ اللہ کے حضور پہنچ جائیں گے...... انشاءاللہ......! کسی روز ہم بھی جنت میں ان کے ساتھی ہوں گے۔ لیکن تنظیم اور حالات کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم تمہیں بہرحال اس ملک کے شکنجے سے محفوظ رکھیں۔ کیونکہ ہم سب میں سب سے زیادہ اس ملک کے لئے نقصان دہ ثابت ہونے والے تمہیں ہو۔" ابواحمد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں بسااوقات اس بات سے بہت ڈر جاتا ہوں مجھے علم نہیں میری حیثیت کیا ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس راستے کا انتخاب ہم نے کیا ہے وہ صحیح اور سچا راستہ ہے اور ہمیں اس پر اپنی استعداد اور اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی توفیق اور ہمت کے مطابق چلتے جانا ہے۔ سو ہم سب اس پہ اپنی ہمت کے مطابق گامزن ہیں۔"

دونوں آپس میں مختلف امکانات پہ بحث کرتے رہے اور رات دیر گئے بالآخر انہوں نے وہ منصوبہ تیار کرلیا جس کی مدد سے ابواحمد کو کم ازکم ان لوگوں تک رسائی حاصل ہوسکتی تھی جو موساد کے لئے دُنیا کے مختلف حصوں خصوصاً عراق، اُردن، شام، بیروت، کویت وغیرہ میں سرگرم عمل تھے۔ آپس میں یہ منصوبہ طے کرنے کے بعد دونوں الگ ہوگئے۔ اس کے بعد سے زرقاوی کی خصوصی ہدایات پر اس کے باقی ساتھیوں نے ابواحمد سے رابطہ منقطع کر دیا۔

اب ابواحمد سے صرف زرقاوی ہی رابطہ قائم کرسکتا تھا اور گزشتہ تین سال سے یہ سلسلہ جاری تھا۔ کبھی کبھی ابواحمد اس صورتِ حال پر اُلجھن کا شکار ہوجاتا۔ اسے جھنجلاہٹ سی ہونے لگتی کہ آخر اس کے ساتھیوں سے اسے الگ کیوں کردیا گیا اور اس سے کوئی بڑا کام کیوں نہیں لیا جارہا۔ لیکن جب وہ اس صورتِ حال پر غور کرتا تو اسے سمجھ آجاتی اور صبر بھی آجاتا۔ ابواحمد نے موساد سے پہلا رابطہ لندن میں اپنے مشترکہ دوست کے ذریعے کیا تھا جو ایک ہی وقت میں دُنیا کی تین بڑی ایجنسیوں کے لئے مخبر کے فرائض ادا کر رہا تھا اور اس ڈبل ایجنٹ کو یورپ کے مختلف ممالک میں سرگرم عمل بعض انقلابی گروپوں تک بھی رسائی حاصل تھی۔ ایسے لوگ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ضرورت اور مجبوری بن جاتے ہیں اور فیڈرک بھی ان میں سے ایک تھا۔

فیڈرک کے ذریعے ابواحمد میجر ڈگلس تک پہنچا۔ ڈگلس کی شکل پر غور کرتے ہوئے اسے یقین

وگیا تھا کہ یہ اس کا جعلی نام ہے اور یہ کوئی عربی نژاد ہے جس نے اب لندن میں سکونت اختیار کی وئی ہے۔ فیڈرک نے ابواحمد کا تعاون ڈگلس سے فلسطینی آزادی کے لئے سرگرم عمل ایک تنظیم کے سرگرم کارکن کی حیثیت سے کروایا تھا اور ابواحمد نے ڈگلس کو وہ کور (Cover) سٹوری سنا کر طمئن کر رہا تھا جو اس نے پہلے سے تیار کر رکھی تھی کہ وہ دہشت گردوں کی ان کارروائیوں سے تنگ آچکا ہے اور حادثاتی طور پر دہشت گردوں کا ساتھی بننے کے فوراً بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا لیکن اس دلدل میں پھنسنے کے بعد اس سے باہر نکلنا اس کے لئے بہت دیر تک ممکن نہیں رہا۔

آج قریباً دس ماہ بعد اسے یہ موقع ملا کہ اس نے ڈگلس تک رسائی حاصل کی ہے۔ ڈگلس کے لئے فی الوقت یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ابواحمد کی کسی بات کا یقین کرلیتا۔ اس کی تربیت یہی تھی کہ اپنے ساتھ ملاقات کرنے والے ہر شخص کی بات پر اس وقت تک یقین نہ کیا جائے جب تک اپنے ذرائع سے اس بات کی تصدیق نہ ہوجائے۔ اس نے ابواحمد کے ان جذبات پر اسے داد دی اور اس کی مدد کا وعدہ کرکے رُخصت ہوگیا۔

ڈگلس نے ابواحمد کا فراہم کردہ معلومات کو موساد کے کیٹا تک پہنچا دیا تھا جس نے اپنے ذرائع سے ابواحمد کی بیان کردہ کہانی کی تصدیق کرنی تھی۔ اس تصدیق کے لئے زرقاوی اور اسکے ساتھیوں نے وہ تمام شواہد پہلے سے موجود رکھے ہوئے تھے جن تک موساد نے رسائی حاصل کرنا تھی۔ سات آٹھ دن تک ابواحمد نے بیان کردہ کہانی کے مختلف امکانات پر غور اور ان کی تصدیق کرنے کے بعد بالآخر مقامی کیٹا نے اسے کلیئر کردیا اور اب ابواحمد ڈگلس کا مخبر بن چکا تھا۔ اس نے تین چار ماہ میں ہی ڈگلس کا اعتماد حاصل کیا تھا اور اس دوران دو مرتبہ اس نے ڈگلس کی راہنمائی اٹلی اور جرمنی کے مضافاتی علاقوں میں ان گھروں تک کی تھی جہاں فلسطینی مجاہدین قیام پذیر تھے۔ موساد نے اس کی اطلاعات پر ریڈ بھی کیا تھا لیکن پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق ٹائمنگ میں اتنا فرق رکھا گیا تھا کہ یہاں موجود لوگ آسانی سے فرار ہوسکیں۔ اس فرار کے لئے باقاعدہ ہلکی پھلکی فائرنگ کا اہتمام بھی کیا گیا تھا تا کہ موساد کے حملہ آور ایجنٹوں کو اس بات کا یقین دلایا جاسکے کہ ان کو جو اطلاعات پہنچیں وہ مصدقہ اطلاعات تھیں۔

ابواحمد کی دی جانے والی اطلاعات پر کی جانے والی کارروائیوں نے ڈگلس کے نزدیک

اسے خاصا معتبر کر دیا تھا۔اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو مقامی کیسٹا کی ناکامیوں پر ایک الگ رپورٹ بھیج دی تھی۔موساد نے ڈگلس کو خصوصی ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے اس دوست کا خاص خیال رکھے اور اس کی جائز ناجائز خواہشات بھی پوری کرتا رہے۔

ابواحمد نے اپنی حیثیت کو مشکوک ہونے سے بچانے کے لئے ڈگلس کے سامنے کچھ ناجائز خواہشات کا اظہار بھی کیا تھا اور ڈگلس نے انہیں پورا بھی کروایا تھا۔اس کے بعد ڈگلس کے لئے اس پر شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ڈگلس اور ابواحمد کی دوستی قریب نو ماہ پر پھیلی ہوئی تھی۔اس دوران اس نے بہت سی ایسی جعلی اطلاعات موساد تک پہنچائی تھیں جو بظاہر بالکل صحیح ہوتی تھیں لیکن ان اطلاعات کا محرک زرقاوی تھا جس کے بیدار ذہن سے کوئی نہ کوئی ایسی سازش ضرور پھوٹتی رہتی تھی جو موساد کو گمراہ کرنے کے لئے کافی ہوتی۔جن شر دماغوں سے ان کا واسطہ تھا انہیں اس بات کا احساس ابھی تک زرقاوی نے نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ روایتی معنوں میں کوئی ایسا دہشت گرد نہیں جو صرف جنون اور جوش کی بنیاد پر ان سے برسر جہاد ہے بلکہ وہ ایک حاضر دماغ اور دشمن کی چالوں کو سمجھ کر اپنی چال چلنے والا شاطر کھلاڑی تھا۔

ابواحمد یہ بات جانتا تھا کہ شام اور عراق میں ہونے والی بعض کارروائیاں میجر ڈگلس سے بھی کروائی جاتی تھیں اس نے اب تک ڈگلس کے ساتھ لندن سے چھ ممالک کا سفر کیا تھا اور وہاں تین چار اہم نوعیت کے کارنامے بھی ڈگلس کے لئے انجام دیئے تھے۔

بریگیڈیئر شمعون کی طرف سے جب ڈگلس کو طلب کرنے کے بعد جاپانی ڈرائیوروں کو اغواء کرنے یرغمال بنانے کے منصوبے کا آغاز کیا گیا ان دنوں ابواحمد اپنی ذاتی مصروفیات کی وجہ سے ڈگلس سے آؤٹ آف ٹچ تھا۔ورنہ عین ممکن تھا کہ اس مرحلے پر بھی وہ احمد کو اپنا ساتھی بناتا۔اُردن سے عراق پہنچنے کے بعد اس کا رابطہ جب ابواحمد سے قائم ہوا تو وہ اپنے اس منصوبے کا آغاز کر چکا تھا اور ایک شاطر ایجنٹ کی حیثیت سے اس کے لئے اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ اس منصوبے سے احمد کو دور ہی رکھے اور ان لوگوں پر انحصار کرے جو اس طرح کے منصوبے میں اس کے ساتھ تھے۔

یوں بھی ڈگلس کو یہ کارنامہ تین چار دن کے اندر ہی انجام دینا تھا۔ڈگلس کی عراق میں آمد ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے رپورٹر کی حیثیت سے ہوئی تھی اور وہ قانونی دستاویزات سے لیس ہونے کے بعد ہی یہاں آیا تھا۔ڈگلس کا قیام الحیات ہوٹل میں تھا جبکہ ابواحمد سندباد ہوٹل میں مقیم

تھا۔اس نے یہ کمرہ ایک روز پہلے ہی حاصل کیا تھا اور یہ جاننے کے بعد کہ ڈگلس کا قیام اس کمرے کے بالکل سامنے موجود الحیات ہوٹل کے کمرہ نمبر 78 میں ہے اس کے لئے اس نے اپنے پرانے دوست استقبالیہ کلرک کی خدمات حاصل کی تھیں جس کا دوسرا ایک ساتھی الحیات کے استقبالیہ میں کام کرتا تھا۔ابواحمد یہاں جس حلیے میں قیام پذیر تھا اگر اس میں میجر ڈگلس بھی سامنے آ جاتا تو شاید اسے پہچان نہ پاتا اور یہی اس کی اب تک کی کامیابی کا راز تھا۔مختلف رُوپ بدلنے میں ماہر ابو احمد آج تک اپنی اس صلاحیت کے بل بوتے پر موساد کے شکنجے سے محفوظ رہا تھا۔

ڈگلس نے آج تک اس علاقے میں جو بھی سرگرمیاں موساد کے لئے انجام دی تھیں اس کے بعد اس کا معمول یہی ہوتا تھا کہ وہ اپنا کام کر کے واپس چلا جائے لیکن اس مہم میں حیرت انگیز طور پر بریگیڈیئر شمعون نے ابھی اسے کچھ روز اور یہاں قیام پذیر رہنے کی ہدایت کی تھی۔

دونوں جاپانیوں کو اپنے انجام تک پہنچانے کے بعد اُصولی طور پر لندن واپس لوٹ جانا چاہئے تھا لیکن وہ بہر حال بریگیڈیئر شمعون کے احکامات کا پابند تھا اور اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ بریگیڈیئر شمعون کو کوئی مشورہ ہی دے سکے۔اسے فی الوقت الحیات ہوٹل میں قیام کی ہدایت کی گئی تھی اور اپنا معمول کا کام جاری رکھنے کو کہا گیا تھا۔یہ معمول کا کام وہی تھا جو دُنیا کی دیگر خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندے اس کی طرح یہاں انجام دے رہے تھے اور اب وہ انہی کی طرح الحیات ہوٹل کے کمرہ نمبر 78 میں بیٹھ کر یہی خدمات انجام دے رہا تھا۔ڈگلس کے لئے اخباری رپورٹر کا بہروپ دھارنا کبھی کوئی خوشگوار تجربہ نہیں رہا تھا۔اسے اس بہروپ سے بڑی اُلجھن ہوتی تھی لیکن اسے بہر حال وہی رُوپ اختیار کرنا پڑتا تھا جس کی ہدایت اسے موساد کی طرف سے دی جاتی تھی۔

''کس مصیبت میں پڑ گیا ہوں......؟'' اس روز ڈگلس نے واش روم میں نہاتے ہوئے جب اپنا جائزہ لیا تو بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

وہ جلد از جلد عراق سے نکل جانا چاہتا تھا۔یہاں اسے شراب تو میسر تھی لیکن اس سے متعلق دوسرے لوازمات تک اس کی رسائی ممکن نہیں ہوتی تھی اور وہ ان لوازمات کا رسیا تھا۔اپنی زندگی کا کوئی دن اس نے حرام کاری کے بغیر بسر نہیں کیا تھا۔اس کی بوریت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔

ابواحمد اور زرقاوی اپنے کمرے میں محو گفتگو تھے۔دونوں مختلف حیثیتوں سے یہاں موجود

تھے۔ ان کا شکار الحیات ہوٹل میں کمرہ نمبر 78 میں موجود تھا اور زرقاوی دل ہی دل میں متعدد مرتبہ اللہ کا شکر ادا کر چکا تھا کہ ابواحمد کے ذریعے بالآخر وہ اپنے اہم دُشمن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے ریمنگٹن رائفل بطور خاص حاصل کی تھی اور وہ اسے بڑے محفوظ طریقے سے ہوٹل تک لایا تھا۔ اس وقت دونوں صلاح مشورے میں مصروف تھے۔ ابواحمد نے گو کہ کوئی ایسا مشاہدہ نہیں کیا تھا کہ جس کی بنیاد پر وہ ڈگلس کے متعلق یہ بات وثوق سے کہہ سکتا کہ ڈگلس ہی موساد کی اس مہم کا انچارج تھا جس میں بے گناہ جاپانیوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ لیکن اس نے ذاتی تجربے کی بناء پر اپنے پورے تیقن کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ اس وقت بغداد میں موساد کا ڈگلس سے زیادہ اہم کوئی ایجنٹ موجود نہیں۔ زرقاوی اس سے ڈگلس کی تصویر لے کر ہوٹل سے باہر آچکا تھا اور اب وہ اسے اس ٹھکانے کی طرف لے جا رہا تھا جہاں ان کا ایک اور ملزم ابوحسام کے قبضے میں تفتیشی مراحل سے گزر رہا تھا۔

* * *

یہ عراق کا سابقہ فوجی مروان تھا جسے ابوحسام کے ساتھی اغواء کر کے اس ٹھکانے تک لائے تھے اور جس نے بالآخر یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ جاپانیوں کے اغواء میں اس کا ہاتھ ہے۔ اسے اس بات کا علم تو نہیں تھا کہ یہ اغواء کس ایجنسی نے کروایا ہے کیونکہ موساد کبھی بھی اپنے کسی ایجنٹ کو اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کرتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ کسی اور ایجنسی کا نام لے لیا کرتے اور اس سولجر کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ وہ سی آئی اے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ البتہ اس نے ڈگلس کو ضرور دیکھا تھا۔ جس سے اس کی دو مرتبہ مختلف مواقع پر شام میں ملاقات ہو چکی تھی اور اس مرتبہ بھی ڈگلس اچانک ہی اس سے ٹکرایا تھا۔ پہلی ملاقات میں اس نے اتنے زیادہ پیسے اسے دیئے تھے جنہیں دیکھ کر سابقہ فوجی باغ باغ ہو گیا تھا۔

اس نے دو تین گھنٹے کے بعد ہی ہتھیار ڈال دیئے اور مجاہدین کو بلا کم و کاست وہ تمام کہانی سنا دی تھی۔ اس وقت وہ اپنے گناہوں کے اقرار پر بنی ویڈیو ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ ابوحسام دوسرے کمرے میں بیٹھا زرقاوی کا منتظر تھا جو تھوڑی دیر بعد ابوحسام تک پہنچ چکا تھا۔

معمول کی سلام دُعا کے بعد زرقاوی نے ایک تصویر نکال کر ابوحسام کے سامنے رکھی۔ یہ عربی لباس میں ملبوس ڈگلس کی وہ تصویر تھی جو ابواحمد نے اسے فراہم کی تھی۔ ڈگلس کی دوسرے

لباسوں میں موجود تصاویر بھی ابواحمد حاصل کر چکا تھا۔ لیکن آج تک اس نے ڈگلس کو احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی تصویر اُتار رہا ہے نہ ہی ڈگلس یہ بات جانتا تھا کہ اس کی تصویریں کس طرح اُتاری جا رہی ہیں۔ وہ اپنے معمول کے مطابق کبھی کبھی ابواحمد سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ ان ملاقاتوں میں بعض ایسی ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں جن سے پہلے ابواحمد کا کوئی ساتھی چھپ کر اس کی تصاویر اُتار لیا کرتا تھا۔ کیونکہ زرقاوی کو بھی اپنے ریکارڈ کے لئے ان لوگوں کی تصاویر کی ضرورت رہتی تھی۔ آج بھی جو تصویر ابواحمد نے اسے فراہم کی تھی یہ ڈگلس کے بغداد آنے کے بعد بمشکل دس بارہ روز پہلے کی آخری ملاقات کی تصویر تھی جو مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک کے سفارتخانے میں منعقدہ تقریب میں ابواحمد نے اپنے فوٹوگرافر سے بنوا رکھی تھی۔

سفارتخانے کی تقریب میں ڈگلس نے بھی ابواحمد کے ساتھ شرکت کی تھی اور حسب معمول یہاں روایتی عربی لباس پہن کر آیا تھا۔ زرقاوی کو اس بات کا یقین تھا کہ ڈگلس ہی دراصل وہ شخص تھا جس نے اس سارے آپریشن کی کمانڈ کی تھی اور اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ ان کے قابو آنے والا ڈگلس کا یہ مخبر ضرور اس حلیے میں اسے پہچان لے گا۔

ابوحسام نے تصویر اُٹھائی اور مسکراتے ہوئے زرقاوی کی طرف دیکھا۔

''سبحان اللہ......!'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ اصل میں یہ وہ نعرہ تحسین تھا جو اس نے زرقاوی کے لئے بلند کیا کیونکہ زرقاوی بسا اوقات اس کے اُسے حیرت انگیز شخصیت دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ابوحسام کی طرف دیکھا اور کہا۔

''شیخ......! میرا گمان یہی ہے تمہارا ملزم اپنے اس سرغنہ کو ضرور پہچان لے گا۔''

''گمان......؟ مجھے تو اس بات کا یقین ہے۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ آپ کی طرف سے فراہم کی جانے والی اطلاعات کبھی غلط ثابت ہوئی ہوں۔''

''اچھا......! میں دیکھتا ہوں۔ کیا تم اسے دیکھنا چاہو گے......؟'' اس نے سوالیہ انداز میں زرقاوی کی طرف دیکھا۔

''نہیں......! اس کی ضرورت نہیں...... میں نے اس کی منحوس شکل سے کیا لینا دینا......؟ یوں بھی اب وہ کچھ دن کا مہمان ہی تو ہے۔'' زرقاوی نے لاپرواہی سے کہا۔

''اچھا......!'' یہ کہہ کر ابوحسام تصویر اُٹھا کر اس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں ملزم کھانا

کھانے میں مصروف تھا۔

’’کیا یہی ہے وہ شخص جس کے لئے تم کام کررہے تھے......؟‘‘ اس نے اچانک ڈگلس کی تصویر نکال کر سابقہ فوجی کے سامنے کی۔

تصویر دیکھ کر سابقہ فوجی کے ہاتھ سے منہ کی طرف جاتا ہوا نوالہ گر گیا۔

’’تم......! تم اسے کیسے جانتے ہو......؟‘‘ اس نے بڑی حیرت اور گھبراہٹ سے ابوحسام کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

’’مجھ سے سوال کرنے کی بجائے میرے سوال کا جواب دو...... کیا یہ وہی شخص ہے......؟‘‘ ابوحسام نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

’’ہاں......! یہی ہے وہ شخص جس کے کہنے پر میں نے یہ واردات کی تھی۔‘‘ مروان نے جواب دیا۔

’’ٹھیک ہے......! تم آرام کرو۔‘‘ یہ کہہ کر ابوحسام اس کمرے میں چلا گیا جہاں زرقاوی اس کا منتظر تھا اور بتا دیا کہ اس کا شک صحیح ہے۔

’’تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ موساد کرنل مائیک سے بالا بالا ہی بغداد میں اپنا کام کر رہی ہے۔‘‘ زرقاوی نے یہ بات قریباً بڑبڑاتے ہوئے شاید اپنے آپ سے کہی تھی۔

’’بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔‘‘ ابوحسام نے جواب دیا۔

’’لیکن اس ایریا میں ابھی تک کرنل مائیک سے زیادہ قابل بااعتماد کون ہوسکتا ہے......؟‘‘

’’شیخ......! ان لوگوں کو تم کبھی نہیں سمجھ پاؤ گے شاید میں بھی...... بسااوقات تو مجھے اس بات پر حیرت ہونے لگتی ہے کہ کس مٹی کے بنے ہیں۔ ان لوگوں کی کامیابی کا راز شاید موساد کی جانب سے پڑھایا جانے والا وہ پہلا اصول ہے جس کو انگریزی میں یہ By way of Deception یعنی ’’دھوکے سے اپنا کام نکالو‘‘ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصلیت ہی دھوکہ دہی ہے۔ کرنل مائیک گو کہ ایک یہودی ہے لیکن امریکی شہری ہونے کے ناطے موساد کے نزدیک اس کی وہ حیثیت کبھی نہیں بن سکتی جو ایک اسرائیلی یہودی کی ہوسکتی ہے۔ جس شخص کی تصویر تم دیکھ رہے ہو۔ اس کی بیوی بھی ایک یہودن اور موساد کی ایجنٹ ہے۔ یہ شام کا ایک عیسائی نوجوان ہے جو آج سے سات آٹھ سال پہلے اس لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر موساد کا شکار بنا تھا اور اب ذہنی طور پر خود کو یہودی مانتا

ہے۔ اسے برطانوی شہرت بہت عرصہ پہلے دلوا دی گئی تھی اور اب یہ لندن میں پہنچ کر ان لوگوں کے بڑے بڑے آپریشن کرتا ہے۔ ڈگلس کا اصل نام کیا ہے......؟ یہ سوال ہمارے نزدیک کبھی اہم نہیں رہا کیونکہ اس کھیل میں ناموں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہاں صرف کام کو اہمیت دی جاتی ہے۔‘‘ زرقاوی نے سنجیدہ لہجے میں ابوحسام سے کہا۔

’’ٹھیک ہے......! تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔‘‘ ابوحسام نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

’’انشاء اللہ......!‘‘ زرقاوی نے مختصر جواب دیا۔ دونوں دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ جس کے بعد زرقاوی رُخصت ہوگیا۔

دوسرے روز عالمی پریس کی چیختی چلاتی سرخیاں اور دُنیا کے بڑے بڑے چینلز ان تصاویر کے ساتھ نئی خبریں لے کر آرہے تھے جو ابوحسام کے ساتھیوں کی طرف سے انہیں فراہم کی گئی تھیں، سب سے پہلے ایک عربی چینل پر یہ ٹیپ چلائی گئی جو اسے موصول ہوئی تھی۔ اس ٹیپ میں عراق کے اس سابقہ جرائم پیشہ شخص کو بھی دکھایا گیا جس نے بتایا کہ اس نے یہ کام موساد کے ایک ایجنٹ کی ہدایت پر کیا ہے۔ موساد کے اس ایجنٹ کی تصویر بھی چینل نے دکھائی تھی۔ اس میں مجاہدین کی طرف سے یہ بات کہی گئی تھی کہ اس خبر کے نشر ہونے سے پہلے وہ متعلقہ ایجنٹ کو بھی اپنے انجام تک پہنچا دیں گے۔

جس رات یہ ٹیپ تیار کی جارہی تھی اس رات ہوٹل سند باد کے کمرہ نمبر 22 میں زرقاوی ابواحمد کے ساتھ ایک آپریشن انجام دینے کے لئے موجود تھا۔ ابھی تک بغداد میں بجلی کی مکمل فراہمی ممکن نہیں ہوئی تھی۔ ہوٹل سند باد کی انتظامیہ نے تو اپنے ذاتی بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر حاصل کر لئے تھے۔ لیکن ابھی تک ہوٹل الحیات کی انتظامیہ کی جنریٹروں تک رسائی ممکن حاصل نہیں ہوئی تھی۔ رات کا پہلا پہر تھا جب معمول کے مطابق لائٹ آف ہوگئی۔

ہوٹل الحیات میں مقیم مسافروں کو اپنی کھڑکیاں ہوا کی آمد و رفت کے لئے کھولنی پڑیں۔ کھڑکیاں کھولنے والوں میں ڈگلس بھی شامل تھا۔ یہ کھڑکی سند باد کے اس کمرے کے سامنے کھلتی تھی جس میں اس کی موت کا سامان بنا زرقاوی اس کا منتظر تھا۔ ابواحمد اس کے ساتھ موجود تھا لیکن

ہوٹل والوں کو اس کا علم نہیں تھا کہ اس کمرے میں ابو احمد کے علاوہ بھی ایک اجنبی موجود ہے۔

زرقاوی ابو حسام سے ملاقات کے بعد ہوٹل پہنچا تھا۔ صبح وہ ابو احمد کے کمرے تک انتظامیہ کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر پہنچا تھا۔ جس طرح پہنچا اس کا احساس انتظامیہ کو نہیں ہو سکا تھا۔ یوں بھی ان حالات میں جب ہر کسی کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوتی تھی، دوسروں کے متعلق غور کرنے کا وقت بھی کس کے پاس تھا۔

آج اسے ریمنگٹن رائفل کے استعمال کا پہلی مرتبہ موقع مل رہا تھا۔ اپنے کمرے کی کھڑکی کا تھوڑا سا پردہ ہٹا کر اس نے رائفل کو اپنے مخصوص ٹارگٹ کی طرف فٹ کیا ہوا تھا اور توقعات کے عین مطابق تھوڑی دیر بعد ڈگلس نے کھڑکی کھولی۔ گرمی کی وجہ سے وہ انڈر ویئر اور بنیان پہنے سامنے کھڑا تھا اور کھڑکی میں سے اپنا دھڑ تقریباً باہر نکال کر شاید باہر کی فضا کا جائزہ لے رہا تھا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے عام حالات میں رائفل سے شاید وہ کام نہ لیا جا سکتا جو زرقاوی لینے جا رہا تھا۔ لیکن اس میں ایسی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تمام سہولیات پہلے سے میسر تھیں۔ نائٹ ویژن کے ذریعے اس نے ڈگلس کا نشانہ لیا۔ ابو احمد نے شیشے میں سے جھانک کر گردن ہلاتے ہوئے ٹارگٹ کی تصدیق کی اور دوسرے ہی لمحے زرقاوی کی اُنگلی ٹرائیگر پر دبی۔ بغیر آواز پیدا کئے فائر ہونے والی گولی ڈگلس کے ماتھے کے بیچوں بیچ اس طرح فٹ ہوئی تھی جیسے کسی نے بہت قریب سے دائرہ لگا کر اس پر فائر کیا ہو۔

ڈگلس کو ''ہائے'' کہنے کی مہلت بھی نصیب نہ ہوئی اور وہ اپنی کمر کے بل کمرے کے فرش پر گر پڑا۔ زرقاوی نے اطمینان سے رائفل کو دوبارہ پیک کیا۔ دونوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اگلے ہی لمحے زرقاوی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ ابھی تک ابو احمد کمرے میں موجود تھا۔ زرقاوی کی روانگی کے بمشکل دس منٹ بعد وہ اپنے کمرے سے نکلا اور ہوٹل کی سیڑھیوں کے راستے سے جو اس کام کے لئے پہلے ہی منتخب کی ہوئی تھیں ہوٹل کی پارکنگ میں اُتر گیا۔

یہاں سے رات کے اندھیرے میں مختلف گلیوں اور بازاروں سے گزرتا ابو احمد اگلے پندرہ منٹ بعد ایک انتہائی محفوظ ٹھکانے تک پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے فجر کی اذان کے فوراً بعد ایک بی ایم ڈبلیو کار اسے لے کر اُردن جا رہی تھی۔ اس کی اگلی منزل اُردن تھی۔ زرقاوی اس سے پہلے اپنے

محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔

ڈگلس کی لاش ہوٹل کی انتظامیہ کو دوسرے روز دوپہر کے بعد موصول ہوئی کیونکہ صبح ڈگلس ناشتے کی میز پر نہیں پہنچا نہ ہی اُس نے کاؤنٹر پہ کوئی آرڈر دیا۔ شک گزرنے پر ہوٹل انتظامیہ نے جب اس کے کمرے کا لاک دروازہ کھولا تو ڈگلس کے ماتھے سے نکلنے والا خون فرش پر بچھے قالین میں جذب ہو کر سیاہ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی حیرت اور خوف نمایاں تھا اور اس بات کا اعلان بھی کہ وہ انتہائی بے بسی کی موت مارا گیا ہے۔ ہوٹل والوں نے سب سے پہلے ہوٹل کے سامنے امریکی بکتر بند گاڑی میں موجود فوجیوں کو اطلاع دی جنہوں نے اندر آنے کا تکلف کرنے کی بجائے اپنی ہائی کمان کو حادثے سے مطلع کیا۔

ڈگلس یہاں ایک دوسرے نام سے قیام پذیر تھا۔ اگلے تقریباً دو گھنٹے میں سی آئی اے نے اس بات کا پتہ چلا لیا تھا کہ ڈگلس جعلی نام اور جعلی خبر رساں ایجنسی کا نمائندہ بن کر یہاں موجود تھا اور اصل میں وہ لندن میں موساد کا ایک اہم ایجنٹ تھا۔ جب عربی چینل سے خبر نشر ہو رہی تھی تمام کام انجام دینے کے بعد اس خبر کے آخر میں مجاہدین کی طرف سے فراہم کردہ ویڈیو کیسٹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ ان کے دوسرے ملزم کی لاش ہوٹل الحیات سے قابض فوجیوں نے وصول کر لی ہے۔ وہ اس لاش کی تصویر تو نہیں دکھا سکے لیکن دوسرے مرنے والے کا لندن کا مکمل ایڈریس اس کی بیوی کا نام اور موساد سے ان کے تعلق کے ثبوت بھی اس ویڈیو کیسٹ میں فراہم کئے تھے۔

■ ■ ■

گزشتہ دو دن میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات نے کرنل مائیک کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کو زندگی میں پہلی مرتبہ موساد پر غصہ آنے لگا تھا جس نے کرنل مائیک کو بتائے بغیر اتنی بڑی کارروائی کروا دی تھی اور اس میں ایسے خلا چھوڑے جن کی مدد سے مجاہدین ان تک پہنچ گئے اور انہوں نے اس ڈرامے کا انٹی کلائمکس کر کے بظاہر پوری دُنیا میں موساد کو ننگا کر دیا تھا لیکن انٹرنیشنل پریس کی ڈھٹائی کی انتہا تھی کہ ابھی تک اس کارروائی کو مجاہدین کے کھاتے میں ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ دُنیا کے بڑے بڑے نام نہاد تبصرہ نگار اسے مجاہدین کے کسی گروپ کی کارروائی قرار دے رہے تھے۔ ڈگلس کی موت باہمی معاہدے کے تحت چھپائی گئی تھی۔ اسرائیلی حکومت نے ایک

اضافی بیان جاری کرنے کا تردّد بھی نہیں کیا تھا اور اس ساری کارروائی کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے ہوئے متعلقہ عربی چینل پر الزام عائد کیا تھا کہ وہ دہشت گردی کرتا ہے اور دہشت گردی کی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں ایک کردار ادا کر رہا ہے۔

کرنل مائیک کے لئے صورتِ حال کچھ زیادہ ہی پریشان کن تھی اس کی اعلیٰ کمان اس بات پر ناراض تھی کہ بغداد میں اس بڑے پیمانے پر ہونے والی کارروائی سے بے خبر کیسے رہا جبکہ بغداد کے چپے چپے پر اس نے اپنے ایجنٹوں اور جاسوسوں جال پھیلا رکھا تھا۔ اس وقت بھی کرنل مائیک اسی سوچ میں گم تھا کہ وہ اس صورتِ حال سے کس طرح سے اپنی اعلیٰ کمان کو مطمئن کرے یہاں اس کے متعلق پہلے ہی شکوک موجود تھے کہ وہ موساد کے لئے بہت سافٹ کارنر رکھتا ہے اور ماضی میں سی آئی اے نے موساد کے ساتھ باہمی آپریشن شروع کئے تھے جن میں کرنل مائیک نے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا تھا۔ کرنل مائیک کی خواہش تھی کہ وہ بریگیڈیئر شمعون سے ملاقات کرے اور اس سے تقاضا کرے کہ آئندہ موساد اپنے کام کے لئے کوئی واضح لائحہ عمل اختیار کرے اور بغداد میں کوئی بھی کارروائی اُس کے علم میں لائے بغیر نہ کرے۔ ان کی توقعات کے بالکل برعکس جاپانی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنی حکومتوں کو جو رپورٹ دی تھی اس میں دہشت گردی مجاہدین کے کھاتے میں ڈالنے کے بجائے اسے مشتبہ کارروائی قرار دیا گیا تھا۔ جاپانی وزارتِ خارجہ نے اس پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی لیکن عالمی پوزیشن اپنی عالمی ساکھ اور چھوٹا ملک ہونے کے ناطے بہر حال ایک بڑی طاقت کا زیر اثر رہنا جاپانیوں کی مجبوری تھی۔ انہوں نے ایک احتجاجی مراسلہ اس سلسلے میں اسرائیل اور امریکہ کی وزارتِ خارجہ کو ارسال کیا تھا لیکن یہ سب کچھ آف دی ریکارڈ رکھا جا رہا تھا۔

آن ریکارڈ تو دوسرے ممالک اور ایجنسیوں کی طرح جاپانی حکومت نے بھی دہشت گردی کی زبردست مذمت کر کے اس بات کا اعادہ کیا تھا کہ وہ دہشت گردی کی کارروائیوں سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور دہشت گردی کے خلاف جاری اس مہم میں امریکہ کا ساتھ دیتے رہیں گے۔

کرنل مائیک اس وقت کیپٹن مارتھا کے ساتھ ایک اہم میٹنگ کر رہا تھا اس نے اپنے طویل تجربے کی بنیاد پر مارتھا کو ایک لائحہ عمل تیار کر کے دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس پر کل سے ہی کام شروع

کر دے۔ اب اُسے جلد از جلد بہت پازیٹو رزلٹ سی آئی اے اور موساد دونوں کو دینے تھے۔ بصورتِ دیگر وہ خود بھی کسی عتاب کا شکار ہو سکتا تھا کسی ایسی کارروائی کا شکار جس کا فی الحال وہ متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ مارتھا نے اس کے حکم پر صاد کیا اور اسے یقین دلایا کہ وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ اس پر عمل کرے گی اور بہت جلد اس کی توقعات سے بڑھ کر رزلٹ دے دے گی۔ اس نے کرنل مائیک کو بتایا کہ صالحہ، حماد، شرجیل اور ان کے دس بارہ ساتھی ان کے گروپ کا حصہ بن کر تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ اگلے تین چار روز تک سرگرم عمل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ان کے لئے اپنی کارروائیوں کے ثبوت فراہم کرنا خاصا مشکل ہو جائے گا۔

بریگیڈئیر شمعون کے لئے میجر ڈگلس کی موت معمول کی کارروائی نہیں تھی۔ اُس نے زندگی میں صرف دو مرتبہ ڈگلس سے براہِ راست ملاقات کی تھی لیکن ڈگلس کے کارناموں سے ''موساد'' کی فائلیں بھری پڑی تھیں اور کچھ طے شدہ اُصولوں کی وجہ سے وہ ڈگلس کو گو کہ ''موساد'' میں کوئی اہم عہدہ نہیں دے سکتا تھا نہ ہی اُسے ''موساد'' کے ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا جا سکتا تھا لیکن شمعون کے نزدیک وہ ہمیشہ ''موساد'' کا ایک اہم عہدے دار ہی رہا تھا۔

ڈگلس کی موت کے بعد عالمی سطح پر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں ''موساد'' کی جو بھد مجاہدین نے اُڑائی تھی اُس نے بریگیڈئیر شمعون کو سیخ پا کر کے رکھ دیا تھا۔ اُس کے مخبروں نے زرقاوی کی عراق میں موجودگی سے اُسے عرصہ پہلے باخبر کر دیا تھا لیکن ابھی تک شمعون کے پاس ایسے دستاویزی ثبوت نہیں پہنچے تھے جن کی بناء پر وہ اس خبر کو یقینی جانتا۔ کیونکہ کچھ روز پہلے ہی انہیں افغانستان میں اپنے ذرائع سے زرقاوی کی موجودگی کی خبر مل چکی تھی اور اُس سے کچھ دن پہلے کسی نے شام میں اُس کی آمد سے باخبر کیا تھا۔

بریگیڈئیر شمعون یہ بات جانتا تھا کہ زرقاوی ایک ہی وقت میں اپنی دُنیا کے دو تین ممالک میں موجودگی کا جھانسہ دینے کے فن پر عبور رکھتا ہے۔ جب ''موساد'' اور سی آئی اے کے ایجنٹ آئرلینڈ اور سکاٹ لینڈ میں اُس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے تو وہ فرانس میں موجود ہوتا تھا اور جب فرانس میں اُس کے ٹھکانے پر چھاپہ مارا جاتا تو وہ شام یا اُردن پہنچ جاتا۔

یہ صورتِ حال چکرا دینے والی اور انتہائی پریشان کن تھی۔ شمعون اس کھیل کو ہر صورت ختم کرنا چاہتا تھا۔ وہ زرقاوی کو مار کر ماضی میں اُس کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانے کا بدلہ سُود سمیت چُکانے کے لئے اُتاؤلا ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے تمام جاری آپریشن منجمد کر کے براہِ راست خود

میدان میں اُترنے کا فیصلہ کیا تھا اور اب وہ زرقاوی کے ساتھ موساد کی جنگ کو ذاتی لڑائی سمجھ کر کچھ بھی کر دینے پر تُلا ہوا تھا۔

شمعون نے اپنی ہائی کمان کو اپنے عزائم سے آگاہ کرنے کے بعد اُن کی مخالفت کے باوجود خود اس مہم کو سر کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اُسے اب اپنے مخبروں میں سے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو اُسے زرقاوی کے ٹھکانے تک پہنچا دے۔ اپنے قابلِ اعتماد مخبروں Sources میں سے اُس کی نظرِ انتخاب بالآخر ابواحمد پر ٹھہری۔ لندن میں موجود ''موساد'' کے ''کیٹا'' نے اُسے یقین دلایا تھا کہ صرف ابواحمد ہی اُن کا ایسا قابلِ اعتماد ''سورس'' ہے جو انہیں کسی نہ کسی طرح زرقاوی تک پہنچا سکتا ہے۔

ابواحمد کا ''ٹریک ریکارڈ'' شاندار تھا۔ جب اُسے لندن میں موجود اپنے انچارج کی طرف سے لندن میں کسی اہم شخصیت سے ملاقات کا پیغام ملا تو اُس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کہیں ان لوگوں کو مجھ پر شک تو نہیں ہو گیا......؟'' اُس کے دل و دماغ میں ایک زوردار جھناکا ہوا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے......؟'' اُس نے خود کو حوصلہ دیا۔

ڈگلس کی طرف سے بغداد میں ہونے والی کارروائی اور اُس کے انجام تک ابواحمد نے انگلستان میں اپنی موجودگی کو یقینی بنا رکھا تھا۔ اُس کے متعلق یہ شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں تھی کہ وہ گزشتہ پندرہ بیس روز سے ایک دن کے لئے بھی کبھی ملک سے باہر گیا ہے۔

اُس نے خود کو ذہنی طور پر آنے والے وقت کے لئے تیار کر لیا تھا اور اب اپنے مقامی انچارج ''کیٹا'' کے اگلے پیغام کا منتظر تھا۔

انتظار کی گھڑیاں طویل نہیں ہوئیں۔ اگلے روز شام ڈھلتے ہی اُسے ایک مخصوص ''ڈنر'' Dinner میں طلب کر لیا گیا۔ ابواحمد جانتا تھا کہ یہاں اُسے کیوں بلایا گیا ہے۔ طے شدہ وقت پر وہ اپنی میز پر موجود تھا۔ ابھی اُسے وہاں بیٹھے بمشکل دو منٹ ہوئے تھے جب مقامی انچارج ایک درمیانے قد اور قدرے فربہ جسم والے یہودی کے ساتھ اُس کی میز پر موجود تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کا تعارف گو کہ کسی عربی نام سے کروایا تھا لیکن ابواحمد نے پہلی ہی نظر میں جان لیا تھا کہ اُس کا ملاقاتی کون ہے......؟ یہ تو وہی شخص تھا جس کی انہیں گزشتہ آٹھ سال سے تلاش تھی۔

اُس کے لئے خود کو نارمل رکھنا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ ابھی اور اسی وقت اس کا ٹینٹوا دبا کر اپنے دل و دماغ میں بریگیڈیئر شمعون کے خلاف بھڑکتی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کر دے۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کرنل کی حیثیت سے صابرہ اور شیطلہ کے کیمپوں میں بے گناہ فلسطینی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کا قتل عام کیا تھا۔ جس نے اُن کے بہترین ساتھیوں کو بیروت میں چُن چُن کر اور انتہائی اذیت ناک طریقوں سے شہید کیا تھا۔

اس کی تلاش میں تو وہ سب بھٹک رہے تھے۔ لیکن فی الوقت وہ اُسے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ابو احمد کو اپنی بے بسی پر رونا آیا۔

مقامی ''کیٹا'' نے شمعون سے ابو احمد کا تعارف کرواتے ہوئے اُس کی بہت تعریف کی تھی اور ابو احمد کو بتایا تھا کہ جس طرح وہ ابو احمد کا انچارج ہے اسی طرح یہ نو وارد اُس کا انچارج ہے۔

شمعون نے اپنے بریف کیس سے ڈالروں اور پاؤنڈز کی دو بڑی گڈیاں نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیں۔

''یہ تمہاری خدمات کا خصوصی انعام ہے۔ ہمارا ہیڈ کوارٹر تم سے بہت خوش ہے اور مجھے بطورِ خاص تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے۔'' اُس نے اپنی عینک کے گہرے شیشوں کے پیچھے سے ابو احمد کے دُور اندر تک جھانکتے ہوئے کہا۔

''یہ میری خوش قسمتی ہے سر......!'' ابو احمد نے بمشکل ہی الفاظ ادا کئے۔

اُس کے لئے خود کو نارمل رکھنا ناممکن ہو رہا تھا لیکن یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اُس کے مخاطب کو معمولی سا شک بھی گزرا تو اُس کا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا اور آٹھ سال کی طویل تپسیا کے بعد جو موقعہ اُن کے ہاتھ لگا ہے وہ ضائع ہو جائے گا۔

یہی تھی وہ سوچ جس نے ابو احمد کو نارمل رکھا ہوا تھا۔

''تم کبھی زرقاوی سے ملے ہو......؟''

اچانک ہی اُس نے ابو احمد کے اعصاب پر ہتھوڑا چلایا۔

''ہاں......! لیکن چار سال پہلے ایک مرتبہ دیکھا تھا۔'' ابو احمد سنبھل گیا۔

''دیکھو دوست......! ہم تمہیں منہ مانگا انعام دیں گے۔ جس ملک کی شہریت چاہو گے تمہیں ملے گی۔ جس عورت پر ہاتھ رکھو گے تمہاری ہو جائے گی۔ لیکن تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

شمعون نے براہِ راست اُس کی آنکھوں میں جھانکا تو اُسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہوا۔ خدا جانے اُس کی آنکھوں سے ایسی کون سی برقی شعاعیں خارج ہو رہی تھیں جنہوں نے ابو احمد کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''میں کوشش کروں گا...... بلکہ ضرور کروں گا۔'' ابو احمد نے اپنی دانست میں بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

''ہم تمہیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ تمہاری ہر ممکن حفاظت کی جائے گی۔ بس تمہیں زرقاوی تک رسائی حاصل کر کے ہمیں مطلع کرنا ہے۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔'' شمعون نے اُسے کہا۔

''بہت خطرناک آدمی ہے۔ سنا ہے معمولی شک گزرنے پر دوسرے کی جان لینا اُس کی عادت ہے۔ پلیز......! میرا خیال رکھئے گا۔ میں کوئی نہ کوئی چکر چلا کر اُس کے نزدیک پہنچنے کی کوشش ضرور کروں گا۔'' ابو احمد نے اپنے تحفظات ظاہر کئے۔

''ابو احمد......! تم ہمارے دوست ہو اور ہم اپنے دوستوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتے۔''

شمعون نے بظاہر بڑے تیقن سے کہا لیکن یہ بات ابو احمد سے زیادہ اچھی طرح اور کون سمجھ سکتا تھا کہ ''موساد'' کے نزدیک کوئی دوست یا دُشمن نہیں ہوتا۔ یہ لوگ صرف اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔ خواہ اس کے لئے کسی حد تک ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اُس نے دوبارہ اپنا بریف کیس کھولا اور ڈالرز کی دو بڑی گڈیاں اُس کی طرف بڑھائیں۔

''یہ تمہارا ایڈوانس ہے۔ کام مکمل ہونے کے بعد تمہیں اتنا بڑا انعام ملے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' شمعون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ابو احمد بھی جواب میں مسکرا دیا۔ اُس نے بلا تامل تمام رقم اپنے ہینڈ بیگ میں منتقل کر لی تھی جو اُس کے جسم کا حصہ بنا رہتا تھا۔ ابو احمد جانتا تھا کہ ایسا کام مکمل ہونے کے بعد ''موساد'' کی طرف سے اپنے کسی بھی ''سورس'' کو کیا انعام ملتا ہے۔ اُس تک اس ''انعام'' کی دو تین کہانیاں پہنچ چکی تھیں جب ''موساد'' نے اپنے لئے کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے والے اپنے غیر ملکی اور غیر مذہبی ایجنٹ کو فوراً مار ڈالا تھا تاکہ اُن کے جرائم کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔

تھوڑی دیر بعد شمعون اور مقامی کیسٹا (Kasta) رُخصت ہوگئے اور اُن کی روانگی کے چند منٹ بعد ابواحمد بھی وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

■ ■ ■

ابواحمد کو ان لوگوں نے بتایا تھا کہ زرقاوی آج کل عراق، اُردن اور شام میں سرگرمِ عمل ہے۔ انہوں نے ابواحمد سے کہا تھا کہ وہ کوشش کر کے زرقاوی کو اُردن میں لائے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اُسے عراق میں اُن سے ملائے۔ انہوں نے ابواحمد کو ایک Cover Story بھی بتا دی تھی۔ جس کے مطابق بریگیڈیئر شمعون نے اُس سے اسلحے کے ایک ڈیلر کی حیثیت سے ملاقات کرنی تھی جس کی رسائی روس میں ایٹمی اسلحہ تک تھی۔ انہوں نے ابواحمد کو بتایا تھا کہ زرقاوی کو آج کل شدت سے ایٹمی اسلحہ درکار ہے اور وہ آسانی سے اُسے اس چکر میں پھنسا سکتا ہے۔

زرقاوی کو جب ابواحمد کی طرف سے اس ملاقات کی خبر ملی تو اُس نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ بالآخر اُن کی کوششیں رنگ لائی تھیں اور آٹھ سال بعد وہ اُس بڑے مجرم تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے جس نے انہیں امن پسند شہریوں سے دہشت گرد بنا ڈالا تھا۔

"بہت محتاط رہنا ابواحمد......! ہمیں بہت سنبھل کر یہ کھیل کھیلنا ہے۔ بڑے مکار اور دھوکہ باز دُشمن سے سامنا ہے۔"

اُس نے اپنی خفیہ پناہ گاہ پر ابواحمد کو اگلے منصوبے سے آگاہ کیا۔ دونوں نے تین چار مختلف منصوبوں اور امکانات پر بحث کے بعد بالآخر ایک منصوبہ طے کر لیا تھا اور اب اُس پر عمل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

■ ■ ■

کرنل مائیک نے جاپانیوں کے اغواء اور قتل اور اُس کے بعد مجاہدین کی طرف سے جاری ہونے والی تفصیلات کو بھلایا نہیں تھا۔ اُس کے لئے "موساد" سے تجدید تعلقات اتنے ضروری نہیں تھے جتنا کہ سی آئی اے میں اپنی ساکھ کی بحالی اور یہ تب ہی ممکن تھا جب وہ شیرازی اور ابوسرمد کا نقصان پورا کرتا۔ ناصر کی طرف سے ہونے والے خودکش حملے اور سیف ہاؤس کی تباہی نے اُس کی ساکھ کو بہت متاثر کیا تھا۔ اُس کی ساری اُمیدیں اب لیفٹیننٹ مارتھا سے وابستہ تھیں اور مارتھا کی آخری اُمید حماد اور اُس کے ساتھی تھے۔

ابوحسام نے اب تک اپنے بارہ بہترین مجاہدوں کو قصرِ جمہوریہ کے اندر پہنچا دیا تھا۔ اُسے اس بات کا اندازہ تھا کہ انہوں نے جلتی آگ میں خود کو جھونکا ہے لیکن وہ یہ بات بھی بخوبی جانتے تھے کہ کسی نہ کسی کو تو اس آگ کا ایندھن بننا ہی ہے۔ آزادی کوئی پلیٹ میں رکھ کر پیش کرنے والی چیز نہیں۔ انہیں بہرحال ایک طویل اور صبر آزما لڑائی لڑنا تھی جس کے بعد ہی وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔

زرقاوی اس جہاد میں اُن کا بہترین ساتھی تھا لیکن بہت محتاط اور انتہائی پُراسرار۔ اُس نے کبھی ابوحسام کو اپنے منصوبے سے پیشگی آگاہی نہیں دی تھی۔ اب بھی وہ اچانک غائب ہوگیا تھا۔ آج اُسے غائب ہوئے تیسرا دن تھا جب ابوحسام کو اُس کی طرف سے پیغام ملا کہ وہ کسی ضروری کام کے لئے کچھ دنوں تک اُن سے الگ رہے گا۔ کیونکہ ان حالات میں اُس کی بغداد میں موجودگی سے مجاہدین کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اُس نے ابوحسام کو مطلع کیا تھا کہ وہ اُس سے ہمیشہ رابطے میں رہے گا اور اپنا کام مکمل کرتے ہی دوبارہ واپس لوٹ آئے گا۔

پندرہ دن کی طویل اور سخت ٹریننگ کے بعد بالآخر اُن کی ملاقات کرنل مائیک سے کروا دی گئی تھی لیکن اس ملاقات کے لئے انتہائی محتاط اور حیران کن طریقہ اختیار کیا گیا تھا جو حماد اور اُس کے ساتھیوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

اُس روز وہ لوگ اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد اُس مخصوص ٹرک میں تک جو پچھلے کئی دنوں سے اُن کے لئے مختص ہو چکا تھا، پہنچنے کی تیاری کر رہے تھے۔ جب ایک جیپ ٹرک کے نزدیک آئی اور کرنل مائیک اپنے چار مسلح گارڈز کے ساتھ اس کے سامنے آگیا۔ اُس نے باری باری سب سے ہاتھ ملایا۔ اُن کی کوشش اور تربیت کو سراہا۔ اُن کے عزائم کی داد دی اور انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ امریکی حکومت عراقی عوام کے لئے کی جانے والی اُن کی کوششوں اور قربانیوں کو کبھی نہیں بھلائے گی اور اُن کی ہر ممکن مدد اور معاونت جاری رکھے گی۔

یہ ملاقات بمشکل پندرہ بیس منٹ پر محیط تھی۔ اس دوران کرنل مائیک کے مسلح محافظوں کی نظریں اُن کی حرکات و سکنات پر جمی رہیں۔ شاید وہ اس امکان کو ذہن میں رکھ کر آئے تھے کہ کرنل مائیک پر یہاں اچانک حملہ بھی ہو سکتا ہے۔

اپنی روانگی پر کرنل مائیک نے پہلے سے تیار شدہ لفافے اُن میں تقسیم کئے تھے جن میں سب

کے لئے مخصوص رقم موجود تھی۔ اُس نے انہیں بتایا تھا کہ انہیں کل سے ہی ''ٹارگٹ'' ملنا شروع ہو جائے گا۔ حماد اور اُس کے ساتھی اس ٹارگٹ سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے اُن سے اپنے ہی بھائی بندوں کو نشانہ بنانے کا گھناؤنا کام لیا جائے گا۔ جبکہ ان کا ٹارگٹ کچھ اور تھا لیکن ابھی تک انہیں اپنا ہدف تباہ کرنے کا حکم ابو حسام کی طرف سے موصول نہیں ہوا تھا۔

ابو حسام کو بھی وہ منصوبہ جس کے تحت اُس نے حماد کے ذریعے اپنے مجاہدین کو کرنل مائیک تک پہنچایا تھا، پورا کرنے کے لئے زرقاوی کے گرین سگنل کا انتظار تھا، جس نے اُس سے الگ ہوتے ہوئے درخواست کی تھی کہ جب تک اُسے زرقاوی کی طرف سے گرین سگنل نہ ملے وہ کوئی کارروائی نہ کریں۔ صرف وقت گزارنے اور کرنل مائیک کو مطمئن رکھنے پر توجہ دیں۔ ابو حسام کی طرف سے بھی حماد، شرجیل، صالحہ اور ان کے ساتھیوں کو یہی ہدایات دی گئی تھیں۔

اُس نے حماد اور اُس کے ساتھیوں سے رابطہ منقطع کیا ہوا تھا۔ انتہائی ضرورت پر ہی وہ اُن سے رابطہ قائم کرتے تھے۔ کیونکہ زرقاوی نے ابو حسام کو بتایا تھا کہ سی آئی اے اور موساد کے متعلق کبھی کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہ رہے۔

ابو حسام کو صرف یہ اطلاع تھی کہ زرقاوی کچھ دنوں کے لئے بغداد سے نکل جائے گا۔ لیکن وہ کہاں جائے گا......؟ کیا کرے گا......؟ اُس کا نشانہ کون ہوگا......؟ اور وہ کب اچانک واپس آجائے گا......؟ ایسے کسی بھی سوال کا جواب فی الوقت اُس کے پاس نہیں تھا۔

تکریت سے شروع ہونے والی تحریک مزاحمت اب آہستہ آہستہ عراق کے کونے کونے تک پھیل گئی تھی۔ بصرہ سے بغداد تک کوئی بھی جگہ قابض افواج کے لئے محفوظ نہیں رہی تھی۔ مجاہدین کے کئی گروپ تیار ہو چکے تھے۔ یہ لوگ کسی مدد کے بغیر محض رضائے الٰہی کے لئے اپنی مدد آپ کے تحت شہادت کے اس راستے پر گامزن ہو گئے تھے اور انہوں نے جلدی ہی قابض افواج کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ انہوں نے عراق پر قبضہ کر کے بدترین جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا بہر حال انہیں ملے گی۔

■ ■ ■

ابو احمد سے ملاقات کے پانچویں روز بریگیڈیئر شمعون کو پیغام مل گیا کہ اُس کے دوست نے زرقاوی تک رسائی حاصل کر لی ہے اور اب وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس روز وہ دونوں بیروت

میں ایک خفیہ اڈے پر ملاقات کر رہے تھے۔ اُن کی ملاقات کے لئے طے شدہ مقام کی نشاندہی ابو احمد کو کی گئی تھی۔ اُسے صرف لندن سے بیروت تک کا ٹکٹ اور اس ہوٹل کی بکنگ ملی تھی جہاں اس نے قیام کرنا تھا۔

ابو احمد برٹش ائیر ویز کی ایک فلائٹ کے ذریعے لبنان پہنچا تھا اور ائیر پورٹ کلیرنس کے بعد اب لاؤنج سے باہر آ کر کسی ٹیکسی کا منتظر تھا جو اُسے اُس کے ہوٹل تک پہنچا دے لیکن یہاں ایک اور حیرت اُس کے لئے موجود تھی۔

اچانک ہی ایک کار اُس کے نزدیک رُکی جس میں اُس کا لندن کا انچارج ''کیسٹا'' موجود تھا۔ جس نے کار میں بیٹھے بیٹھے ابو احمد کو اپنے ساتھ بٹھایا اور اس کے بیٹھتے ہی کار ہوا ہوگئی۔

برق رفتاری سے کار چلاتے ہوئے اُس کا شاق اور محتاط ڈرائیور کار کو لبنان کے ایک مضافاتی علاقے میں لے آیا جہاں ایک بڑی بلڈنگ کے چاروں طرف موجود مسلح گارڈز نے کار پر نظر پڑتے ہی اُس کے لئے مین گیٹ کھول دیا۔ کار بلڈنگ کے پورچ میں رُکی۔ دونوں باہر نکلے تو سامنے بریگیڈیئر شمعون اُن کا منتظر تھا۔

''اہلاً وسہلاً مرحبا......!''

اُس نے ابو احمد کی شکل پر نظر پڑتے ہی بے تکلفی سے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ ابو احمد بھی اب اچھا خاصا اداکار بن چکا تھا، اُس نے جواب میں کچھ زیادہ ہی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ یہ بات اُس نے اپنے ذہن سے نکال دی تھی کہ اچانک ہوٹل سے ملاقات کا پروگرام یہاں کیوں تبدیل ہو گیا......؟ وہ جانتا تھا یہ لوگ اکثر عین آخری وقت پر اپنے پروگرام تبدیل کر دیا کرتے ہیں اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ لیکن جس خدشے کے پیشِ نظر انہوں نے یہ حفاظتی قدم اُٹھایا تھا وہ زرقاوی کے دماغ میں پہلے سے موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ابو احمد کا کسی مرحلے پر بھی تعاقب کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ یہی ''موساد'' دیکھنا چاہتی تھی اور اب ابو احمد بریگیڈیئر شمعون کو اس بات کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ کوئی ڈبل گیم نہیں کر رہا۔

ایک پُر تکلف اور آرام دہ کمرے میں خوبصورت میزبان اُن کی منتظر تھی۔ جس نے ابو احمد کو مشروب پیش کیا جو اُسے بادل نخواستہ زہر مار کرنا پڑا۔

ابو احمد نے انہیں بتایا تھا کہ کس طرح اُس نے زرقاوی کے ایک دوست سے اسلحہ ڈیلر کی

بات کی اور بتایا تھا کہ اس اسلحہ ڈیلر کی رسائی ایٹمی ہتھیاروں تک ممکن ہے اور وہ مطلوبہ رقم ملنے پر ایٹمی ہتھیار مطلوبہ جگہ پر بحفاظت پہنچا سکتا ہے۔ اُس نے شمعون کو یقین دلایا تھا کہ زرقاوی اُس کے جال میں پھنس چکا ہے اور وہ اُس سے ملاقات کے لئے تیار ہے۔

''اُس نے سولہ تاریخ کی شام ملاقات کے لئے طے کی ہے۔ آپ کو پندرہ تاریخ کو سرکل تھری میں واقع ہوٹل براڈوے میں قیام کرنا ہے۔''

ابواحمد نے اُس تک زرقاوی کا پیغام پہنچایا اور انہیں بتایا کہ زرقاوی بہت چالاک ہے۔ اگر اُسے معمولی سا شک بھی ہوگیا تو وہ ابواحمد کو مار ڈالے گا۔ اُس نے اسلحہ ڈیلر کے پروگرام کو نظرانداز کرتے ہوئے ملاقات اور سودے بازی کے لئے اپنے پروگرام پر عمل کرنے پر اصرار کیا تھا۔

''ٹھیک ہے......! تم اُسے مطمئن کردو۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد بریگیڈیئر شمعون نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد ''کیسٹا'' اور شمعون رُخصت ہوگئے جبکہ انہوں نے ابواحمد کو رات یہیں بسر کرنے کے بعد اگلے روز یہاں سے اُردن پہنچانے کا پروگرام بنایا تھا۔

ابواحمد نے انہیں بتایا کہ اُسے بھی زرقاوی کی طرف سے ایک اور ہوٹل میں قیام کے لئے کہا گیا ہے۔ ملاقات کا کوئی دن، وقت اور طریقہ نہیں بتایا۔ بس اُسے یہی کہا گیا ہے کہ اُسے دو تین روز میں پیغام مل جائے گا کہ انہیں کہاں ملنا ہے۔

آج بارہ تاریخ تھی اور سولہ تاریخ میں ابھی چار دن باقی تھے۔ یہاں موجود میزبانوں نے ابواحمد کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ دوسرے روز علی الصباح میں اُسے وہاں سے لے کر ایک دوسری کار اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئی اور اسی روز رات کی فلائٹ سے وہ عمان پہنچ گیا۔

ابواحمد اور زرقاوی نے جو منصوبہ تیار کیا تھا اُس میں اب ابواحمد کا کردار ختم ہونے والا تھا۔ اُسے ملاقات کا سگنل دے کر روپوش ہوجانا تھا اور اس کے بعد کی زندگی کسی نئی شناخت کے ساتھ بسر کرنی تھی۔ کیونکہ اُس کی موجودہ شناخت کا اس کے بعد برقرار رہنا ابواحمد اور اُس کے ساتھیوں کے لئے کئی مسائل کھڑے کرسکتا تھا۔

رائل جارڈینکن ایئر لائن کے جس جہاز کے ذریعے وہ عمان پہنچا تھا، اُس جہاز میں بھی موساد کے دو ایجنٹ اُس کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لئے اُس کے ساتھ ہی اُردن آئے تھے۔

انہیں اب زرقاوی کی موت تک ابواحمد پر نظر رکھنی تھی۔ جیسے ہی زرقاوی کا خاتمہ ہوتا ابواحمد کو ٹھکانے لگا دیا جاتا۔ یہی اُن کا پرانا طریقہ کار تھا جس پر انہیں اب بھی عمل کرنا تھا۔

''موساد'' جو کچھ کرنے جا رہی تھی اُس کے ہر امکان پر زرقاوی کی نظر تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اب یہ لوگ ابواحمد سے اُس وقت تک چمٹے رہیں گے جب تک کہ اُس کا مشن مکمل نہ ہوجائے۔ اس امکان کو ذہن میں رکھ کر انہوں نے اگلی منصوبہ بندی کی تھی۔

ابواحمد ایئرپورٹ سے معمول کے مطابق باہر آیا تھا۔ اُس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے اُس کا تعاقب کرنے والے اُس کے متعلق کوئی اور رائے قائم کرلیں۔ ٹیکسی اُسے لے کر سیدھی ''ہوٹل الفائیڈ'' پہنچی تھی جہاں اُس کے لئے کمرہ بک تھا اور اُس کے کمرے سے کچھ فاصلے پر ایک اور کمرہ اُس کے ''نگہبانوں'' کے لئے بک کروایا گیا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے معمول کے مطابق کھانا کمرے میں منگوا کر کھایا اور رات گئے بریگیڈیئر شمعون کو فون کے ذریعے پیغام دیا کہ زرقاوی نے اُس سے رابطہ قائم کیا ہے اور وہ سولہ تاریخ کا پروگرام فائنل کرلے۔ اُس نے شمعون کو بتایا تھا کہ زرقاوی نے یہ پیغام فون کے ذریعے دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ صرف اُس صورت میں اسلحہ ڈیلر سے ملے گا جب یہ ملاقات اُس کے طے کردہ طریقہ کار سے کی جائے گی۔

بریگیڈیئر شمعون کو زندگی میں ایسا سنہرا موقعہ کہاں ملنے والا تھا۔ اُس نے ابواحمد کی بات پر صاد کیا اور اُسے ہدایت کی کہ وہ سترہ تاریخ تک اسی ہوٹل میں قیام کرے جس کے بعد لندن چلا جائے۔ اُسے سترہ تاریخ کی صبح لندن کا ٹکٹ مل جائے گا۔

ابواحمد دل ہی دل میں مسکرایا۔

وہ جانتا تھا سترہ تاریخ کو اُسے ''موساد'' کی طرف سے کون سا ٹکٹ ملنے والا ہے۔ اپنی دانست میں ''موساد'' سولہ تاریخ کو زرقاوی اور سترہ کو اُسے مارنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔

''تمہیں ایک روز پہلے ہی ٹکٹ مل جائے گا...... جہنم کی روانگی کا۔'' ابواحمد نے بڑبڑاتے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا اُسے کب کیا کرنا ہے۔

■ ■ ■

تین روز سے ''موساد'' کے ایجنٹ مختلف رُوپ دھار کر اُردن پہنچ رہے تھے۔ سولہ تاریخ کی

صبح تک عمان میں بیس تجربہ کار اور خطرناک ''موساد'' کے ایجنٹ موجود تھے جن میں بہترین نشانہ باز، مارشل آرٹس کے چمپئن کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے ماہر ایجنٹ موجود تھے۔ یہ سب ''موساد'' کے وہ انتہائی خطرناک ایجنٹ تھے جنہوں نے دُنیا کے کونے کونے میں اس نوعیت کی درجنوں وارداتیں کیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں لگنے دی تھی۔ ''موساد'' کے یہ ایجنٹ اتنے پُر اسرار طریقے سے یہاں پہنچے تھے کہ اُردن کی انٹیلی جنس کو اُن کی ہوا بھی چھو نہیں سکتی تھی۔ ان ایجنٹوں نے ہوٹل ''براڈوے'' کے چاروں طرف اس طرح اپنا جال بچھایا تھا کہ کوئی چڑیا بھی اُڑ کر بریگیڈیئر شمعون تک نہ پہنچ سکے جو سولہ تاریخ کی صبح براڈوے ہوٹل کے ایک کمرے میں شفٹ ہو چکا تھا۔

بریگیڈیئر شمعون یہاں شام کے ایک عرب تاجر کی حیثیت سے قیام پزیر تھا اور اس کا نام پہلے ہی سے ابواحمد کے ذریعے زرقاوی کو بتا دیا گیا تھا۔ ''موساد'' کے انتظامات مکمل تھے اب انہیں زرقاوی کی فون کال کا انتظار تھا جس کے بعد وہ زرقاوی کا آسانی سے شکار کھیل سکتے تھے۔ اُن کے پاس ایک دوسرے کو صورتِ حال سے مطلع کرنے کے لئے اور ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے جدید ترین ہتھیار اور گجٹ موجود تھے۔ جن کی موجودگی کے بعد کسی بھی قسم کا خطرہ آسانی سے مول لیا جا سکتا تھا۔

■ ■ ■

ہوٹل براڈوے عمان کے سرکل روڈ ہی کی شاہراہ کنگ سلطان پر واقع تھا۔ اس ہوٹل سے بمشکل دس گز کے فاصلے پر شاہراہ سلطان تھی جس کے دوسری طرف ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی بلند و بالا عمارت ایستادہ تھی۔

بریگیڈیئر شمعون ہوٹل براڈوے کے وی آئی پی روم میں بے چینی سے زرقاوی کی کال کا منتظر تھا۔ اُس کے دائیں بائیں کے چار کمرے موساد کے ایجنٹوں نے ایڈوانس بک کروائے ہوئے تھے اور وہ کسی بھی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے یہاں مستعد اور تیار بیٹھے تھے۔

شام ڈھل چکی تھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا جب بالآخر شمعون کے فون کی گھنٹی بجی۔ اُس کے صرف ''ہیلو'' کہنے پر دوسری طرف سے مختصر پیغام ملا۔

''سڑک کے سامنے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے کمرہ نمبر 20 میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں......

فوراً آ جاؤ......راستہ پیدل طے کرنا۔''

اس سے پہلے کہ شمعون کوئی سوال کرے فون بند ہو گیا۔

بریگیڈیئر شمعون نے ایک لمحے کا بھی توقف نہیں کیا تھا۔ وہ جانتا تھا ان کا واسطہ زرقاوی جیسے انتہائی ہوشیار اور خطرناک دہشت گرد سے ہے جو ظاہر ہے انہیں ایک ہی وقت میں کئی طرح کے ''سرپرائز'' دے سکتا تھا۔

''موساد'' نے اپنی دانست میں زرقاوی کی طرف سے ملنے والے ہر ''سرپرائز'' (Surprise) کا بندوبست کر رکھا تھا۔ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں ہی انہوں نے دو کمرے بک کروائے ہوئے تھے جہاں اُن کے ایجنٹ مقیم تھے۔ جنہیں اگلے ہی لمحے بتا دیا گیا کہ شمعون کو کیا پیغام ملا ہے۔

شمعون نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ یہ دُنیا کی ایسی جدید اور شاندار جیکٹ تھی جو بالکل کپڑوں کا حصہ ہی دکھائی دیتی تھی۔ شمعون اپنے کمرے سے نکل کر جب سڑک تک پہنچا تو ''موساد'' کے دس ایجنٹ اُس کے گرد موجود تھے لیکن بہت غور کرنے پر بھی اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں۔

''موساد'' نے اپنی دانست میں کوئی امکان نظر انداز نہیں کیا تھا جہاں دس ایجنٹ سایے کی طرح بریگیڈیئر شمعون سے چپکے ہوئے تھے وہاں دوسری طرف نزدیکی کاروں کی کھڑکیوں سے بھی اندھیرے میں نظر آنے والی دُوربینیں لگائے باقی ایجنٹ اُس پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

لیکن ابھی شمعون سڑک عبور کر کے انٹر کانٹی نینٹل کی طرف جانے والی پٹڑی پر ہی چڑھا تھا جب ایک گولی اُس کی پیشانی پر لگی اور وہ اُلٹ کر دُور جا گرا۔

یہ زرقاوی کی ریمنگٹن رائفل کا کمال تھا۔

وہ ہوٹل براڈوے سے ملحقہ خالی عمارت کی چھت کے ذریعے ہوٹل کی چھت پر پہنچنے کے بعد اب اپنے شکار کا منتظر تھا۔ اس امکان کے پیشِ نظر کہ کہیں ''موساد'' نے ٹیلی فون بگ کرنے کا بندوبست ہی نہ کر رکھا ہو، اُس کی طرف سے فون کسی اور نے پہلے سے طے شدہ وقت پر کیا تھا۔

سب کچھ پلان کے عین مطابق تھا۔

ریمنگٹن رائفل کی طاقتور اور رات کے اندھیرے میں دُور تک دیکھ لینے والی دُوربین نے

اُسے بریگیڈیئر شمعون کی شکل دکھا دی تھی۔ وہ اس چہرے کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ جب وہ خود نوجوان تھا۔ اُس نے کرنل شمعون کو اپنے ہاتھوں بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلتے دیکھا تھا۔ پھر آٹھ سال پہلے سیدون میں اُس کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے جس بے رحمی سے اُس نے مارا تھا، اس کے بعد اُس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہی شمعون کی موت تھی۔

زرقاوی کو اس بات کا یقین تھا کہ شمعون کے ماتھے پر لگنے والی ریمنگٹن رائفل کی طاقتور اور زہریلی گولی نے اُسے دوسرا سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دی ہوگی۔ وہ شمعون کو اتنی آسان موت دینے کے حق میں نہیں تھا لیکن اس سنہری موقعہ کو کھو کر زندگی بھر پچھتاوے کا شکار بھی نہیں رہنا چاہتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی رائفل پیک کر کے وہاں سے چپ چاپ نکل گیا۔ اس نے یہاں تک آنے اور جانے کے لئے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ عین اُن لمحات میں جب ''موساد'' کے حواس باختہ ایجنٹ اپنے ''باس'' کی لاش میں زندگی دوڑانے کے لئے اُلٹی سیدھی حرکتیں کر رہے تھے، اُن کے بالکل نزدیک سے مقامی الیکٹرک کمپنی کی وہ وین گزر رہی تھی جس میں زرقاوی کمپنی لائن مین کی یونیفارم پہنے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

یہ بات شاید اِس کے ذہن میں پہلے سے موجود تھی کہ بریگیڈیئر شمعون نے ضرور بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی ہوگی جو اب بھی جوں کی توں اُس کے مردہ جسم پر چمٹی تھی۔

■ ■ ■

شمعون کو زرقاوی کی طرف سے اپنے کمرے میں ساڑھے چھ بجے کال موصول ہوئی تھی۔ عین ان لمحات میں تین اور اہم واقعات وضوع پذیر ہوئے۔ ابو احمد جو اُس وقت اپنے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں موجود تھا، اُٹھ کر واش روم تک گیا۔ اُس کی نگرانی پر مامور دونوں ایجنٹوں نے اُسے واش روم کی طرف جاتے دیکھا لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ کیونکہ زرقاوی کی میز پر ہوٹل کا ویٹر کھانے کے برتن سجا رہا تھا جس کا مطلب یہی تھا کہ اُس نے ابھی ڈنر کرنا ہے جس کے بعد ہی وہ یہاں سے نکلے گا۔

ابو احمد کو جب واش روم گئے پانچ منٹ گزر گئے تو دونوں کو تشویش ہوئی۔ ایک ایجنٹ اُٹھ کر واش رومز کی طرف گیا لیکن وہاں ابو احمد کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دونوں تیزی سے ہوٹل کے لاؤنج اور باہری دروازے کی طرف لپکے لیکن ناکام واپس لوٹ آئے۔

ساڑھے چھ بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے جب ''المنصور'' بغداد میں موجود کرنل واحد اپنے گھر کے بغلی دروازے سے باہر نکلا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اُس نے اس بات کا مکمل اطمینان کر لیا تھا کہ آس پاس کوئی اُس کی نگرانی نہیں کر رہا۔ اس گھر میں صرف وہی موجود تھا۔ ایک مخصوص راستے پر بمشکل تین منٹ پیدل چلنے کے بعد وہ اپنے لئے وہاں منتظر ایک چھوٹے ٹرک میں بیٹھ گیا جو اُسے مختلف محفوظ راستوں سے گزار کر رات کے دوسرے پہر ''الانبار'' لے آیا۔ جہاں اُس کی بیوی، بیٹی اور شعبان موجود تھے۔

کرنل واحد نے یہاں رُک کر صرف تازہ دم ہونے کے لئے کافی کا ایک کپ پیا اور پہلے سے تیار مختصر سے قافلے کے ساتھ ایک اور ٹرک میں سوار ہو گیا۔ اس طرح مختلف ٹرکوں میں سوار ہوتے ہوئے دوسرے روز رات کے دوسرے پہر وہ اپنے کنبے سمیت عراق کی سرحد عبور کر کے اُس محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا جو اُن کے لئے پہلے سے تیار کیا گیا تھا۔

سولہ تاریخ کی شام کو ساڑھے چھ بجے چوتھا اہم واقعہ بغداد کے شہریوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

ساڑھے چھ بجے قصر جمہوریہ سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک ٹرک میں سوار پندرہ مجاہدین شمالی جانب سے مین گیٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹرک شرجیل چلا رہا تھا جس کے ساتھ اگلی سیٹ پر صالحہ بیٹھی تھی۔ یہ لوگ انتہائی خطرناک اسلحہ سے لیس تھے۔ یہ اسلحہ انہیں کرنل مائیک کی طرف سے فراہم کیا گیا تھا۔ وہ اپنے معمول کے مطابق اپنی جگہ سے چلے تھے اور قصر جمہوریہ کے مین گیٹ سے گزر کر انہیں اپنے اُس ''سیف ہاؤس'' (Safe House) تک پہنچنا تھا جہاں اُن کا قیام تھا۔

لیکن...... خلافِ معمول شمالی جانب بنے اُس بلاک کی طرف ٹرک مڑ گیا جہاں کرنل مائیک اور اُس کے ماتحت اگلی تباہ کاریوں کی پلاننگ کر رہے تھے۔ شرجیل ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا جبکہ باقی تمام مجاہدین اپنے کام میں جُت گئے۔ انہوں نے گزشتہ بیس دن میں حاصل کردہ تربیت کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے کرنل مائیک اور وہاں موجود اُس کے چار ماتحتوں سمیت دس فوجیوں کو مار ڈالا۔

اپنا مشن مکمل کرتے ہی وہ ٹرک میں سوار ہو گئے لیکن اب دُشمن سنبھل چکا تھا۔ اُن پر تین

اطراف سے اندھا دُھند فائرنگ ہونے لگی۔ اس فائرنگ میں وہ بکتر بند گاڑیاں زیادہ اہم کردار ادا کر رہی تھیں جنہوں نے چند منٹ بعد ہی اُن کا راستہ روک دیا تھا۔

پندرہ بیس منٹ کے اس مقابلے میں ایک کے بعد ایک مجاہد جامِ شہادت نوش کرنے لگا لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا شہید نہیں تھا جس نے شہادت سے پہلے اپنے دل کے ارمان نہ نکال لئے ہوں۔

قصر جمہوریہ کے مین گیٹ تک زندہ بچ کر نکلنے والے چار مجاہدین میں صالحہ اور حماد بھی شامل تھے۔ حماد کے بازو میں گولی لگی تھی لیکن وہ آسانی سے بھاگ سکتا تھا۔ امریکی فوج کی طرف سے اُنہیں مہیا کی جانے والی بلٹ پروف جیکٹوں نے اُن کی خاصی مدد کی تھی۔

مین گیٹ عبور کر کے خاردار تاروں کی دوسری طرف موجود دو ٹیکسی کاروں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اُن کے ایک اور ساتھی کو بھی اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ شاید باقی چاروں بھی زندہ نہ بچ پاتے لیکن کاروں میں اُن کی مدد کے لئے آنے والوں نے محفوظ آڑ سے قصر جمہوریہ کے دروازے پر موجود امریکی فوجیوں پر حملہ کر کے انہیں اپنے ساتھ اُلجھا لیا تھا اور اس کور میں حماد، صالحہ اور اُن کے دو ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

کسی ممکنہ ٹریپ کی موجودگی کا خوف تھا یا پھر طے شدہ احتیاطی تدابیر کہ کاروں میں فرار ہونے والے حملہ آوروں کا امریکی فوج نے تعاقب کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا اور وہ راتوں رات اپنے محفوظ ٹھکانوں پر منتقل ہو چکے تھے۔

مؤذن علی الصبح جب اللہ کی کبریائی اور اُس کے مالک ارض وسما ہونے کا اعلان دُہرا رہا تھا۔ ابوحسام اور اُس کے ساتھی دُشمن کے جوابی حملے کو ممکنہ حد تک روکنے کے لئے صف بندی کر رہے تھے۔ قصر جمہوریہ میں جامِ شہادت نوش کرنے والوں کے جسدِ خاکی حاصل کر کے زمین کی امانت زمین کو سونپنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں اور شہریوں کا ایک جلوس قصر جمہوریہ کے سامنے جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جن کی طرف بندوقیں تانیں امریکی سپاہی انہیں خشمگیں نظروں سے گھور رہے تھے۔

جنوری 2006ء لاہور